

تاریخ اسلام

حصہ سوئم

شاہ معین الدین ندویؒ

آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک
اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع اول

اسلامی حکومتوں میں مذہبی و سیاسی اہمیت مدت کی وسعت، تہذیب و تمدن کے فروغ اور علوم و فنون کی ترقی کے اعتبار سے خلافت عباسیہ کو سب سے زیادہ اہمیت و امتیاز حاصل ہے۔ یہ حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک پانچ سو سال سے اوپر قائم رہی۔ گو اس مدت میں اس پر تغیر و انقلاب اور عروج و زوال کے بڑے بڑے دور گزرے۔ اس نے ہارون، مامون اور معتصم کی عظمت شان اور جاہ و جلال کے مناظر بھی دیکھے اور ان کے بعد کے خلفاء تنزل و ادبار اور بے کسی کا عبرت آموز تماشا بھی دیکھا۔ جب کہ خود ان میں کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی اور ان کے پردہ میں غالب قوتیں حکمرانی کرتی تھیں۔ جسے چاہتی تھیں خلیفہ بناتی تھیں، جسے چاہتی تھیں معزول بلکہ قتل تک کر دیتی تھیں، لیکن خلافت بغداد کی مرکزی دینی حیثیت آخر تک قائم رہی اور بنی امیہ اندلس اور مصر و مغرب کے فاطمیوں اور علویوں کے علاوہ جو بنی عباس کے حریف مقابل تھے۔ دنیائے اسلام میں جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، وہ سب خلافت بغداد کی دینی مرکزیت کو مانتی اور اس کی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔

بنی عباس کے عروج کا دور معتصم باللہ المتوفی ۲۲۷ھ پر ختم ہو گیا تھا۔ گو اس کے بعد خلافت بغداد چار صدیوں سے زیادہ قائم رہی، لیکن یہ پورا زمانہ تمام تر اس کے سیاسی زوال، عباسی امراء و عمال کی خود سری، غالب قوتوں کے اقتدار و استبداد اور نئی حکومتوں کے قیام، ان کے اور خلفاء کے اختلافات اور خود ان کی آپس کی کشمکش اور جنگ و جدل کی داستان پر مشتمل ہے۔

مورخین بنی عباس کی تاریخ دو دوروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک ان کے آغاز

سے مقتسم باللہ المتوفی ۲۲۷ھ تک دور عروج کی تاریخ، دوسری واثق باللہ المتوفی ۲۳۲ھ سے آخر تک دور زوال کی۔ عروج و زوال کے اعتبار سے یہ تقسیم بالکل صحیح ہے لیکن اس کے مطابق کتاب کے حصوں کی تقسیم میں یہ نقص ہے کہ دور عروج میں کل ایک صدی کی تاریخ آتی ہے اور چار صدیوں سے زیادہ کی باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے دور زوال کا حصہ زیادہ طویل ہو جاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مقتسم کے بعد خلافت عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اس پر ترک حاوی ہو گئے تھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ جسے چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے۔ جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے۔ پھر بھی خلفاء کے بہت کچھ اختیارات باقی تھے۔ حکومت کا نظام ان ہی کے نام اور احکام و فرامین سے چلتا تھا۔ اس دور میں بعض ایسے اولوالعزم اور حوصلہ مند خلفاء بھی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے ترکوں کی قوت کو توڑنے اور ان کا اقتدار کھٹانے کی کوشش کی اور اس میں ان کو عارضی کامیابی بھی ہوئی، لیکن مکتفی باللہ المتوفی ۳۳۴ھ کے عہد میں جب بنی بویہ نے ترکوں کی جگہ لی تو انہوں نے گو خلفاء کا ظاہری احترام قائم رکھا، لیکن عملاً ان کو عضو معطل بنا دیا۔ حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور خلفاء کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ان کا محض نام باقی رہ گیا تھا۔ باقی حکومت سے جملہ سیاه سپید کے مالک بنی بویہ تھے۔ اس دور سے جو زوال شروع ہوا تو پھر آخر تک حالت نہ سنبھل سکی۔ اس لیے ہم نے اس کتاب کی تقسیم اس دوسرے دور زوال کے لحاظ سے کی ہے۔ چنانچہ اس حصہ میں ابتداء سے متقی باللہ المتوفی ۳۳۳ھ کے عہد یعنی ترکوں کے دور اقتدار تک دو سو سال کی تاریخ ہے۔ دوسرے حصہ میں مکتفی باللہ المتوفی ۳۳۴ھ کے عہد میں بنی بویہ کے آغاز اقتدار سے آخر تک چار صدیوں کی تاریخ ہو گی۔

بنی عباس کے علمی و تمدنی کارنامے اتنے گونا گوں ہیں کہ ان کو ایک علیحدہ جلد میں لکھنا مناسب معلوم ہوا، تاکہ اس کی مرتب تصویر نگاہوں کے سامنے آ سکے۔ چنانچہ

پہلے دونوں حصوں میں صرف سیاسی تاریخ ہوگی اور تیسرا حصہ علمی و تمدنی تاریخ پر مشتمل ہوگا۔

عربی مورخین عموماً سیاسی انقلابات اور جنگ و جدال کی بڑی جزوی تفصیلات لکھتے ہیں۔ جن سے طول بیان کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم نے حتی الامکان ان میں اختصار ملحوظ رکھا ہے اور غیر ضروری تفصیلات قلم انداز کر دی ہیں۔

فقیر

معین الدین احمد ندوی

۲/ جون ۱۹۴۴ء

All rights reserved.

©2002-2006

دیباچہ طبع دوم

الحمد للہ سلسلہ تاریخ اسلام کو بڑا احسن قبول حاصل ہوا اور اس کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا، چنانچہ اس کے پہلے دو حصے مزید ترمیم و اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تیسرا حصہ ہے، اس میں بھی بہت سے نئے اضافے کیے گئے ہیں۔ عباسیوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر ایک مستقل جلد ہوگی، جو زیر تالیف ہے۔ اس لیے پہلے ایڈیشن میں علمی و تمدنی حالات نہیں لکھے گئے تھے، لیکن یہ سلسلہ متعدد درگاہوں کے تاریخ اسلام کے انصاب اور ان کے مطالعہ کی کتابوں میں داخل ہے اور اس کی کمی سے طلباء کو دشواری پیش آتی تھی۔ اس لیے اس ایڈیشن میں مختصر علمی حالات مستقل اور تمدنی و انتظامی حالات بھی جستہ جستہ بڑھائے گئے ہیں، تاکہ اس سے ایک اجمالی واقفیت ہو جائے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ زیر تالیف جلد میں ہوگی۔ ان کے علاوہ اس درمیان میں اور جو نئے معلومات حاصل ہوئے۔ ان کا بھی اضافہ کیا گیا ہے اور اب یہ حصہ پہلے سے زیادہ جامع و مکمل و طلبہ کے لیے مفید ہو گیا ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۵ / رجب ۱۳۸۶ھ

مطابق ۱۲ / مئی ۱۹۶۹ء

دیباچہ طبع اول

یہ جلد تاریخ اسلام کا چوتھا اور تاریخ بنی عباس کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے پہلے حصہ میں خلافت عباسیہ کے قیام سے لے کر متقی باللہ (۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ) تک دو صدیوں کے حالات تھے۔ اس میں اس کے بعد سے خلافت بغداد کے ۶۵۶ھ تک چار صدیوں کی تاریخ ہے۔ یہ دور تمام تر خلافت عباسیہ کے زوال اور دوسری نئی نئی حکومتوں کے قیام اور خلافت بغداد میں ان کے تسلط و اقتدار کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں خلافت کا سارا نظم و نسق دیا لمہ اور ان کے بعد سلجوقیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ خلفاء کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے اور آخر زمانہ میں ان کی حیثیت محض ایک وظیفہ خوار کی ہو گئی تھی۔ خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے کچھ دنوں پہلے بعض خلفاء ضرور ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے خلافت کو سلجوقیوں کے استبداد سے چھڑایا اور دولت عباسیہ کے رقبہ میں بھی جو اس زمانہ میں بغداد اور آس پاس کے چند اضلاع تک محدود ہو گیا تھا، کچھ اضافہ کیا اور ایک حد تک انہوں نے خلافت بغداد کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کر دیا، لیکن یہ اس چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا۔ اس کے بعد تاتاریوں کا طوفان اٹھا۔ جس نے عباسی خلافت کا چراغ سحری ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ جو زمانہ عباسیوں کے زوال کا تھا، وہی دنیائے اسلام کے عروج و ترقی کا تھا۔ ایک حکومت کے زوال کے ساتھ ہی دوسری نئی طاقت اس کی جگہ لے لیتی تھی اور نئی حکومتوں کے قیام و ترقی کا ایک سلسلہ قائم تھا، چنانچہ دیلمی، غزنوی، سلجوقی، تاتاری، ایوبی اور خوارزمی وغیرہ اس زمانہ کی بڑی بڑی حکومتیں اس دور میں قائم ہوئیں۔ دیلمی و سلجوقی خاندان خلافت بغداد کے متولی تھے اور اس کا سارا نظام ان ہی کے ہاتھوں میں تھا اور اس دور کی تاریخ خلافت ان ہی دونوں حکومتوں کے حالات سے عبارت ہے۔ اس لیے دولت عباسیہ کے ضمن میں ان کی اجمالی تاریخ آگئی ہے۔ تاتاری اور ایوبی حکومتوں کو اگرچہ براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن یہ دونوں خاندان جنگ صلیبی

کے ہیرو تھے جو تاریخ اسلام کا نہایت مہتمم بالشان واقعہ ہے۔ اس لیے جنگ صلیبی کے سلسلے میں ان کے مجاہدانہ کارناموں کے ضروری حالات بھی آگئے ہیں۔ آخر میں عباسیہ مصر کے بھی مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی بڑی حکومتوں کے ان حالات کا بھی مختصر تذکرہ ہے جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس زمانہ کے دنیائے اسلام کے اہم حوادث سے تھا۔ اس طرح یہ کتاب خلافت بغداد کے ساتھ اس زمانہ کی مشرقی کی بڑی بڑی حکومتوں کے اہم حوالات و کوائف کی بھی اجمالی تاریخ بن گئی ہے اور اس کے مطالعہ سے دنیائے اسلام خصوصاً مشرق کے چار صدیوں کے سیاسی مدوجزر کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے، لیکن تاریخ اسلام میں ان حکومتوں کے مستقل حالات لکھے جائیں گے۔ اس لیے ان کی تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ ہر حکومت کے حال میں حتی الامکان مستند ترین عربی و فارسی ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے حوالے سے ہوگا۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء

دیباچہ طبع دوم

سلسلہ تاریخ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا احسن قبول عطا فرمایا۔ مختلف یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے نصاب میں داخل کیا۔ بعض نے اس کو مطالعہ کی کتابوں میں رکھا۔ خود تاریخ اسلام کے طلبہ سہولت کے خیال سے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے نئے مصنفین نے اس کی مدد سے مختصرات مرتب کیے۔ اس لیے چند سال کے عرصے میں اس کے ابتدائی حصول کے کئی ایڈیشن نکل گئے اور ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ اضافے کیے گئے۔ چوتھے حصہ کا دوسرا ایڈیشن اب شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بھی جا بجا ترمیمیں کی گئی ہیں اور کتاب کے آخر میں عباسیوں کے تمدن کا حصہ نیا اضافہ ہے جو اردو میں تاریخی استناد کے ساتھ عباسی تمدن پر بالکل نئی چیز ہے۔ جس سے امید ہے کہ اسلامک کلچر کے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے نافع بنائے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۱/ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ

برطانیق ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء

تاریخ اسلام

﴿حصہ سوم﴾

دولت عباسیہ کی اہمیت

مسئلہ خلافت کی تاریخ

عباسی حکومت کا قیام

اسلام کی پونے چودہ سو سال کی تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں اور بہت سے خانوادے تخت حکومت پر بیٹھے، لیکن ان سب میں مختلف حیثیتوں سے جو عظمت و شان اور جواہریت دولت عباسیہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کے حصہ میں نہ آئی۔ گو اموی حکومت کے مقابلہ میں ان کا رقبہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی گیا، لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مرکزی حیثیت اسی کو حاصل رہی اور اس کے زوال زمانہ میں اس سے ٹوٹ کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، ان میں سے اکثر کا تعلق ماتحت کی حیثیت سے آخر تک اس کے ساتھ قائم رہا اور ان کے حکمران عباسیہ کی سیادت تسلیم کرتے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے۔ اسی کا علم ان کی حکومت کا نشان تھا۔ جسے خود عباسی خلفاء ان کو عطا کرتے تھے۔ آخر زمانہ میں جب عباسی حکومت صرف بغداد میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی دینی مرکزیت اسی کو حاصل تھی۔ اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کی تدوین کا آغاز اسی علم دوست حکومت کے زمانہ میں ہوا، اور اسی کے عہد میں اوج کمال کو پہنچا۔ حدیث اور سیرت و مغازی اور تاریخ و طب وغیرہ کی دو چار کتابیں اموی دوی میں بھی تالیف و ترجمہ ہوئیں، لیکن اس کو علمی سلسلہ کی کوئی اہم کڑی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا مستقل آغاز اور کمال عباسی دور ہی میں ہوا۔ مسلمانوں کی ساری دماغی ترقیاں، علمی کارنامے اور اکابر علماء اور علم و فن کے بہترین ذخائر عباسی عہد ہی کی یادگار ہیں۔ ان کا پایہ تخت بغداد مدینۃ العلم تھا۔ جہاں ہر فن کے صاحب کمال موجود

تھے اور جس سے ساری دنیائے اسلام کے تشنگان علم سیراب ہوتے تھے۔ تمدنی نقش آرائیاں البتہ اموی دور سے شروع ہو چکی تھیں، لیکن اس کی تکمیل بھی عباسی عہد میں ہوئی۔ مختلف قوموں کے میل جول، خصوصاً عجمیوں کے اثر نے تہذیب معاشرت میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا اور عباسی خلفاء کی تمدن نوازی نے ایرانی، کلدانی، مصری، رومی، یونانی اور ہندی تہذیب و تمدن کے گونا گوں رنگوں سے سادہ عربی تمدن میں وہ بوقلموں نقش آرائیاں کیں کہ عباسی تمدن دنیا کا متشابہن گیا اور مشرق میں اس کا نام ہی اسلامی تمدن قرار پایا اور کشمیر و کاشغر سے لے کر مصر و مغرب تک تمام مسلمانوں کا دینی تمدن ہو گیا اور مشرق کے جس حصہ میں بھی مسلمانوں کی کوئی نئی حکومت قائم ہوئی یا نئی قوم برسر عروج آئی۔ عباسی تمدن اس کا مایہ خمیر قرار پایا۔ اس لیے مسلمانوں کے تمدن، علوم و فنون اور حکمت و سیاست کو سمجھنے کے لیے بنی عباس کی تاریخ سب سے اہم ہے۔ اس حکومت کے قیام کی تفصیل بنی امیہ کے دور میں گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ابتدائی تاریخ اسلام کے واقف کاروں سے یہ راز پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ جس کا اصطلاحی نام خلافت و امامت ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف انگیز رہا، لیکن صحابہ کرام ﷺ کے اخلاص اور حسن نیت نے اس اختلاف کو دبا کر اتحاد و اتفاق قائم کر رکھا اور دو اگلی خلافتیں اسی مسلک پر گزر گئیں۔ تیسری خلافت کے آخری زمانہ میں جب اکثر اکابر صحابہ ﷺ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے اخلاف ان کے وارث ہوئے تو پر جوش نوجوان طبیعتیں منصبوں اور عہدوں کی حرص و ہوس میں مبتلا ہو گئیں۔ خصوصاً قریشی نوجوان اس عظیم الشان اسلامی حکومت کو جس کے قائم کرنے میں عرب کے تمام قبائل کی کوششیں برابر کی شریک تھیں، اپنی تنہا ملک سمجھنے لگے۔ یہ چیز آزاد اور مساوات پسند عربوں پر سخت (تاریخ طبری و انعات عہد عثمان ﷺ) شاق گزری۔ اس کے علاوہ مفتوحہ قومیں علیحدہ مسلمانوں کی محکومی سے گلو خلاصی کے لیے موقع کی منتظر تھیں۔ شام و مصر تو عربوں نے

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا۔ یہ گو آنحضرت ﷺ کے داماد تھے، مگر اموی خاندان کے تھے۔ اس لیے ان کے اخیر عہد میں پرانا اموی اور ہاشمی سوال پھر پیدا ہو گیا، یا پیدا کر دیا گیا۔ شام میں حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے امیر معاویہؓ گورنر چلے آ رہے تھے۔ اس لیے وہاں ان کا بڑا اثر قائم ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنا دار الحکومت عراق میں منتقل کر دیا تھا۔ اس لیے بنی ہاشم کے حامیوں اور طرف داروں کی بڑی جماعت عراق میں تھی اور عراق کے ساتھ عجم کی پوری طاقت بھی شریک تھی۔ اس طرح عراق سے لے کر ایران و خراسان تک بنی ہاشم کا اقتدار قائم تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ نے خلافت کی مسند پر قدم رکھا۔ وہ ہاشمی تھے۔ بنی امیہ نے ان سے اختلاف کیا اور شام نے ان کا ساتھ دیا۔ اس مخالف جماعت کے راہنما امیر معاویہؓ تھے۔ حضرت علیؓ کا پورا عہد اسی جنگ و جدال میں بسر ہو گیا اور لوگ امن و امان کو ترسے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت حسنؓ نے جو حضرت علیؓ کی جگہ عراق و عجم کے خلیفہ تھے، امیر معاویہؓ سے صلح کر لی، مگر بنی ہاشم نے اس کو پسند نہیں کیا اور ”بنی ہاشم“ جو جاہلیت کی اصطلاح تھی، اسلام کے بعد اہل بیت نبوی کی مذہبی اصطلاح میں بدل گئی تھی اور اب مقابلہ بنی امیہ اور اہل بیت نبوی میں ہو گیا۔

امیر معاویہؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل بیت نبویؓ کی پوری مدارات اور بظاہر ہر طرح ان کی دلجوئی کی۔ انکی وفات کے بعد ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا۔ اس جانشینی نے اسلام میں وراثت کی بدترین نظیر پیش کی اور عام طور پر مسلمانوں نے اس کو اس منصب کے ناقابل سمجھا، مگر دنیاوی طاقت و حکومت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے کچھ لوگوں نے قوت سے ڈر کر اور کچھ لوگوں نے مسلمانوں کو تفریق سے بچانے کے لیے اس کی خلافت مان لی، لیکن قریش اور اہل بیت نبویؓ میں جو لوگ اخلاقی طاقت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس جبری اور موروثی جانشینی سے اختلاف کیا۔

ان میں سب سے اہم شخصیت حضرت زبیرؓ بن عوام کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تھی جو آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی کے لڑکے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کے نواسہ تھے۔ ان سے بھی زیادہ اہم حضرت حسینؓ تھے جو سرور عالمؐ کے نواسہ اور حضرت علی المرتضیٰؓ خلیفہ چہارم کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کے علاوہ اکابر صحابہؓ میں حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عباس کے صاحبزادہ عبداللہ بن عباسؓ موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے زہد و ورع کی بنا پر گوشہ گیری اختیار کر لی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم کی مسند پر قناعت کی۔ اب صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ باقی رہ گئے۔ حضرت امام کو ان کے عراق کے طرفداروں نے کوفہ آنے کی دعوت دی اور جیسا کہ معلوم ہے انہوں نے کوفہ جا کر اہل بیت کے اکثر افراد کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد اہل بیت کی یادگار میں صرف حضرت حسینؓ کے بیمار صاحبزادہ امام علی زین العابدینؓ رہ گئے۔ ان کے علاوہ حضرت علیؓ کے ایک اور صاحبزادہ جو حضرت فاطمہ زہراؓ کے بعد کی ایک اور بیوی حنفیہ سے تھے ان کا نام محمد بن حنفیہ تھا۔

حضرت علی زین العابدینؓ نے سجادہ عبادت کو چھوڑ کر سیاسی میدان میں قدم رکھنا گوارا نہ فرمایا، لیکن عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں خلافت کا دعویٰ کیا۔ ابھی ان میں اور یزید میں جنگ جاری تھی کہ یزید کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا، لیکن وہ یزید کے عہد کے المناک حوادث سے اتنا متاثر تھا کہ دو ہی چار دن کے بعد تخت چھوڑ کر گوشہ گیری اختیار کر لی۔ اس طرح حسینؓ کی شہادت کے چند ہی سال بعد امیر معاویہؓ کے خاندان کی موروثی حکومت ختم ہو گئی اور عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز و عراق میں اپنی حکومت قائم کر لی، لیکن ادھر شام میں خاندان بنی امیہ کے ایک اور چالاک ممبر مروان بن حکم نے موقع انتخاب میں اپنے کو پیش کر کے

ہوئے۔ ان دونوں کے زمانے میں برابر عباسی دعوت کا خفیہ سلسلہ قائم رہا۔ ابراہیم کے زمانہ میں یہ راز فاش ہو گیا اور بنی امیہ نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور قید ہی میں انہوں نے وفات پائی۔ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۲۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی نے ان کی جگہ لی۔ ان کے زمانہ میں عباسیوں میں کافی طاقت آگئی تھی اس لیے وہ علانیہ بنی امیہ کے مقابلہ میں آگئے اور بنی عباس کے داعی اعظم ابو مسلم خراسانی نے بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا۔ بنی عباس کو دعوت ان کی اور بنی امیہ کی آویزش اور لڑائیوں اور بنی امیہ کے خاتمہ کی تفصیل بنی امیہ کے حصہ میں گزر چکی ہے۔ اس لیے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح

(۱۳۲ھ ۱۳۶ھ مطابق ۷۴۹ء تا ۷۵۳ء)

بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد ابوالعباس عبداللہ بن محمد تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس کی امامت کی بیعت ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۲۹ھ میں ہوئی تھی، لیکن یہ محض ابراہیم کی جانشینی کی بیعت تھی اور ان کے حامیوں تک محدود تھی۔ خلافت کی بیعت عراق پر عباسیوں کے قبضہ کے بعد ربیع الاول ۱۳۲ھ میں ہوئی اور مروان کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں وہ دنیائے اسلام کا خلیفہ تسلیم کیا گیا اور اس نے بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ دیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۶۲ و یعقوبی ج ۱ ص ۴۱۳) اس کا زمانہ زیادہ تر فتنوں کے دبانے اور نئی حکومت کے استوار کرنے میں گزرا۔ ”سفاح“ کے لفظی معنی خوزیر کے ہیں۔ اس نے بنی امیہ کے افراد کو چن چن کر قتل کیا اور بنی امیہ نے ۴۰ھ (سال شہادت حضرت علی علیہ السلام) سے لے کر اپنے آخری دور ۱۳۲ھ تک ۹۲ برس میں اہل بیت اور ان کے طرفداروں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، سفاح نے اس کا انتقام پانچ ہی برس میں لے لینا چاہا۔ سینکڑوں امویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلانی گئیں اور خراسانیوں کے ہاتھوں نئی عباسی

حکومت کا رعب بٹھانے کے لیے بہت کچھ مظالم کا ارتکاب کیا گیا۔ (دیکھو ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۶۱ و ابو الفداء ص ۲۱۳ و ۲۱۴ ج ۱ حسینیہ مصر و کتاب الفخری ص ۱۳۳ مطبع موسوعات مصر) بنی امیہ میں صرف ایک جوان مرد عبدالرحمن مشرق سے بھاگ کر مغرب چلا گیا اور اسپین پہنچ کر بنی امیہ کی عظیم الشان حکومت قائم کی جو تین سو برس تک اسپین میں کامیابی کے ساتھ قائم رہی۔

پایہ تخت : بنی عباس کے اعوان و انصار زیادہ تر عراق و خراسان میں تھے۔ یہیں سفاح کی سب سے پہلی بیعت ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے عراق ہی کو پایہ تخت بنایا اور ۱۳۲ھ میں انبار میں ایک شہر ہاشمہ آباد کر کے اس کو پایہ تخت قرار دیا (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۲۹) یہ شہر سفاح کے نام سے مدینۃ المنصور بھی کہلاتا تھا (دینوری ص ۳۳۳) سفاح نے اپنی نئی حکومت کا ڈھانچہ اس طرح کھڑا کیا کہ اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو جزیرہ آذربائیجان اور آرمینیا کا والی بنایا اور اپنے چچا داؤد کو مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، یمن اور یمامہ سپرد کیا اور اپنے ایک بھتیجے کو کوفہ بھیجا اور اپنے دوسرے چچا کو شام دیا اور مصر کی حکومت ابو عنان کے سپرد کی اور خراسان کی باگ بدستور ابو مسلم کے ہاتھ میں رہنے دی اور فارس کا امیر اپنے بھائی کو بنایا۔ (ابو الفداء جلد ۱ ص ۲۱۳ حسینیہ)

وزارت : وزارت کا عہدہ قائم کیا اور سب سے پہلے اس منصب پر عباسی تحریک کے مشہور داعی ابو سلمہ حفص بن سلیمان کا تقرر ہوا۔ یہ کوفہ کا ایک ذی علم، عالی دماغ اور فیاض امیر تھا۔ مشہور عباسی داعی بکیر بن ہامان کی لڑکی اس سے منسوب تھی۔ مرتے وقت وہ ابو سلمہ کو اپنا جانشین بنا کر امام ابراہیم کے سپرد کر گیا تھا۔ اس نے عراق میں عباسی تحریک کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں۔ اس لیے سفاح نے اس کے صلہ میں اس کو وزارت کا منصب عطا کیا، لیکن یہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکا اور خود سفاح نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بنی امیہ کے زوال کے بعد ابو سلمہ نے حکومت کو اہل بیعت نبوی ﷺ میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس

خاندان کے کئی بزرگوں کے سامنے اس منصب کو پیش کیا، لیکن سب نے انکار کر دیا تھا۔ سفاح کو اس کا علم ہو گیا تھا، لیکن ابوسلمہ ابومسلم کا خاص آدمی تھا۔ اس لیے سفاح کو اس کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے ابومسلم کو اس کی سازش کی اطلاع دے کر اس کا فیصلہ اسی کے حق میں چھوڑ دیا۔ ابومسلم کو سفاح کے دلی خیال کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے اس نے قتل کر دیا۔ (الفخری ص ۷۳۷ و ۱۳۸) ابوسلمہ کے بعد یہ عہدہ خالد بن برمک کو ملا۔ خالد کا دادا برمک بلخ کے بدھوں کے معبد نو بہار کا پجاری تھا۔ اس لیے عجمی بدھوں کے دلوں میں اس کی بڑی عظمت تھی۔ (پچھلے بے احتیاط مورخوں نے نو بہار کو مجوسیوں کا آتش کدہ لکھا ہے، لیکن حضرت استاد مولانا سید سلیمان ندوی نے دلائل قاطعہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ آتش کدہ نہیں بلکہ بدھوں کا معبد تھا۔) (دیکھو عرب و ہند کے تعلقات ص ۲۳ و ۱۲۳) اس کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سارا خاندان بڑا عالی دماغ تھا۔ خالد علم و فضل، عقل و دانش، تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت، جود و سخا وغیرہ میں سارے خاندان میں ممتاز تھا۔ اس نے بھی عباسی دعوت کی تبلیغ میں مفید خدمات انجام دی تھیں۔ اس لیے ابوسلمہ کے بعد سفاح نے اسے وزارت کا عہدہ عطا کیا، جس پر وہ منصور کے زمانہ تک قائم رہا۔

غیر مقبوضہ علاقوں پر قبضہ: بنی عباس اور بنی امیہ کی معرکہ آرائیوں کے زمانہ ہی میں ممالک محروسہ کا بڑا حصہ بنی عباس کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ جو حصے باقی رہ گئے تھے ان پر سفاح کے زمانہ میں قبضہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں بعض معمولی لڑائیاں بھی پیش آئیں۔ خراسان پر مروان کی زندگی ہی میں قبضہ ہو چکا تھا۔ ۱۳۳ھ میں محمد بن مسلمہ اموی نے اسے واپس لینے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ (یعقوبی ج ۱، ص ۴۲۵) اسی طرح اہل موصل کی جانب سے مخالفت کا ظہور ہوا اور انہوں نے عباسی حاکم محمد بن موصول کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔ سفاح نے یحییٰ بن علی کو بھیجا، اس نے بزرگ شمشیر اہل موصل کو مطیع بنایا۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۶۶)

آرمینہ پر یہاں کے اموی حاکم اسحاق بن مسلم عقیلی کا نائب مسافر بن کثیر قابض ہو گیا تھا۔ سفاح نے محمد بن صول کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے اسحاق کو قتل کر کے آرمینہ کو اس کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۴۲۹) اسی طرح سندھ پر ایک شخص منصور بن جمہور نے بنی امیہ کے آخری دور میں غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ عبدالرحمن بن مسلم نے مفلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے سندھ پر فوج کشی کی۔ منصور نے اسے قتل کر دیا۔ ابو مسلم کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے موسیٰ بن کعب کو سندھ روانہ کیا۔ اس نے منصور کو شکست دی۔ شکست کھا کر وہ ریگستانی علاقہ کی طرف بھاگ گیا اور اس بے آب و گیاہ علاقے میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاسوں مر گیا۔ سندھ پر قبضہ کے بعد موسیٰ نے منصورہ کو جو ہندوؤں کی یورش سے ویران ہو گیا تھا دوبارہ آباد کیا اور بعض نئی فتوحات حاصل کیں (فتوح البلدان ص ۴۴۹)۔

بغماوتوں کا استیصال : عباسی دعوت چونکہ اہل بیت کے نام کے پردہ میں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے بہت سے ہوا خواہ اس میں شریک ہو گئے تھے، لیکن بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد جب ان کی توقع کے خلاف اہل بیت کے بجائے بنی عباس کے ہاتھوں میں حکومت آئی تو وہ لوگ ان کے خلاف ہو گئے، چنانچہ ایک محب اہل بیت شریک نے بخاری میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ تیس ہزار آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن ابو مسلم نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ ایک اور خراسانی امیر بسام بن ابراہیم باغی ہو گیا اور اس کے ساتھ بھی ایک جماعت ہو گئی تھی۔ سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بھیج کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۶۸)۔

خوارج : عمان اور بحرین وغیرہ خوارج کے پرانے مرکز تھے۔ یہ بنی امیہ کی طرح بنی عباس کے بھی خلاف تھے۔ اس لیے بسام بن ابراہیم کے خاتمہ کے بعد سفاح نے خازم کو خارجیوں کے مقابلہ کیلئے عمان اور جزیرہ کاوان بھیجا۔ صحرائے عمان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ کئی خوزیمہ معرکوں کے بعد خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا اور ان کی

بڑی تعداد قتل ہوئی۔

رومیوں کا حملہ : دوسری طرف انقلاب حکومت کی بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر ۳۳۱ھ میں قیصر روم نے ایشیائے کوچک کے ایک سرحدی شہر کچ پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے باشندوں نے ملطیہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا، لیکن ان کو شکست ہوئی۔ کچ کے بعد رومیوں نے ملطیہ کو گھیر لیا اور یہاں کے مسلمانوں سے کہا، بھیجا کہ وہ شہر حوالہ کر کے اسلامی علاقے میں نکل جائیں۔ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ مسلمانوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر رومیوں نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا۔ مسلمانوں میں زیادہ تاب مقاومت نہ تھی اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر ملطیہ چھوڑ دیا اور جزیرہ چلے گئے۔ شہر خالی ہونے کے بعد رومیوں نے اس کو بالکل ویران کر دیا اور یہاں جتنے مسلمان مرد تھے ان کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۶۷، ۱۶۸) یعقوبی کا بیان ہے کہ ملطیہ پر رومیوں کا قبضہ نہیں ہوا، بلکہ مصالحت ہو گئی اور سفاح نے آئندہ خطرات کے انسداد کے لیے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کی حفاظت کا انتظام کرایا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص۔ ۱۳۵)

فتوحات : ان حوادث کے ساتھ سرحدی علاقوں پر فوج کشی کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی۔ یہاں کا فرمانروا جیش بن شبل معمولی مدافعت کے بعد چین کی طرف نکل گیا۔ اسی سنہ میں فرمانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں مخالفت ہو گئی۔ فرمانہ کے حاکم نے خاقان چین کی مدد سے چاچ کا محاصرہ کر لیا۔ فرمانروائے چاچ میں خاقان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ ابو مسلم خراسانی کو اس اختلاف کی خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً زیاد بن صالح کو روانہ کیا۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ زیاد نے بڑی فاش شکست دی۔ ۳۴ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی اور یہاں کے فرمانروا آخرید کو قتل کر کے بہت سامان غنیمت حاصل کیا اور آخرید کے بھائی طاران کو کش کا

حاکم بنایا (یہ حالات ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۶۸ سے ماخوذ ہیں)

ولسلی عہد دی : ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔ (ابن کثیر جلد ۱ ص ۶۰)

ابو مسلم خراسانی کا حج : اسی سنہ میں ابو مسلم خراسانی سفاح کی اجازت سے حج کے لیے گیا۔ اس سال کا حج ابو جعفر منصور کی امارت میں ہوا۔ ابھی ابو جعفر حج سے واپس نہ ہوا تھا کہ سفاح کا وقت آخر ہو گیا اور ۱۳۸ھ ذوالحجہ ۱۶۳ھ میں اس نے سفر آخرت کیا اور اپنے پایہ تخت ہاشمیہ میں دفن ہوا۔ انتقال کے وقت ۶۳ یا ۶۶ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے۔ وفات سے دو تین دن پہلے اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس خیال کی تردید کرنی چاہی۔ سفاح نے کہا گو دنیا سے مجھے محبت ہے، لیکن آخرت اس سے زیادہ محبوب اور اللہ عزوجل سے ملاقات میرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اس کی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے تھے۔ حقیقی بادشاہت اللہ جی و قیوم کے لیے ہے۔ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور جباروں کا جبار ہے) طبری جلد ۱۰ ص ۸۷

اوصاف : سفاح حلیم باوقار عامل مدبر فیاض اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا۔ (الفخری ص ۱۳۳) فیاضی اور سیر و چشمی کا وصف نمایاں تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ وہ بڑا فیاض تھا۔ جو وعدہ کرتا اس کو فوراً اسی مجلس میں پورا کرتا تھا۔ اپنے حریف علویوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی سے پیش آتا۔ عبد اللہ بن حسن علوی کا بیان ہے کہ میں نے دس لاکھ کی رقم نہیں دیکھی تھی۔ سفاح نے منگوا کر مجھے دکھایا اور دکھانے کے بعد گھر جاتے وقت میرے ساتھ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱) شعر و ادب اور موسیقی سے بہت دلچسپی رکھتا تھا اور شعراء اور گویوں کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا۔ کبھی کوئی شاعر اور گویا اس کے دربار سے خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جو لوگ سرور مجھے نقد دیتے ہیں ان کا انعام ادھار پر نہیں ٹالا جاسکتا۔

ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (الفخری ص ۱۵۰) لیکن یہ بیان واقعہ کے بالکل خلاف تھا۔ اس لیے منصور کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے ابو مسلم سے مشورہ کیا۔ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ابو مسلم اس کی امداد کے لیے آمادہ ہو گیا، لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ اس نے درمیان میں پڑنا مناسب نہ سمجھا اور یہ جواب دیا کہ شام میں عبداللہ کی طاقت بہت کمزور ہے، اس لیے ادھر توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو صرف خراسان سنبھالنا چاہئے۔ یہ رائے دے کر وہ اپنے گھر چلا گیا اور اپنے کاتب سے کہا کہ مجھے ان دونوں کے درمیان پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں ان دونوں مینڈھوں کو چھوڑ کر خراسان چلا جاؤں، جو غالب ہو گا وہ خود ہی بلائے گا۔ کاتب نے کہا لیکن خراسانیوں کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملے گا کہ آپ نے جس چیز کو اپنے ہاتھوں بنایا پھر اس کو خود ہی برباد کر دیا، چنانچہ کاتب کے اصرار سے مجبور ہو کر ابو مسلم منصور کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۴۳۸) اور نصیبین میں عبداللہ کو شکست دے کر اس کی جماعت منتشر کی۔ عبداللہ بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے گھر میں پناہ گزین ہوا۔ سلیمان نے منصور سے سفارش کر کے اس کی خطا معاف کرادی، لیکن امان ملنے کے بعد جب عبداللہ منصور کے پاس گیا تو اس نے اس کو قید کر دیا اور وہ قید ہی میں مرا۔ عبداللہ کو شکست دینے کے بعد اس کا بہت سامان و متاع ابو مسلم کے ہاتھ لگا تھا۔ منصور نے اس کو لینے کے لیے آدمی بھیجے۔ ابو مسلم سخت برہم ہوا، بولا خوزری کے لیے تو مجھ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور مال کے بارے میں یہ اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وفد کا ایک رکن قنطین بن موسیٰ نہایت ہوشیار شخص تھا۔ ابو مسلم کے تیور دیکھ کر کہا۔ امیر المؤمنین نے مجھ کو صرف فتح پر مبارک باد دینے کے لیے بھیجا تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ابو مسلم اصل واقعہ تو سمجھ گیا، لیکن قنطین کی بر محل تاویل کے بعد اس کے ساتھ ظاہری اخلاق میں کمی نہ کی، لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ اس کی اس تاویل کے بعد بھی وہ دلی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور منصور کی ماں کی نسبت گستاخانہ کلمات استعمال کیے۔ (مروج الذهب مسعودی جلد ۶،

ص۔ ۷۷ او ۷۸ مطبوعہ ایڈن و یعقوبی جلد ۲، ص۔ ۴۴۰ مطبوعہ ایڈن) اس واقعہ سے دونوں کی کشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ کشیدگی نے مخالفت کی شکل اختیار کر لی اور ابو مسلم نے خلافت عباسیہ کو مٹانے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ ذہبی کے بیان کے مطابق وہ نصیبین سے فوجیں لیے ہوئے سیدھا خراسان کی طرف بڑھا، تا کہ منصور کی بیعت توڑ کر یہاں علوی سلطنت قائم کرے۔ (دول الاسلام ذہبی جلد ۱، ص۔ ۷۰) حیدر آباد کن (راستہ میں اونیہ میں منصور ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے ابو مسلم کو بلا بھیجا، مگر وہ نہ آیا۔ منصور نے دوبارہ عیسیٰ بن موسیٰ اور جریر بن عبداللہ بکلی کو بھیجا۔ یہ دونوں باطائف الجیل اس کو لے آئے۔ منصور اس وقت مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہا اور اپنے کسی طرز عمل سے برہمی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اس ملاقات کے بعد ابو مسلم پھر آنے جانے لگا۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ اس اختلاف کے بعد ابو مسلم اس کی مخالفت کے خیال سے خراسان روانہ ہو گیا۔ خراسان عباسی دعوت اور ابو مسلم کے اثر و اقتدار دونوں کا مرکز تھا۔ اس لیے یہاں ابو مسلم کی مخالفت سے عباسی حکومت کے لیے بڑا خطرہ تھا۔ اس سے منصور بہت گھبرایا اور اسے ایک ہوشیار آدمی کے ذریعہ بلا بھیجا۔ وہ آنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا، لیکن کسی طرح سمجھانے بچھانے سے چلا آیا۔ (الفخری ص ۱۵۲ و ۱۵۴) ابو مسلم کا قتل : ابو مسلم اپنے آپ کو عباسی سلطنت کا بانی سمجھتا تھا اور اس کو یہ بھی یقین تھا کہ یہ حکومت اسی کے بل پر قائم ہے۔ اس لیے وہ آزاد اور خود سرانہ حکومت چاہتا تھا، لیکن منصور جیسے بیدار مغز حکمران کے زمانہ میں یہ ممکن نہ تھا۔ خصوصاً جب سے اس نے منصور سے بغاوت کر کے علوی حکومت قائم کرنے کا قصد کیا تھا۔ اس وقت سے منصور اس کو مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا اور اس سے بچنے کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہ تھی کہ ابو مسلم کا قصہ تمام کر دیا جائے، لیکن علانیہ اس کا قتل کرنا بہت مشکل تھا۔ دربار میں اس کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے منصور نے ایک دن ابو مسلم کے آنے کے وقت مسلح آدمی چھپا دیئے۔ وقت مقررہ پر جب وہ آیا تو اس کی

تلوار باہر رکھوالی گئی۔ پہلے اس میں اور منصور میں ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر منصور نے تیور بدل کر کہا تم اپنی حدود سے کتنا آگے بڑھتے جاتے ہو۔ خطوط میں اپنا نام پہلے لکھتے ہو، میری پھوپھی آمنہ کو تم نے شادی کا پیغام دیا۔ تم نے اپنے کو سبط میں عبد اللہ بن عباس کی اولاد بتاتے ہو۔ ابو مسلم ہر جرم کی معذرت میں دست بوسی کرتا جاتا تھا۔ اس کے جرائم گنانے کے بعد منصور نے تالی بجائی اور مسلح آدمی نکل کر اس کے اوپر ٹوٹ پڑے اور عباسی حکومت کا یہ بانی اعظم جس نے اس کی تائیس میں چھ لاکھ آدمیوں کا خون کیا گیا، خود خاک و خون میں تر پنے لگا۔ (مروج الذهب مسعودی جلد ۶، ص ۱۸۱ و ۱۸۲) ابو مسلم کے قتل کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ عباسی دربار میں داخل ہوا اور پوچھا ابو مسلم کہاں ہے؟ منصور نے جواب دیا فرش پر لیٹا ہوا ہے۔ عیسیٰ نے کہا کیا قتل کر دیا گیا؟ منصور نے اثبات میں جواب دیا۔ عیسیٰ نے انا اللہ پڑھا اور کہا اس کے کارناموں اور جان بخشی کے بعد یہ سلوک؟ منصور نے جواب دیا اللہ کی قسم روئے زمین پر اس سے زیادہ تمہارا کوئی دشمن نہ تھا۔ اس کی زندگی میں تم لوگوں کے لیے حکومت کرنا ناممکن تھا، اس سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی۔

سبذباد کسی بغاوت : ابو مسلم کے قتل سے عربی اور عجمی کا سوال پیدا ہو گیا اور ۱۳۷ھ میں سبذباد ایک مجوسی اس کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ خراسان کے کوہستانی علاقہ کے تمام عجمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ سبذباد نے خراسان کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمان عورتوں کو قید کر کے خانہ کعبہ ڈھانے کا عزم ظاہر کیا۔ منصور کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے جمہور بن مرار عجمی کو دس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے ہمدان اور رے کے درمیان سبذباد کو بڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے ہمدان اور رے کے درمیان سبذباد کو بڑی فوج کے ساتھ شکست دی۔ ساٹھ ہزار مجوسی مارے گئے۔ سبذباد نے شکست کھا کر طبرستان نکل جانا چاہا، لیکن راستہ میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ (الفخری ص ۵۳ و ابن اثیر جلد ۵،

ص ۱۸۰) یہ عباسیوں سے عجمیوں کی پہلی جنگ تھی۔ اس لیے بعد سے عجمیوں کے دل میں عباسیوں کی جانب سے غبار پیدا ہو گیا۔

جمہور بن مسرار عسجلی کی بغاوت : سنباد کو شکست دینے کے بعد جمہور نے اس کے مال و متاع کو دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے خود اپنے قبضہ میں کر لیا اور باز پرس کے خطرے سے بغاوت کر بیٹھا۔ منصور نے محمد بن اشعث کو ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے رے بھیجا۔ جمہور رے چھوڑ کر صفہان چلا گیا۔ ابن اشعث خود رے میں ٹھہرا رہا اور جمہور کے تعاقب میں اصفہان فوج بھیجی۔ جمہور کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس وقت ابن اشعث کے پاس فوج کم ہے۔ اس لیے عقب سے اس پر حملہ آور ہونا چاہیے چنانچہ وہ پلٹ پڑا، لیکن عین وقت پر ابن اشعث کے پاس خراسان سے امدادی فوج آ گئی۔ فیروزان میں ان کا مقابلہ ہوا۔ جمہور شکست کھا کر آذربائیجان بھاگ گیا۔ یہاں خود اس کے ساتھیوں نے اس کا سر قلم کر کے منصور کے پاس بھجوا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۵۔ ص ۱۸۱)

مختلف بغاوتیں : ابھی عباسی حکومت کو قائم ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزر رہا تھا اور اس کی بنیادیں پورے طور سے جمی نہ تھیں۔ اس لیے ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں شروع ہو گئیں، چنانچہ سنبادی بغاوت فرو ہونے کے بعد باقی بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ ملبد بن حرمہ کی بغاوت : ۱۳۷ھ میں جزیرہ کے قریب ایک شخص ملبد بن حرمہ باغی ہو گیا۔ اس کی بغاوت اس قدر شدید تھی کہ مسلسل فوجیں جاتی تھیں اور شکست کھا کر نامہ لوٹ آتی تھیں۔ بالآخر ۱۳۸ھ میں خازم بن خزیمہ نے بڑی دشواریوں کے بعد اس کا کام تمام کیا۔ (ابن اثیر جلد ۵۔ ص ۱۸۱) فرقہ راوندیہ کی شورش ۱۴۱ھ میں فرقہ راوندیہ نے شورش برپا کی۔ یہ ایک چھوٹا عجمی فرقہ تھا۔ جو تاسخ کا قائل تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی روح عثمان بن نہیک میں حلول کر گئی ہے اور منصور کو رب کہتا تھا اور یشم بن معاویہ کو جبرائیل مانتا تھا۔ ۱۴۱ھ میں منصور

کے محل کے پاس شور مچانا شروع کیا کہ یہ ہمارے رب کا محل ہے۔ منصور نے ان کے دو سردار گرفتار کر کے قید کر لیے۔ راوندیہ اپنے سرداروں کی گرفتاری پر اور رہم ہو گئے اور قید خانہ توڑ کر ان کو نکال لے گئے اور چھ سو بلوائی منصور کے محل کی طرف چلے۔ شہر میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ منصور محل سے نکل آیا۔ اس نازک وقت میں ایک شخص معن بن زائدہ شیبانی کو جو ایک جرم کی وجہ سے منصور کے خوف سے روپوش تھا، اور منصور برابر اس کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ کارگزاری دکھانے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس نے نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے بلوائیوں کو شکست فاش دی۔ عبدالجبار بن عبدالرحمن ازدی والی۔

خراسان کی بغاوت : ۴۱ھ میں خراسان کا والی عبدالجبار بن عبدالرحمن باغی ہو گیا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس نے خراسان کے چند افسروں کو قتل اور چند کو گرفتار کر لیا۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے وزیر دولت ابوایوب سے کہا کہ عبدالجبار کا ہمارے حامیوں پر اس طرح بے باکی سے ہاتھ صاف کرنا بغاوت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ ابوایوب نے مشورہ دیا کہ اس کو لکھ بھیجے کہ میں روم کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں، تم خراسان کے منتخب بہادروں اور وہاں کے اعیان کو معہ فوج کے روانہ کر دو۔ اس جملہ سے فوجی قوت ہٹا لینے کے بعد پھر جس کو چاہے وہاں کا حاکم بنا کر بھیج دیجئے۔ عبدالجبار میں مخالفت کی ہمت باقی نہ رہے گی، چنانچہ منصور نے اس کے پاس حکم بھیج دیا، لیکن عبدالجبار نے یہ عذر کیا کہ اس وقت ترک آمادہ پیکار ہیں۔ اگر یہاں سے فوجیں نہیں تو خراسان ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۱۸۷ و ۱۸۸) اس جواب کے بعد ابوایوب نے مشورہ دیا کہ اب اسے لکھیے کہ خراسان مجھے تمام ممالک محروسہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے، اس لیے ترکوں کو خطرہ سے بچنے کے لیے میں دارالخلافہ سے مزید فوجیں بھیجتا ہوں۔ اس بہانہ سے دارالخلافہ کی فوجیں خراسان بھیج دیجئے، تاکہ اگر عبدالجبار بغاوت کرنا چاہے تو فوجیں اسے زیر کر سکیں، لیکن

عبدالجبار کی نیت فاسد تھی۔ اس لیے پھر اس نے ایک بہانہ کیا کہ اس سال خراسان میں گرانی زیادہ ہے، اگر مزید فوجوں کا بار اس پر ڈالا تو رعایا تباہ ہو جائے گی۔ اس جواب کے بعد جب عبدالجبار کی بد منتی عیاں ہو گئی تو منصور نے فوراً مہدی اور خزیمہ بن خازم کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا، لیکن یہ ابھی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مرو الروز کے باشندے ان کے آنے کی خبر سن کر خود عبدالجبار کے مقابلہ کے لیے بڑھ گئے اور ان کے پہنچتے پہنچتے اس کو نکال دیا۔ عبدالجبار میدان چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔ محشر بن مزاحم نے گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کر دیا۔ منصور نے اس کے قبضہ سے مال برآمد کر کے اسے قتل کرا دیا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۱۴۱ وابن اثیر جلد ۵، ص ۱۸۸) ۱۴۲ھ میں سندھ کا عامل عینیہ بن موسیٰ باغی ہو گیا، لیکن اس کی بغاوت زیادہ نہ بڑھنے پائی۔ منصور نے عمرو بن حفص کو سندھ اور اضلاع ہندوستان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے بہت جلد عینیہ پر قابو حاصل کر لیا۔

حسان بن مسجم الد کسی بغاوت : ۱۴۸ھ میں حسان بن مجالد ہمدانی خارجی موصل کے قریب ایک قریہ باغی میں اٹھا۔ موصل کی شاہی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہیں اور خارجیوں نے بازار لوٹ کر آگ لگا دی اور حسان رقتہ ہوتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے پھر موصل واپس آیا۔ موصل کی سرکاری فوج کا امیر العسکر صقر بن نجمہ مقابلہ کے لیے نکلا۔ امیر حسن بن صالح اور بلال قیسی اس کے ساتھ تھے، لیکن حسان کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ صقر اس مرتبہ بھی ناکام رہا اور حسان نے ایک افسر بلال قیسی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ منصور کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ازسرنو فوجیں بھیجنے کا عزم کیا اور پہلے امام ابوحنیفہ اور محدث ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کو بلا کر ان سے کہا کہ موصل والوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے خلاف بغاوت نہ کریں گے، اگر کریں گے تو مجھ پر ان کے مال اور ان کے خون کی کوئی ذمہ داری باقی نہ رہے گی۔ اس لیے اب میں بری ہوں۔ امام ابوحنیفہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ باقی دونوں آدمیوں نے

کہا کہ امیر المومنین موصل کے باشندے آپ کی رعایا ہیں۔ اگر درگزر سے کام لیں تو وہ اس کے حقدار ہیں اور اگر سزا دیں تو وہ سزا کے مستحق ہیں، لیکن امام صاحب خاموش رہے۔ منصور نے کہا آپ کیوں خاموش ہیں؟ امام صاحب نے یہ بلیغ جواب دیا۔ امیر المومنین! انہوں نے ایسی چیز جائز رکھی جس کے خود وہ مالک نہ تھے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی عورت بغیر نکاح اور مملو کیت کے اپنے کو کسی مرد کے سامنے پیش کرے تو کیا اس سے تمتع جائز ہوگا۔ منصور نے کہا نہیں۔ امام موصوف کے اس جواب کے بعد منصور نے موصل والوں سے مواخذہ کا خیال چھوڑ دیا اور بغاوت ختم ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۲۱۹)

استاذ سیس کا دعویٰ نبوت: ۵۰ھ میں نواح خراسان میں استاذ سیس نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ہرات، بادغیس اور بھتتان کے بہت سے باشندے اس کے ساتھ ہو گئے اور وہ ان کی مدد سے خراسان کے بہت سے حصے پر چھا گیا۔ مرو اور زکاکا حاکم چشم اس فتنہ کو دبانے کے لیے نکلا، لیکن استاذ کی طاقت بہت مضبوط تھی۔ چشم اور اس کے بہت سے فوجی افسر مارے گئے۔ منصور کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو اس نے خزیمہ بن خازم کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ شہزادہ مہدی کے پاس روانہ کیا۔ مہدی نے اس کو مزید ۲۲۰۰ ہزار کمک دے کر استاذ سیس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ خزیمہ نے بڑے اہتمام سے اس کے مقابلہ کی تیاری کی۔ چشم بن شعبہ نہار بن حصین السعدی، بکار بن مسلم وغیرہ منتخب بہادروں کو فوج کے مختلف حصوں پر متعین کیا اور زبرقان کو علم دے کر استاذ سیس کی طرف بڑھایا۔ اس کے آدمی زیادہ تر پیدل تھے۔ اس لیے خزیمہ نے پہلے اس کو مختلف مقامات میں چکر دے کر تھکا دیا۔ پھر ایک مقام پر خندق کھودی اور اس کے چاروں رخ پر ہزار ہزار منتخب بہادر متعین کیے۔ اس دوران میں استاذ سیس بھی پہنچ گیا اور خندق کے جس رخ پر بکار بن مسلم متعین تھا اس کو پاشنا شروع کیا، لیکن بکار نے انہیں ہٹا دیا۔ یہاں سے ہٹ کر ان لوگوں نے خازم

کے مورچہ کا رخ کیا اور حریش نامی ایک سینانی اس کی جانب بڑھا۔ خازم نے اس کو آتے دیکھ کر پشیم کو بکار کی سمت سے پھر کر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور بکار کو یہ ہدایت کردی کہ وہ پشیم کا جھنڈا دیکھتے ہی اعلان کرادے کہ طخارستان سے امدادی فوج آگئی۔ یہ ہدایت دے کر خود حریش کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ ادھر یہ دونوں گتھے ہوئے تھے کہ پیچھے سے پشیم پہنچ گیا۔ ان کو دیکھتے ہی بکار کے دستہ نے خازم کی ہدایت کے مطابق نعرہ لگایا۔ حریش گھبراہٹ میں ادھر متوجہ ہو گیا اور خرمیمہ نے نہایت زور و شور سے حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ پیچھے پشیم موجود تھا۔ اس نے ادھر سے گھیر لیا۔ بکار اور نہاد علیحدہ اپنی اپنی سمتوں سے ٹوٹ پڑے اور استاذ سیس کی فوج چاروں طرف سے گھر کا پامال ہو گئی۔ ستر ہزار آدمی قتل اور چودہ ہزار گرفتار ہوئے۔ استاذ سیس پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا۔ خازم نے تعاقب کر کے گھیر لیا۔ استاذ سیس نے جب دیکھا کہ بھاگنے سے بھی جان نہیں بچتی تو ابو عون کا حکم مان کر چلا آیا کہ وہ جو فیصلہ کرے اسے قبول کرے گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ استاذ سیس اور اس کے لڑکے قید کیے جائیں اور باقی ماندہ لوگوں کو رہا کر دیا جائے۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۲۱۹)

افریقہ کی بغاوت : شمالی افریقہ کا پورا علاقہ بڑا بغاوت پسند تھا۔ یہاں کے بربری اور خارجی جن کی افریقہ میں بڑی تعداد تھی۔ دونوں بڑے شورش پسند واقع ہوئے تھے۔ بنی امیہ کے آخری زمانہ میں یہاں بڑی عظیم الشان بغاوت ہو چکی تھی۔ جس کے آثار عباسی عہد میں بھی باقی تھے۔ ۱۴۴ھ میں منصور نے امیر محمد بن اشعث کو مصر و مغرب کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے شورش پسندوں کا قلع قمع کر کے امن و سکون قائم کیا اور افریقہ کے برہم شدہ نظام کو از سر نو درست کیا اور کئی سال تک یہاں امن و امان قائم رہا۔ پھر ۱۴۸ھ میں خود ابن اشعث کی فوج کا ایک سردار موسیٰ بن عجلان باغی ہو گیا۔ فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا اور ابن اشعث کو نکال کر عیسیٰ بن موسیٰ خراسانی کو افریقہ کا حکم بنایا۔ اس لیے منصور نے ایک نامور امیر اغلب بن سالم تمیمی کو افریقہ کا حاکم بنا کر

بھیجا۔ یہ بڑا مدبر تھا۔ اس نے افریقہ پہنچتے ہی حسن تدبیر سے امن و سکون قائم کر دیا، لیکن ایک ہی سال کے بعد ۴۹ھ میں بڑی انقلاب انگیز شورش شروع ہو گئی۔ جس کا سلسلہ کئی سال تک مسلسل قائم رہا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس سنہ میں ایک بربری خارجی البقرہ بربریوں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اغلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سالم بن سوادہ کو قیروان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر البقرہ کے مقابلہ کے لیے نکلا، لیکن وہ بھاگ گیا۔ اس لیے اغلب نے طنخہ جانے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی فوج نے جس میں زیادہ تر بربری تھے انکار کر دیا کہ وہ البقرہ کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے۔ اس لیے وہ کہیں نہ جائیں گے، چنانچہ اغلب کا ساتھ چھوڑ کر قیروان چلے گئے اور اس کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ اغلب کی فوج کا یہ رنگ دیکھ کر بربری حسن بن حرب نے جو اس وقت تونس میں تھا۔ اس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اغلب کے نائب سالم بن سوادہ کو گرفتار کر کے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ اغلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنی مختصر سی (یہ ابن العذاری کا بیان ہے۔ ابن اشیر کا بیان ہے کہ فوج پھر آ کر اس سے مل گئی تھی) فوج لے کر قیروان پہنچا اور حسن کو شکست دے کر یہاں سے نکال دیا اور وہ تونس چلا گیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ اغلب نے مقابلہ کیا اور زخمی ہو کر اس کے صدمہ سے مر گیا۔ اغلب کی موت کے بعد اس کے ایک افسر مخارق بن غوار نے حسن کو شکست دی اور وہ بھی مارا گیا۔

اغلب کی موت کے بعد منصور نے ۵۱ھ میں ابو جعفر عمرو بن حفص کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ یہ مدبر والی تھا۔ اس نے افریقہ کے عمائد کو حسن سلوک سے قائل کر کے افریقہ میں امن قائم کر دیا۔ تین سال کے بعد ۵۳ھ میں ایک شہر طنبہ کو بسانے کے سلسلہ میں اسے قیروان چھوڑ کر زاب جانا پڑا۔ اس کے ہٹتے ہی پھر بربری اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابن حفص کے نائب حبیب بن مسیب مہلمی نے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر مقتول ہوا اور بربریوں نے پھر قیروان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد طرابلس پہنچے اور

یہاں کے حاکم جنید بن بشار کو شکست دے کر محصور کر لیا اور سارے افریقہ میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ امیر ابن حفص اس وقت زاب کے شہر طنبہ میں تھا۔ اس لیے ابو قمرہ صغریٰ عبدالرحمن بن رستم، ابو حاتم اور عاصم سدرانی وغیرہ باغی بربری سرداروں نے ہزاروں بربریوں کے ساتھ طنبہ پر ہجوم کر دیا۔ ابن حفص کے پاس کل پندرہ ہزار فوج تھی۔ تاہم اس نے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ اس کے افسروں نے مشورہ دیا کہ ہم میں سے جس کو چاہے مقابلہ کے لیے بھیج دیجئے۔ آپ خود طنبہ نہ چھوڑیئے، اگر آپ کی جان پر آئج آئی تو سارا مغرب برباد ہو جائے گا۔ اس لیے ابن حفص نے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور ابو قمرہ کے بھائی کورشوت دے کر توڑ لیا اور وہ ایک رات بربریوں کی بڑی تعداد لے کر چلا گیا۔ اس لیے ابو قمرہ کو بھی لوٹ جانا پڑا۔ باغی سرداروں میں سب سے بڑی قوت ابو قمرہ کی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد دوسرے سرداروں کا زیر کر لینا آسان تھا، چنانچہ عبدالرحمن کے مقابلہ میں فوجیں بھیج کر اسے شکست دے دی اور وہ تاہرت چلا گیا اور ابن حفص قیروان واپس آ گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ہی ابو حاتم بربری ایک لاکھ تیس ہزار فوج کے ساتھ قیروان پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ابن حفص عرصہ تک مدافعت کرتا رہا، لیکن محاصرہ کی شدت و طوالت کی وجہ سے اہل شہر کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ خور و نوش کا تمام سامان ختم ہو گیا۔ آخر میں کتے بلی مار کر کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس دوران میں اطلاع ملی کہ منصور کی جانب سے یزید بن حاتم ساٹھ ہزار امدادی فوجیں لے کر آ رہا ہے، لیکن ابن حفص محاصرہ کی سختیوں سے اتنا تنگ آ چکا تھا کہ اس نے اس کے پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیا اور باہر نکل کر بربریوں کا مقابلہ کر کے مردانہ وار جان دے دی۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵۴ھ میں پیش آیا۔

عمرو بن حفص کے بعد لوگوں نے اس کے بھائی جمیل بن حفص کو اس کا قائم مقام بنایا۔ اس نے محاصرہ کی سختیوں سے گھبرا کر ابو حاتم سے صلح کر لینی چاہی، لیکن اس

نے منظور نہ کیا اور قیروان کے پھانک کو جلا کر شہر میں داخل ہو گیا۔ یہاں کے اکثر باشندے شہر چھوڑ کر داب چلے گئے۔ ابو حاتم کے قیروان میں داخلہ کے بعد اس کو اطلاع ملی کہ یزید بن حاتم طرابلس پہنچ گیا ہے۔ اس لیے وہ عبدالعزیز معافری کو قیروان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود یزید بن حاتم کے مقابلہ کے لیے طرابلس روانہ ہو گیا۔ اس کے درمیان میں یزید طرابلس پہنچ چکا تھا۔ دونوں میں بڑا سخت معرکہ ہوا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد بربریوں نے شکست فاش کھائی۔ ابو حاتم مارا گیا اور اس کی تیس ہزار فوج کام آئی اور باقی منتشر ہو گئی۔ یزید نے تعاقب کر کے جہاں تک ہو سکا، بربریوں کو قتل کرایا۔ ابو حاتم کو شکست دینے کے بعد سعید بن شداد کو طرابلس میں چھوڑ کر خود یزید بن حاتم جمادی الثانی ۵۵ھ میں قیروان آیا۔ یہاں ابو حاتم کا ایک ساتھی عبدالرحمن اب تک موجود تھا۔ یزید کے پہنچنے کے بعد وہ کتامہ بھاگ گیا۔ یزید نے ۵۶ھ میں اس کے تعاقب میں علاء بن سعید کو روانہ کیا۔ اس لیے عبدالرحمن یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور قلعہ چھوڑ کر نکل گیا اور علاء بن سعید نے یہاں کے بربریوں کا قتل عام کیا اور اسی زمانہ میں ایک اور بربری ابو یحییٰ بن فریانس نے طرابلس کے نواح میں علم بغاوت بلند کیا۔ بہت سے بربری اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے، لیکن یہاں کے حاکم عبداللہ ابن سمط کندی نے اسے دے کر اس کے جتھے کو تہ تیغ کر دیا۔ ابو یحییٰ کے بعد افریقہ کی بغاوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور برسوں کی شورش کے بعد کامل امن و امان قائم ہوا۔ (یہ حالات البیان المغرب ص ۹۳ تا ۱۰۳ کے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ کہیں کہیں ابن اثیر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جہاں کہیں دونوں کے بیانات میں اختلاف ہے، وہاں البیان المغرب کے بیان کو ترجیح دی گئی ہے)

اندلس میں اموی حکومت کا قیام: منصور کے زمانہ میں اگرچہ بغاوتیں بہت ہوئیں، لیکن ملک کا کوئی حصہ ہاتھوں سے نکلنے نہ پایا، البتہ اندلس میں عبدالرحمن الداخل نے اموی حکومت قائم کر لی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی امیہ کی آخری زمانہ ہی

سے اندلس کی حکومت کا نظام بگڑ چکا تھا اور یہاں کے عرب اور بربر اور پھر عربوں میں یمنی اور مضری قبائل میں جنگ برپا تھی۔ جس کی تفصیل تاریخ بنی امیہ میں گزر چکی ہے۔ اس مسلسل خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر اہل اندلس نے ہشام بن عبدالملک اموی سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو اندلس کا حاکم بنا دے جو یہاں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے امن و امان قائم کر سکے۔ چنانچہ ہشام نے ۱۲۵ھ میں ابوالنظار حسام بن ضرار کلبی کو اندلس کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اہل اندلس بدامنی سے تنگ آچکے تھے۔ اس لیے سب نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اندلس میں امن و امان قائم ہو گیا اور ابوالنظار کے آنے کے بعد چار سال تک سکون رہا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۴۵، ۴۶ و ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۹) لیکن ابوالنظار بھی قبائلی تعصب سے خالی نہ تھا۔ اس نے ایک ممتاز مضری سردار صمیل بن حاتم کے ساتھ تو بن آمیز سلوک کیا۔ اس سے یمنی اور مضری عصبیت پھر تازہ ہو گئی اور دونوں آپس میں لڑ گئے۔ ابوالنظار شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ اس گرفتاری کے بعد اہل اندلس نے ثوابہ بن سلامہ جذامی کو حاکم بنایا، لیکن ۱۲۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۵۶، ۵۷ و ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۲۰) ثوابہ کی موت کے بعد پھر یمن اور مضری حکومت کا سوال پیدا ہو گیا۔ دونوں فریق اپنا اپنا آدمی چاہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کی حالت زبوں ہو رہی تھی۔ اس لیے وہاں سے بھی اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا اور کامل چار مہینے تک کسی کا کوئی تقرر نہیں ہوا۔ عبدالرحمن ابن کثیر کو عارضی طور سے مشیر کار بنالیا گیا تھا۔

آخر میں بڑے سخت اختلاف کے بعد یوسف بن عبدالرحمن مضری کا انتخاب ہوا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ دونوں میں طے پایا کہ باری باری سے ایک ایک سال یمن اور مضری سے حاکم اندلس کا انتخاب ہوا کرے گا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۵۷) لیکن افتتاح اندلس کے بیان کے مطابق بلا کسی شرط کے انتخاب ہوا، البتہ ایک اور امیدوار سردار یحییٰ بن حریث جزامی یمنی کو یہ علاقہ دے دیا گیا۔

لیکن اس سے بھی حالات نہ سلجھے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر یمنی اور مضری عصبیت بڑی شدت کے ساتھ ابھر آئی اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس کے کئی اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یوسف کی ایک سالہ مدت حکومت ختم ہونے کے بعد جب یمنیوں کی باری آئی تو یوسف نے ان پر حملہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ یوسف کو حاکم بنانے کی تحریک صمیل بن حاتم نے کی تھی۔ یہ دونوں مضری تھے اس لیے یمن اور مضر کا سوال پیدا ہو کر جنگ شروع ہو گئی۔ تیسرا یہ کہ یوسف نے زمام حکومت ہاتھوں میں لینے کے بعد یحییٰ بن حریث جزامی کو جسے ریمہ کی حکومت دی گئی تھی معزول کر دیا۔ بہر حال ان تینوں میں سے جو سبب بھی ہو، یوسف کے زمانہ میں پھر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی اور اس کا سلسلہ کئی سال تک قائم رہا۔ اس خانہ جنگی سے اندلس کے مسلمانوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی اور یہاں کے اصلی باشندوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ بہت سے نو مسلم اندلسی مرتد ہو کر باغی ہو گئے اور سارے اندلس میں انقلاب کی شکل پیدا ہو گئی، لیکن کئی سال کی خونریزی کے بعد بالآخر یوسف اور صمیل نے یمنیوں کو مغلوب کر کے حکومت قائم کر لی۔ (یہ حالات افتتاح الاندلس میں مفصل اور طویل ہیں، ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے) ٹھیک اسی زمانہ میں عبدالرحمن بن معاویہ اندلس پہنچ گیا۔

عبدالرحمن الداخل کا ورود اندلس اور اموی حکومت کا قیام: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عباسی حکومت کے قیام کے بعد جب سفاح نے بے دردی سے اموی خاندان کو مٹانا شروع کیا اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیے جانے لگے تو ان کو جدھر کا راستہ ملا بھاگ نکلے۔ انہی میں ایک عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اموی بھی تھا۔ مروان کے خاتمہ کے وقت وہ شام میں تھا۔ جب بنی امیہ کی داروگیر اور ان کا قتل عام شروع ہوا تو وہ چھپ کر بھاگ نکلا۔ عباسی سپاہیوں نے اس کا تعاقب بھی کیا، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل گیا اور مغرب پہنچ کر قبیلہ مکناسہ میں مقیم ہوا اور افریقہ

کے حاکم عبدالرحمن بن معاویہ کے افریقہ پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ قبیلہ مکنا سے بھی اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا تھا۔ اس لیے عبدالرحمن مکنا سے قبیلہ نفزادہ چلا گیا۔ اس کی ماں بربری تھی اور اسی قبیلہ سے تھی، اس لیے قبیلہ نفزادہ نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب یوسف یمنیوں کو مغلوب کر کے اپنی حکومت قائم کر چکا تھا، لیکن اندر ہی اندر مخالفت کی آگ برابر سلگ رہی تھی۔ یمنی بنی امیہ کے پرانے وفادار تھے۔ ان کے علاوہ چونکہ یہاں مدتوں اموی حکومت رہ چکی تھی اور اب تک عباسیوں کا اثر یہاں نہ پہنچا تھا۔ اس لیے بنی امیہ کے حامیوں کی بڑی تعداد یہاں موجود تھی، چنانچہ عبدالرحمن نے ان کو اندلس میں اپنی حکومت کے قیام کی دعوت دی اور اپنے غلام بدر کو اندلس بھیجا۔ یمن کے تمام قبائل اور بنی امیہ کے دوسرے طرفداروں نے اس دعوت کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا اور ان کا ایک وفد جہاز لے کر عبدالرحمن کو لینے کے لیے مغرب آیا اور ۳۸ھ میں اس کو اپنے ساتھ اندلس لے گیا (افتتاح الاندلس ص ۶۸، ۷۵)

اہل اندلس عبدالرحمن کے لیے چشم براہ تھے۔ اس کے پہنچتے ہی یمن کے قبائل نے اس کے سامنے سرطاعت خم کر دیا۔ ان کے علاوہ اشبیلیہ، ریہ، شندونہ اور مورور کے مسلمانوں نے بھی اس کی بیعت کر لی۔ ان کی حمایت و امداد حاصل ہونے کے بعد عبدالرحمن اندلس کے پایہ تخت قرطبہ کی طرف بڑھا۔ یوسف اس وقت ایک مہم میں جلیقیہ گیا ہوا تھا۔ یہاں قرطبہ پر عبدالرحمن کی فوج کشی کی خبر پہنچی تو یوسف کی تمام فوجیں اس کا ساتھ چھوڑ کر عبدالرحمن کے پاس قرطبہ چلی گئیں اور اس کے ساتھ بہت تھوڑی جماعت رہ گئی۔ اس کے وزیر و شیر صمیل نے اس کو عبدالرحمن کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آنے کا مشورہ دیا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور عبدالرحمن قرطبہ ہوتا ہوا مالتہ پہنچا۔ یہاں آنے کے بعد اکثر شہروں کی فوجیں اس کے پاس چلی آئیں

اور قریب قریب پورا اسلامی اندلس اس کے ساتھ ہو گیا اور یوسف کے ساتھ صرف فہر اور قیس کے قبیلے رہ گئے۔ اس دوران میں یوسف بھی قرطبہ پہنچ گیا۔ اس میں اور عبدالرحمن میں مقابلہ ہوا۔ یوسف کی فوج بہت کم تھی، اس لیے اس کو شکست ہوئی اور وہ غرناطہ جا کر قلعہ بند ہو گیا۔ عبدالرحمن نے عقب سے پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ یوسف کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، اس لیے اسے مجبور ہو کر عبدالرحمن کی اطاعت قبول کر لینی پڑی اور دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ عبدالرحمن نے اسے قرطبہ میں قیام کرنے کی اجازت دے دی، لیکن چھوڑے دنوں کے بعد وہ بدعہدی کر کے طلیطلہ چلا گیا۔ بیس ہزار بربری اس کے ساتھ ہو گئے۔ عبدالرحمن کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالملک بن عمرو مروانی کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے یوسف کو شکست دی اور اس کے ایک آدمی نے حیلہ سے اس کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمن کی خدمت میں پیش کیا۔ یوسف کے قتل کے بعد ۲۴۱ھ اندلس میں بنی امیہ کی حکومت قائم ہو گئی جو کئی صدیوں تک قائم رہی (ابن خلدون جلد ۲، ص ۱۲۱) افتتاح الاندلس میں ان واقعات کو بڑی تطویل سے لکھا ہے)

عملوی : خلافت کے بارہ میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کی نزاع بنی امیہ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی جو بنی عباس کے زمانہ میں بھی قائم رہی، بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور منصور کے زمانہ میں اس کا جس شدت کے ساتھ ظہور ہوا، اس کی مثال اموی دور میں بھی نہیں ملتی۔ عباسی حکومت کے خلاف علویوں میں ایک عام حرکت پیدا ہو گئی اور سب سے پہلہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نفس زکیہ نے منصور کے مقابلہ میں خروج کیا۔ نفس زکیہ فضل و مال اور زہد و ورع اور اثر و لغوؤں کے لحاظ سے بنی ہاشم کے نہایت ممتاز بزرگ تھے۔ ان کے والد عبداللہ نے بنی ہاشم کے حامیوں میں مشہور حدیث ”اسمہ کاسی“ کی تبلیغ کر کے ان کو یقین دلایا کہ محمد وہی مہدی موعود ہیں جن کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی تھی۔ (الفخری ص ۱۲۸)

پوری حدیث یہ ہے۔ لو بقی من الدنيا يوم يطول الله ذالك اليوم حتی یبعث فیہ مہدینا او قائمنا اسمہ کاسمی واسم ابیہ کاسم، لیکن محدثین کے نزدیک یہ حدیث پایہ اعتبار سے ساقط ہے) چونکہ نام سے وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔ اس لیے بہت سے عوام خصوصاً شیعیان اہل بیت نے آسانی سے اس کو قبول کر لیا اور بہت بڑی جماعت نے ان کو مہدی تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور نفس زکیہ ایک زمانہ تک خفیہ دعوت دیتے رہے۔ منصور ابتدا ہی سے ان کی تاک میں لگا ہوا تھا، مگر نفس زکیہ برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے۔ اس لیے منصور ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ ۱۴۴ھ میں جب بنو ہاشم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو منصور نے سختی سے ان کی تلاش شروع کر دی اور بنو ہاشم کے اشخاص کو بلا کر ان سے ان کا پتہ پوچھا، مگر کسی نے صحیح جواب نہ دیا۔ منصور نے نفس زکیہ کے والد عبداللہ پر سختی کی کہ وہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی کو حاضر کریں۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا اگر وہ میرے پاس ہوتے جب بھی قتل کے لیے تمہارے حوالہ نہ کرتا۔ (الفخری ص ۱۳۷)

منصور نے ہر طرح کی سختیاں کیں، مگر کسی طرح پتہ نہ چلا۔ تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری تھا کہ علویوں نے مکہ میں جمع ہو کر منصور کو خفیہ قتل کر دینے کی سازش کی۔ عبداللہ بن محمد نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، لیکن نفس زکیہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ہم اس وقت تک اس کو دھوکے سے قتل نہ کریں گے، جب تک اس کو خلافت سے دست برداری کا پیام نہ دے لیں۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۱۹۴) اتفاق سے منصور کا ایک فوجی افسر خالد بن حسان اس مشورہ کے وقت پہنچ گیا تھا۔ اس نے منصور کو اس کی اطلاع دے دی۔ منصور نے زیاد بن عبید اللہ کو نفس زکیہ کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ سید ہامدینہ پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت نفس زکیہ بھی مدینہ آئے ہوئے تھے۔ زیاد نے ان کو امان دے کر بلا بھیجا۔ یہ آئے، زیاد نے امان کا پاس کر کے انہیں چھوڑ دیا اور اس کی سزا میں خود قید کیا گیا اور یہ مہم محمد بن خالد کے سپرد ہوئی۔ اس نے مدینہ پہنچ کر روپیہ کے ذریعے سے پتہ

چلانا چاہا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی، تو خانہ تلاشی شروع کی، لیکن نفس زکیہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۸۷، ابن اثیر جلد ۵، ص ۱۹۴) یہ واقعہ دونوں کتابوں میں بڑی شرع و بسط کے ساتھ قبول ہے۔ ہم نے اس کا صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے) آخر میں منصور نے رباح بن عثمان بن حیان المری کو مدینہ کا حاکم بنا کر بھیجا اور سخت تاکید کی کہ محمد اور ابراہیم کی تلاش میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا جائے۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ تلاش شروع کی۔ اس کی سختی دیکھ کر نفس زکیہ اور ابراہیم کو گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے وہ برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے اور ان کا پتہ نہ چل سکا۔ رباح نے عبد اللہ بن حسن پر سختی کر کے ان سے پوچھنے کی کوشش کی۔ انہیں قتل بھی کرا دیا، لیکن کوئی پتہ نہ چلا۔ اس لیے منصور کا غصہ اور تیز ہو گیا اور اس نے رباح کو حکم دیا کہ اگر نفس زکیہ محمد اور ابراہیم نہیں ملتے تو حسن کی کل اولاد گرفتار کر لی جائے، چنانچہ یہ سب گرفتار کر کے پابجولاں ربذہ بھیجے گئے۔ منصور نے انہیں قید میں ڈلوادیا۔

نفس زکیہ کا خروج: آل حسن کی گرفتاری کے بعد ان سے نفس زکیہ اور ابراہیم کا پتہ پوچھنے کے لیے ان پر بھی طرح طرح کی سختیاں کی گئیں اور آخر میں یہ لوگ ربذہ سے عراق منتقل کر دیئے گئے اور سختی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بہت سے لوگ ان سزاؤں کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ نفس زکیہ اور ان کے اتباع کو برابر ان مصائب کی اطلاع مل رہی تھی اور یہ سب سختیاں انہی کی وجہ سے ہو رہی تھیں۔ اس لیے ان کے حامیوں نے ان کو مجبور کیا کہ یہ تمام مصائب آپ ہی وجہ سے ٹوٹ رہے ہیں۔ اس لیے جلد میدان میں آئیے۔ چنانچہ رجب ۱۴۵ھ میں وہ بڑی جماعت کے ساتھ نکلے۔ مقامی جماعتوں کے علاوہ مختلف ملکوں کے وفود بھی شامل تھے۔ جس ملک کے لوگ نہ آ سکے تھے ان کے خطوط آئے تھے، چنانچہ انہوں نے مدینہ پر قبضہ کر کے رباح کو قید کر دیا۔ مدینہ پر قبضہ کے بعد مکہ گئے۔ یہاں کے باشندے بھی ساتھ ہو گئے۔

منصور کو ان حالات کی اطلاع پہنچی تو اپنی مستقل مزاجی کے باوجود گھبرا گیا اور نفس زکیہ کے نام خط بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا:

منصور کا خط: اللہ کے بندہ عبداللہ امیر المومنین کی جانب سے محمد بن عبداللہ کو معلوم ہو کہ ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے دونوں مخالف ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ ہاں جو لوگ قابو پائے جانے سے پہلے ان حرکتوں سے تائب ہو جائیں تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔“ (آیت قرآنی)

ان آیت قرآنی کے بعد مرقوم تھا کہ میں اللہ اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اس کا واسطہ دے کر عہد کرتا ہوں کہ اگر تم میرے قابو میں آنے سے پہلے اپنی حرکتوں سے توبہ کر کے باز آ جاؤ تو میں تمہارے لڑکوں، تمہارے بھائیوں اور تمہارے اہل خاندان اور رفقاء سب کی جان بخشی کرتا ہوں اور تم نے جو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے، اس سے بھی درگزر کروں گا اور دس لاکھ درہم نقد دوں گا۔ تمہاری اور جو ضروریات ہوں گی، سب پوری کروں گا اور جو مقام تم اپنے رہنے کے لیے پسند کرو گے، وہاں قیام کی اجازت دے دی جائے گی، تمہارے خاندان کے جس قدر لوگ قید ہیں، سب رہا کر دیئے جائیں گے، تمہارے ہاتھ پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے یا کسی حیثیت سے تمہارا ساتھ دیا ہے، سب کی جان بخشی کی جائے گی۔ ان میں کسی سے کبھی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ اگر تم میرے ان شرائط پر اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو تو جن کو تم پسند کرو، انہیں بھیج دو۔ وہ آ کر مجھ سے امان نامہ اور عہد و میثاق نامہ لے لیں۔

محمد بن عبداللہ نے اس کا جواب دیا:

نفس زکیہ کا جواب: ”اللہ کے بندہ مہدی محمد بن عبداللہ کی جانب سے عبداللہ

بن محمد کے نام طسم“ یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں، ہم ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں، موسیٰ اور فرعون کے بعض سچے حالات تم کو سناتے ہیں۔ فرعون زمین میں بہت بڑھ رہا تھا اور اس نے اس کے باشندوں کے مختلف گروہ بنا دیئے تھے۔ ان میں ایک گروہ کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بیشک وہ مفسدہ پردازوں میں تھا، ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں جو کمزور سمجھے گئے، ان کے ساتھ احسان کریں اور ان کو سزاوار بنائیں۔ نیز انہیں ملک کا وارث قرار دیں اور ان کے قدم ملک میں جمائیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو جن سے وہ ڈرتے تھے، انہیں لوگوں کے ہاتھوں تباہ کر دکھائیں۔“

ان آیات کے بعد اصل مضمون یہ تھا کہ: ”تم نے میرے سامنے جس طرح کی امان پیش کی ہے، میں بھی اسی طرح کی امان پیش کرتا ہوں۔ خلافت دراصل ہمارا حق ہے۔ ہمارے ہی ذریعہ سے تم نے اس کا دعویٰ کیا، ہمارے شیعوں کو لے کر تم اس کے حصول کے لیے نکلے اور ہماری ہی فضیلتوں کے طفیل میں تمہیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ ہمارے باپ علیؑ وصی اور امام تھے، پھر تم ہمارے یعنی ان کی اولاد کے ہوتے ہوئے کیسے وارث ہو گئے، تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ کسی ایسے شخص نے جس کا نسب اور شرف خاندانی تمہارے جیسا ہو، خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہم ملعونوں، مطرودوں اور آزاد کردہ غلاموں کی اولاد میں نہیں ہیں۔ (غالباً اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عباسؑ مشرکین کے ساتھ نکلے تھے اور ان کی شکست کے بعد گرفتار ہو گئے تھے اور فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی) ہم کو قرابت رسولؐ سبقت فی الاسلام اور دوسرے فضائل کے جو مفاخر حاصل ہیں، وہ بنو ہاشم میں کسی کو حاصل نہیں ہیں، زمانہ جاہلیت میں رسول اللہؐ کے چچا ابو طالب کی ماں فاطمہ بنت عمرو کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم، اور اسلام میں ان کی لڑکی فاطمہؑ کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین نسب منتخب کیا۔ ہمارے والد محمدؐ نبیوں میں تھے اور علیؑ سب سے

پہلے مسلمان تھے۔ ازواج النبی میں سب سے افضل ہماری نانی خدیجہ طاہرہ ﷺ تھیں۔
 جنہوں نے سب سے پہلے قبلہ رخ نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں سب سے بہتر فاطمہ ﷺ
 خواتین جنت کی سردار ہیں۔ اسلام میں پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر حسن و
 حسین ﷺ نو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ علی ﷺ کو ہاشم سے دوہرا شرف ابنیت
 حاصل ہے۔ (حضرت علی ﷺ کے والد ابو طالب ہاشم کے پوتے تھے اور حضرت علی ﷺ
 کی ماں فاطمہ بنت اسد ہاشم کی پوتی تھیں۔ اس لیے حضرت علی ﷺ ہاشم کے پوتے بھی
 تھے اور پر نواسے بھی) مجھے حسن و حسین ﷺ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوہرا
 شرف ابنیت حاصل ہے۔ (نفس زکیہ حضرت حسن کے پر پوتے تھے اور حضرت حسین
 ﷺ کے پر نواسے) اس لیے وہ نانا نہال اور دادی بہال دونوں جانب سے اہل بیت نبوی میں
 تھے) میں نسبتاً بنی ہاشم کا خلاصہ ہوں۔ میری رگوں میں امہات اولاد کا عجی خون نہیں
 ہے۔ (یہ منصور پر طنز ہے کہ وہ لونڈی کے لطن سے تھا) اللہ تعالیٰ نے نسب کے لحاظ سے
 میرے لیے بہترین ماں باپ منتخب کیے اور یہ اتنا زور دوزخ میں بھی قائم رکھا۔ میں اس کی
 اولاد ہوں جس کا درجہ جنت میں سب سے بلند ہوگا۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ) میں اس کی
 اولاد ہوں جس کو دوزخ میں سب سے کم عذاب ملے گا۔ (روایات میں ہے کہ ابو طالب
 پر سب سے کم عذاب ہوگا) پس میں نیکوں میں سب سے بڑے نیک اور بروں میں
 سب سے کمتر برے اور جنت اور دوزخ کے سب سے بہتر مکیں کافر زند ہوں۔ میں اللہ
 کا واسطہ دے کروعدہ کرتا ہوں کہ تم میری دعوت مان کر میری اطاعت قبول کر لو، تو میں
 اللہ کے حدود، مسلمانوں اور معاہدہ کے حقوق کے علاوہ جن کا بار تمہاری گردن پر ہے،
 تمہاری جان، تمہارا مال اور تمہارے تمام محدثات کو معاف کر دوں گا۔ میں خلافت کا تم
 سے زیادہ حقدار اور ایقائے عہد کا تم سے زیادہ پابند ہوں، کیونکہ تم جیسی امان مجھے دے
 رہے ہو، ایسی معلوم نہیں کتنی امانیں دوسروں کو دے چکے ہو، تم مجھے کس طرح کی امان
 دیتے ہو؟ جیسی ابن ہبیرہ کو دی یا جیسی اپنے چچا عبداللہ بن علی ﷺ کو دی یا جیسی اپنے

قوت بازو ابو مسلم کو دی؟ (ان سب کو امان دینے کے بعد قتل یا قید کر دیا گیا تھا)
منصور کا دوسرا خط:

”بسم الله الرحمن الرحيم! اما بعد، تمہاری گفتگو میں نے سنی اور تمہاری تحریر دیکھی تو عوام جہلا اور جفا کاروں کو گمراہ کرنے کے لیے عورتوں کی قربت کے فخر کا تصور پھونکتے ہو۔ (یعنی حضرت فاطمہ کی اولاد ہونے کا) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا درجہ چچا، باپ، عصبہ اور اولیاء کے برابر نہیں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا رتبہ دیا ہے۔ (یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ منصور کے جد اعلیٰ حضرت عباس ؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے) اور اپنی کتاب میں بھی اسی سے شروع کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے محض قربت کی وجہ سے عورتوں کو کوئی رتبہ دیا ہوتا تو اس کی سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ ﷺ کی ماں آمنہ ہوتیں اور سب سے پہلے وہ جنت میں جاتیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعہ سے بے چاہتا ہے رتبہ کے لیے منتخب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿انک لا تھدی من احببت و لکن اللہ یھدی من یشاء﴾

تم جس کو پسند کرتے ہو اس کو ہدایت یا ب نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تم کو ابو طالب کی ماں فاطمہ بنت عمرو کے انتساب پر فخر ہے، حالانکہ نے ان کی اولاد میں سے کسی کو اسلام کی توفیق نہیں عطا کی اور اگر ان میں قربت کی وجہ سے کسی کو توفیق دیتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ ﷺ کے والد عبد اللہ تھے، جو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے مستحق تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مذہب کی توفیق جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ (آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا اور انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا) جس وقت رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت آپ کے چار چچا زندہ تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی

دعوت دی تو ان میں سے دو نے قبول کی جن میں ایک (حضرت عباس ؓ) ہمارے جد اعلیٰ تھے۔ (دوسرے حضرت حمزہ ؓ) اور دو نے انکار کیا۔ ان میں سے ایک (ابوطالب) تمہارے جد اعلیٰ تھے۔ (دوسرے ابولہب) ان کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قرابت کا رشتہ توڑ دیا، تمہیں اس پر بھی فخر ہے کہ تم دوزخ میں سب سے کم عذاب پانے والے انسان اور بروں میں سب سے کم برے کی اولاد ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کفر میں چھوٹے کفر عذاب میں کم عذاب، شریروں میں کم شریر کا کوئی سوال نہیں، سب برابر ہیں، کوئی مسلمان عذاب دوزخ پر خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، فخر نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **سيعلم الذين كفروا** (الخ) اور یہ فخر کہ حسن ؓ کو عبدالمطلب سے اور تمہیں رسول اللہ ﷺ سے دوہرا شرف انیت حاصل ہے۔ کوئی فخر نہیں، خیر الاولین والآخرین رسول اللہ ﷺ کو ہاشم اور عبدالمطلب دونوں سے دوہری نہیں بلکہ اکہری نسبت تھی۔ (یعنی دادیہالی) تمہارا یہ لکھنا کہ بنی ہاشم کا خلاصہ ہو، والدین کی طرف سے تمہارا نسب زیادہ خالص ہے، تم میں عجمی امہات اولاد کا خون نہیں ہے، کتنی بڑی جسارت ہے اس دعوے سے تم پورے بنو ہاشم کے مقابلہ میں فخر کر رہے ہو۔ دیکھو کل تم اللہ کو کیا جواب دو گے تم اپنے دعویٰ میں اپنے حدود سے اتنا آگے بڑھ گئے ہو کہ جو مسلمہ طور پر تم سے ہر اعتبار سے افضل ہے۔ اس کے مقابلہ میں فخر کرتے ہو گویا تم اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سے افضل سمجھتے ہو، جو ام ولد کے بطن سے تھے۔ اس مثال کو جانے دو، خود تمہارے باپ کے بھائی کی بہترین اور افضل ترین اولاد ام ولد ہی کے بطن سے تھی۔ (یعنی حضرت امام زین العابدین بن حسین ؓ) یہ تم بھی مانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمہارے خاندان میں علی بن حسین ؓ سے افضل کوئی نہیں پیدا ہوا۔ وہ بھی ام ولد کے بطن سے تھے اور تمہارے دوا حسن بن حسین سے تھے، پھر ان کے بعد تمہارے خاندان میں محمد بن علی سے بہتر کوئی نہیں ہوا۔ ان کی دادی بھی ام ولد

تھیں۔ وہ تمہارے باپ سے افضل تھے ان کے بعد ان کے لڑکے جعفر کی داوی بھی ام ولد تھیں اور وہ تم سے بہتر تھے۔ ان کھلی ہوئی مثالوں کے بعد بھی کیا تمہیں فخر کا حق ہے؟ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے لڑکے ہو قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما کان محمد اباً احد من رجالکم ہاں تم آپ کی لڑکی کی اولاد البتہ ہو، اور یہ بھی قریبی ہی قرابت ہے، لیکن اس کے لیے میراث جائز ہی نہیں۔ (اس سے یہ مراد ہے کہ عصباء کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا یا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی طرف ہے کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی) نہ لڑکی کو ولایت کا حق ہوتا ہے نہ امامت کا، پھر تمہیں کیونکر اس کا حق پہنچ گیا، تم کو معلوم ہے کہ تمہارے باپ علیؑ نے بھی اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ انہوں نے فاطمہؑ کو دن میں نکالا۔ چھپ کر ان کی تیمارداری کی اور ررات کو خفیہ فن کیا، لیکن لوگوں نے شیخین کے سوا ان کی خلافت نہیں تسلیم کی۔ اسلام کے اس قانون میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مانا، ماموں اور خالہ کسی کو وراثت نہیں ملتی۔ تمہارا یہ فخر کہ علیؑ سابقین اسلام میں تھے، بے معنی ہے۔ محض سبقت فی الاسلام کوئی ایسا شرف نہیں ہے جو خلافت کا مستحق بناتا ہو، خود رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ان کے علاوہ دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ آپ کے بعد مسلمانوں نے علیؑ کو چھوڑ کر یکے بعد دیگرے دو آدمیوں کو خلیفہ منتخب کیا۔ ان دونوں کے بعد جب چھ آدمی نامزد ہوئے تو علیؑ کو خلافت سے دور رکھنے کے لیے سبھوں نے ان کو چھوڑ دیا اور ان کو حقدار نہ سمجھا اور عبدالرحمنؓ نے عثمانؓ کو ان پر ترجیح دی اور عثمانؓ کے قتل ہونے کے بعد علیؑ پر ان کے قتل میں شرکت کا الزام لگایا گیا۔

اس کے بعد جب خود ان کا دور آیا تو طلحہ اور زبیرؓ نے ان سے جنگ کی اور سعد نے بیعت سے انکار کر کے دروازے بند کر لیے۔ معاویہؓ نے علیحدہ اپنی بیعت لی اور علیؑ نے ان کا پورا مقابلہ کیا، مگر آخر میں ان کے ساتھ الگ ہو گئے اور بہت سے ان

اسلام کے زمانہ میں تمہارے باپ نے اس کے لیے جھڑنا چاہا، لیکن عمرؓ نے ہمارے موافق فیصلہ کیا۔ اس لیے ہم کو جاہلیت اور اسلام دونوں میں ستقایہ حجاج کا اعزاز حاصل رہا۔ جب مدینہ میں قحط پڑا اور اہل عرب پانی کی ایک ایک بوند کے لیے تڑپتے تھے۔ اس وقت تمہارے باپ علیؓ بھی موجود تھے، لیکن عمرؓ نے ہمارے ہی باپ (حضرت عباسؓ) کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے طفیل میں بارانِ رحمت سے سیراب کیا۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی اولاد میں عباس کے سوا کوئی باقی نہ تھا اور وہ چچا کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کے وارث تھے پھر بنی ہاشم کے ایک سے زیادہ آدمیوں نے اسے مانگا، لیکن عباس کی اولاد کے علاوہ کسی کو یہ منصب نہ ملا۔ اس لیے رتقایہ کے حقدار بھی عباسؓ تھے اور میراث نبوی کے وارث بھی وہی تھے اور اب خلافت کے حقداران کی اولاد ہے۔ پس جاہلیت اور اسلام، دنیا اور آخرت کا کوئی ایسا شرف باقی نہیں ہے جس کی حامل اور وارث عباس کی اولاد نہ رہی ہو۔ تم نے بدر کے معاملہ میں طعنہ زنی کی ہے۔ (محمد نفس زکیہ کے خط میں اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت عباسؓ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے) تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ظہور اسلام کے وقت عباس، ابوطالب کی ناداری کی وجہ سے ان کے اہل و عیال کے کفیل تھے، اگر عباس جبر ابد میں نہ لائے جاتے تو طالب اور عقیل بھوکوں مر جاتے اور عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے، لیکن عباس نے انہیں کھلا کر اس ذلت سے بچایا۔ اس احسان کے بعد تم ہمارے سامنے سراٹھاتے ہو۔ جاؤ پہلے پرورش کے عار اور کفالت کے داغ کو دور کرو۔ تمہاری پستی اور ہماری برتری کے ثبوت کے لیے یہ واقعہ کافی ہے۔ اور سنو بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر کس نے چھڑایا تھا؟ وہ ہمارے باپ عباس تھے اب بھی تمہیں ہمارے مقابلہ میں فخر کا موقع ہے؟ ہم کفر کی حالت میں بھی تم سے بلند مرتبہ رہے اور تمہارے قیدیوں کو چھڑایا۔ بزرگوں کے مفاخر ہماری وجہ سے تم کو حاصل ہوئے۔ خاتم انبیاء کے وارث ہم ہوئے، تم نہیں۔ ہم نے ہی بنو امیہ سے تمہارے خون کا

نے اپنے بھتیجے عیسیٰ کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیادل کے ساتھ روانہ کیا اور محمد بن قحطبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کی مدد کے لیے عقب سے بھیجا۔ (مسعودی جلد ۶، ص ۱۹۱-۱۹۲) اور ہدایت کردی کہ اگر محمد بن عبد اللہ مغلوب ہو جائیں تو تلوار نیام میں کر لینا اور امان دے دینا اور علیؑ کی اولاد میں سے جو تمہیں ملے اس کا نام مجھے لکھ بھیجنا اور جو نہ ملے اس کا مال ضبط کر لینا۔

نفس زکیہ مدینہ میں تھے اس لیے عباسی فوج نے سیدہ ہامدینہ کا رخ کیا اور جب اس کے قریب پہنچی تو عبد اللہ بن محمد بعض ہاشمیوں کو لے کر ان سے مل گئے۔ نفس زکیہ کو عیسیٰ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے وہ خندق جو رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی تھی صاف کرانی۔ عیسیٰ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے آخری مرتبہ پھر محمدؐ نفس زکیہ کے پاس پیغام کہا، بھیجا کہ ”اگر اب بھی آپ جنگ سے باز آ جائیں تو آپ کی اور آپ کے خاندان والوں کی جان بخشی کی جائے گی“، لیکن نفس زکیہ نے اس پیش کش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور جواب میں کہا، بھیجا کہ تم کو بھی رسول اللہ ﷺ سے قرابت قریبہ حاصل ہے۔ میں تم کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور اس پر عمل کی دعوت دیتا ہوں اور اس کے انتقام سے ڈراتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں اس وقت تک اپنے دعویٰ سے دست بردار نہیں ہو سکتا، جب تک اس سے مل نہ جاؤں۔ تمہیں اس سے بچنا چاہیے کہ جو شخص تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے، وہی تمہیں قتل کرے۔ ایسی صورت میں تم کیسے برے مقتول ہو گے اور اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہوگا۔

نفس زکیہ کسی شہادت : اس نامہ و پیام کے بعد رمضان ۴۵ھ میں عیسیٰ نے مدینہ میں منادی کرا دی کہ اللہ تعالیٰ نے باہم مسلمانوں کی خونریزی حرام کی ہے۔ اس لیے امن و صلح کا پیغام قبول کرو۔ جو شخص ہمارے پاس آ جائے یا گھر میں بیٹھ جائے یا مسجد نبوی میں چلا جائے یا ہتھیرا ڈال دے یا مدینہ چھوڑ دے، وہ مامون ہے۔ ہم کو اور نفس زکیہ کو تنہا چھوڑ دو۔ ہم دونوں سمجھ لیں گے، لیکن اہل مدینہ نے اس امان کا نہایت

سخت جواب دیا اور دوسرے دن جنگ شروع ہو گئی۔ نفس زکیہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ ابتداء میں ان کے ساتھیوں نے حمایت کا پورا حق ادا کیا، لیکن آخر میں بعضوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور نفس زکیہ محمد بن قطبہ کے ہاتھوں مارے گئے اور ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیجا گیا۔ منصور نے لوگوں کی عبرت کے لیے پہلے کوفہ میں اور پھر مقامات میں اس کی تشہیر کرائی۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۲۰۲ تا ۲۰۴)

ابراہیم بن عبد اللہ کی تلاش: منصور کو نفس زکیہ کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی ابراہیم کی طرف سے بھی خطرہ تھا اور وہ ان کی تلاش میں بھی لگا ہوا تھا، مگر ان کی نقل و حرکت بالکل خفیہ ہوتی تھی۔ اس لیے پتہ نہ چلتا تھا۔ منصور کی فوج میں بھی ان کے شیعوں کی خاصی تعداد تھی۔ اس لیے کبھی کبھی وہ بغداد بھی آ جلیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ بغداد آئے ہوئے تھے، منصور کو علم ہو گیا۔ اسی وقت اس نے شہر کی ناکہ بندی کر کے نہایت سختی سے تلاش شروع کر دی۔ ابراہیم بہت خوف زدہ ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی سفیان بن حیاء قتی نے کہا کہ اب بغیر حیلہ کے رہائی مشکل ہے۔ ابراہیم نے کہا تمہیں اختیار ہے جو طریقہ چاہو اختیار کرو، چنانچہ وہ اسی وقت منصور کے پاس پہنچا۔ منصور کو اس کے اور ابراہیم کے تعلقات کا علم تھا۔ اس لیے اس کو دیکھتے ہی برس پڑا۔ اس نے دست بستہ عرض کی۔ امیر المؤمنین جو کچھ فرماتے ہیں، میں واقعی اس کا مستحق ہوں، لیکن اب میں تائب ہو کر آپ کے لیے پیام مسرت لایا ہوں۔ میں ابراہیم کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ میں نے خوب ان کو آزمایا، لیکن ان میں کوئی اچھائی نظر نہ آئی۔ مجھے ان کی گرفتاری کے لیے تین چیزیں درکار ہیں۔ میرے اور میرے غلام کے لیے اجازت نامہ (پروانہ راہداری) ڈاک کی سواری اور تھوڑی سی فوج۔ منصور نے ان چیزوں کا انتظام کر دیا۔ سفیان ان کو لے کر ابراہیم کے پاس پہنچا اور ان کو ساتھ لے کر بغداد سے نکل گیا۔ بعض مقامات پر روک ہوئی، مگر شاہی اجازت نامہ موجود تھا، اس لیے نکلتا چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۲۰۸)

ابراہیم کا خروج اور قتل : منصور کو ان کے نکل جانے کا علم ہوا تو پھر سختی سے ان کی تلاش شروع ہو گئی، لیکن ابراہیم برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے۔ آخر میں بصرہ پہنچے اور اہل بصرہ سے اپنے بھائی نفس زکیہ کی بیعت لینی شروع کی۔ (یہ واقعہ نفس زکیہ کے قتل سے پہلے کا ہے) مرہ عسی، عبدالواحد بن زیاد، عمرو بن سلمہ وغیرہ اور بہت سے عمائد نے ان کی بیعت قبول کر لی اور فقہاء اور اہل علم کی بڑی جماعت بھی ان کے زیر اثر آ گئی۔ سفیان بن معاویہ والی بصرہ یہ صورت دیکھ کر دارالامارہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ ابراہیم نے اس کو گھیر لیا اور سفیان ان کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ابراہیم نے قصر امارت پر قبضہ کرنے کے بعد بیت المال کی کل رقم اپنی فوج میں تقسیم کر دی اور بصرہ والوں میں عفو عام کا اعلان کر دیا۔ بصرہ پر تسلط کے بعد ابواز اور واسطہ پر قبضہ کیا۔ پھر عراق کے مختلف حصوں میں عمال اور فوجیں روانہ کر دیں۔ اسی زمانہ میں نفس زکیہ کے قتل کی خبر آ گئی۔ یہ خبر سن کر یہ بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت ایک لاکھ فوج ان کے ساتھ تھی۔ حمزہ میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ منصور کو ان کے حالات کی خبریں برابر پہنچ رہی تھی۔ نفس زکیہ کے قتل سے فراغت کے بعد اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ابراہیم کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا۔ حمزہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے حملہ میں عیسیٰ کی فوج کا بڑا حصہ پسپا ہو گیا، لیکن عیسیٰ نے پھر سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ ابراہیم کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ ابراہیم چھ سو جاٹاروں کے ساتھ نہایت بہادری سے لڑتے رہے، مگر دفعتاً مخالف فوج کا ایک تیران کے حلق میں آ کر لگا اور ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا: ”میں کچھ چاہتا تھا مگر اللہ کی مرضی کچھ اور تھی۔“

اسی حالت میں ان کے ساتھی ان کو علیحدہ اٹھا کر لے گئے۔ ان کے ہتھے ہی ان کی فوج نے میدان چھوڑ دیا۔ ان کا سر کاٹ لیا گیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۵۵ھ کا ہے۔ اس وقت ابراہیم کا سن ۴۸ سال کا تھا۔ (ابوالفدا جلد ۲، ص ۴۰)

عبداللہ کی اولاد کا قتل اور قید: ابراہیم کے علاوہ نفس زکیہ کے اور دوسرے بھائی اور لڑکے ممالک اسلامیہ کے مختلف حصوں میں ان کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے۔ علی بن محمد مصر میں، عبداللہ بن محمد خراسان اور سندھ میں، حسن بن محمد یمن میں، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں، یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان میں، اور یس بن عبداللہ مغرب میں، منصور نے ان میں سے بعضوں کو گرفتار کر کے قید اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۶، ص ۱۹۳)

مصلطیہ پر رومیوں کا حملہ: منصور کے زمانہ میں دوسری حکومتوں اور غیر قوموں کے ساتھ بھی معرکے ہوئے۔ ۳۸ھ میں قیصر روم قسطنطین نے مصلطیہ پر حملہ کر کے اس کی شہر پناہ سہار کر دی۔ اسی سال اس کی مرمت کرائی گئی اور صالح بن علی، عباس بن محمد اور جعفر بن حظلہ نے مختلف سمتوں سے رومی مقبوضات پر فوج کشی کی، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس مہم میں دو مسلمان خاتون ام عیسیٰ اور لبابہ بھی مجاہدانہ شریک تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۱۸۱، ۱۸۲) اسی سال رومی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ مصلطیہ اسلامی اور رومی سرحد کا بڑا اہم مورچہ تھا۔ اس لیے ۱۴۰ھ میں منصور نے ازسرنو اس کے استحکامات درست کرائے۔ ایک قلعہ تعمیر کر کے اس میں چار ہزار حفاظتی فوج متعین کی۔ قیصر کو ان انتظامات کی خبر ہوئی تو وہ ایک لاکھ فوج لے کر بڑھا، لیکن جیسا کہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قوت زیادہ ہے۔ اس لیے لوٹ گیا۔ کوہستان، طبرستان اور دباوند پر قبضہ: طبرستان کے ترک اکثر فساد مچایا کرتے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ۱۴۱ھ میں منصور نے مہدی کو عبد الجبار والی خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے فراغت کے بعد مہدی کو طبرستان پر فوج کشی کا حکم دیا۔ اس نے منصور کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھ کر ابوالنھیب کو اسبہند والی طبرستان کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ وہ اس وقت دباوند کے فرمانروا مصمغان سے برسر پیکار تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں دونوں

نے صلح کر لی اور اصہبہ نے لوٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ طبرستان کا علاقہ پہاڑی ہے۔ اس لیے عرصہ تک جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس لیے منصور نے پہاڑی علاقہ کے ایک واقف کار عمرو بن علاء کو مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس نے رویان اور طلق کے قلعہ کو فتح کر کے چند دنوں میں پورا علاقہ زیر نگیں کر لیا اور اصہبہ کو مجبور ہو کر اپنا قلعہ حوالہ کر کے اطاعت قبول کر لینی پڑی۔ اس سے فراغت پر مسلمانوں نے مصمغان کے علاقہ پر فوج کشی کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۵۔ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۴۲ھ میں اصہبہ نے طبرستان کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ اس مرتبہ منصور نے ابوخصیب، خازم بن خزیمہ اور روح بن حاتم کو بھیجا۔ انہوں نے طبرستان پہنچ کر اصہبہ کو قلعہ میں محصور کر لیا، لیکن جب عرصہ تک قلعہ فتح نہ ہو سکا تو ابوخصیب نے اصہبہ کے پاس جا کر اسے یقین دلایا کہ مسلمانوں نے اس کو اس کی حمایت کے جرم میں نکال دیا ہے۔ وہ کہنے میں آگیا اور ابوخصیب کو اپنا معتمد علیہ بنا لیا۔ ایک دن ابوخصیب نے تیر کے ذریعہ یہ رقعہ لکھ کر اسلامی لشکر میں پھینک دیا کہ تم لوگ شب کو حملہ کرو، میں قلعہ کے پھاٹک کھول دوں گا، چنانچہ مسلمانوں نے شب کو حملہ کر دیا۔ ابوخصیب نے پھاٹک کھول دیئے اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اصہبہ نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ (ابن اثیر جلد ۵۔ ص ۱۸۹، ۱۹۰)

دیالمہ کسی تباہی : ۴۳ھ میں ویلمیون نے اپنے یہاں کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ منصور نے اس کے انتقام کے لیے فوج روانہ کر دی۔ ۴۴ھ میں مزید امدادی فوجیں بھیجیں۔ ۴۵ھ میں باب الالباب کے ترک اور خزر نے آرمینیا کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ ۴۷ھ استرخان خوارزمی نے نواح آرمینیا پر حملہ کر کے بہت سے مسلمان اور ذمی گرفتار کر لیے اور تفلس میں داخل ہو گیا۔ منصور نے جبرائیل بن یحییٰ اور حرب بن عبد اللہ کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی اور حرب جنگ میں کام آیا۔ (یہ حالات ابن اثیر کے

مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

رومی مہمسات : روم کے علاقے میں حسب معمول صائفہ یعنی گرمائی فوجیں
برسر پیکار ہیں اور ۵۵ھ میں قیصر روم کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶- ص ۲)

سندھ کی فتوحات : سندھ کی فتوحات میں بھی اضافہ ہوا۔ سفاح کے دور میں
یہ معلوم ہو چکا ہے کہ منصور بن جہور عجمی کے ہاتھوں سے سندھ کو موسیٰ بن کعب تمیمی نے
چھڑایا تھا۔ ۴۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا عینیہ اس کا جانشین
ہوا۔ اس کی نااہلی کی وجہ سے سندھ میں عدنانی اور قحطانی قبائل کی عصبيت جس نے بنی
امیہ کا خاتمہ کیا تھا، ابھر آئی اور بارگاہ خلافت سے بھی عینیہ کا رویہ باغیانہ ہو گیا۔ اس
لیے منصور نے عمر بن حفص عتکلی کو اس کی تادیب کے لیے روانہ کیا۔ عینیہ دہل کے
قلاعہ میں محصور ہو گیا۔ ابن حفص نے حملہ کر دیا۔ عینیہ نے اپنے طرز عمل سے اپنے
ساتھیوں کو بھی برہم کر دیا تھا۔ اس لیے وہ سب ابن حفص سے مل گئے اور عینیہ کو مجبور
ہو کر اپنے کو ابن حفص کے حوالہ کر دینا پڑا۔ اس نے اسے منصور کے پاس بھجوا دیا۔
راستہ میں وہ موقع پا کر بھاگ نکلا، لیکن رنج میں قحطانیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ انہوں
نے قتل کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھجوا دیا۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ سندھ آنے کے دو سال بعد ۴۳ھ میں منصور نے ابن
حفص کو معزول کر کے ہشام بن عمرو ثعلبی کو والی بنایا، لیکن ابن اثیر کے بیان کے
مطابق ۵۱ھ تک وہ سندھ میں رہا۔ اس کی معزولی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے۔ نفس
زکیہ نے اپنے خروج کے زمانہ میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں اپنے
دعاۃ بھیجے تھے۔ ابن حفص بھی ان کے حامیوں میں تھا۔ اس کے پاس اپنے لڑکے
عبداللہ بن اشتر کو بھیجا۔ اس نے ان کو چھپا کر سندھ میں ان کی خفیہ دعوت شروع کر دی
تھی۔ اس دوران میں نفس زکیہ قتل ہو گئے۔ عبداللہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خوفزدہ

ولایت عہد : اوپر گزر چکا ہے کہ سفاح اپنے بعد بالترتیب منصور اور عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نامزد کر گیا تھا۔ کچھ دنوں تک منصور نے اس وصیت کا احترام ملحوظ رکھا۔ دربار میں عیسیٰ بن موسیٰ کو دائیں جانب جگہ دیتا اور اپنے لڑکے مہدی کو بائیں جانب بٹھاتا تھا، لیکن پھر اس کی نیت میں فتور آ گیا، چنانچہ ۱۴۷ھ میں اس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے خواہش کی کہ وہ اپنے بجائے مہدی کو ولی عہد مان لے، لیکن وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس کے انکار پر منصور نے اس کا رتبہ کھٹانا شروع کر دیا اور دربار میں اس کی جگہ بھی بدل دی اور ہر چیز میں مہدی کے مقابلہ میں اس کو گرانے اور ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگا۔ بالآخر ۱۴۷ھ میں اس کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مہدی کو ولی عہد بنا دیا۔

وزارت : یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عباسی حکومت میں وزارت کا عہدہ سب سے پہلے سفاح نے قائم کیا تھا۔ اس کی اہمیت برابر بڑھتی گئی اور آگے چل کر حکومت کا سارا سیاہ و سفید وزرا کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ بیشتر عباسی وزراء بڑے مدبر، عالی دماغ اور ذی علم ہوتے تھے۔ اس لیے عباسی دور کی تاریخ میں ان کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے خلفاء کے ساتھ ان کے مختصر حالات بھی پیش کیے جائیں گے۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ منصور کا سب سے پہلا وزیر ابو سلمہ خلّال تھا، جو سفاح کے زمانہ میں بھی اس منصب پر رہ چکا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن طقطقی اور جہشیری دونوں اس کے عہد کی وزارت کا آغاز ابوایوب موریانی سے کرتے ہیں۔ (الفخری ص ۱۵۶، ابو ذر جہشیری ص ۱۰۳، ۱۰۴) ابن خلّکان کا بیان ہے کہ سفاح کی وفات کے وقت خالد بن برمک وزیر تھا۔ اس کی وفات کے بعد منصور کے عہد میں بھی ایک سال چند مہینوں تک رہا۔ پھر ابوایوب نے حسن تدبیر سے اس کو ہٹا کر خود وزارت پر قبضہ کر لیا۔ (ابن خلّکان جلد ۱، ص ۶۰۶) بہر حال منصور کے عہد میں تین وزیر ہوئے۔ خالد بن برمک، ابوایوب موریانی اور رافع بن یونس خالد کے حالات سفاح

کے عہد میں گزر چکے ہیں۔

ابو ایوب : ابو ایوب کا پورا نام سلیمان بن مغلہ ہے۔ یہ ابواز کے ایک قریہ موریان کا باشندہ تھا۔ منصور نے اس کو خلیفہ ہونے سے پہلے جب یہ بچہ تھا، خرید لیا تھا۔ اسی وقت اس میں ترقی کے آثار تھے۔ منصور نے بڑی توجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کی۔ ایک مرتبہ منصور نے اس کو سفاح کے پاس ہدیہ دے کر بھیجا۔ سفاح کو اس کا طور و طریقہ اور اس کی گفتگو بہت پسند آئی۔ پوچھا کس کے غلام ہو؟ اس نے کہا امیر المومنین کے بھائی کے۔ سفاح نے کہا، اچھا آج سے تم میرے غلام ہو اور منصور کو لکھ دیا کہ میں نے اس کو آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا ہے، چنانچہ سفاح کے دامن عاطفت میں اس کی تربیت ہوئی۔ وہ عقل و فہم، ذکاوت، ذہانت، معاملہ فہمی اور فضل و کمال میں یگانہ روزگار تھا۔ (الفخری ص۔ ۱۵۷) فقہ کے علاوہ تمام علوم پر اس کی نظر تھی۔ کیمیا، طب، نجوم اور حساب میں زیادہ درک تھا۔ منصور کے مزاج میں ان کو اتنا رسوخ و اعتماد حاصل تھا کہ اس نے اس کو وزیر بنا کر مختار جز و کل بنا دیا۔ وزارت کے ساتھ دیوان کا عہدہ بھی اس کے متعلق تھا۔ وہ منصور پر اتنا حاوی تھا کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ ابو ایوب نے منصور پر سحر کر دیا ہے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۴۴۹) لیکن جب ابو ایوب کا ستارہ گردش میں آیا تو یہ سحر الٹ گیا اور خود منصور کے ہاتھوں ابو ایوب کا خاتمہ ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ منصور نے اس سے کہا کہ میرے لڑکے صالح کے پاس کوئی جاگیر نہیں ہے۔ ابو ایوب نے عرض کی امیر المومنین ابواز میں بہت سی زمینیں بیکار پڑی ہیں۔ اگر تین لاکھ درہم صرف کر کے ان کو باکار بنایا جائے تو کافی آمدنی ہو سکتی ہے۔ منصور نے تین لاکھ روپے دے کر اس کو آباد کرنے کا حکم دیا۔ ابو ایوب نے یہ پوری رقم اپنی جیب میں رکھ لی اور زمین پر ایک حبہ صرف نہیں کیا۔ بیس ہزار سالانہ منصور کو جائیداد کی آمدنی کے نام سے دے دیا کرتا تھا۔ اس کے دشمنوں نے منصور سے واقعہ بیان کر دیا۔ منصور نے اس کی تحقیقات کی۔ ابو ایوب نے سرکاری باغات کو دکھا کر دھوکا دینا چاہا، لیکن اس کے

دشمن ساتھ تھے۔ انہوں نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔ منصور نے اصل مقام کو جا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اس خیانت پر منصور نے اس کو قتل کر کے کل اثاثہ ضبط کر لیا۔
(الفخری ص ۱۵۷، ۱۵۸)

ربیع بن یونس : تیسرا وزیر ریح بن یونس حضرت عثمان ؓ کے غلام ابو فروہ کی نسل سے تھا۔ یہ بھی عقل و فراز نگاہ اور معاملہ فہمی میں ابوالیوب کا ہمسر اور شجاعت و شہامت اور تدبیر و سیاست میں یگانہ تھا۔ بڑے دبدبہ و شکوہ کا وزیر تھا۔ سب سے آخر میں وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہوا اور منصور کی وفات تک برابر اس پر قائم رہا۔ منصور کے بعد مہدی کی بیعت اس نے لی تھی۔ ہادی کے زمانہ میں قتل کیا گیا (الفخری ص ۱۵۹، ۱۶۰)

وفات : منصور ذی الحجہ میں پیدا ہوا تھا۔ ذی الحجہ ہی میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس لیے اس کو وہم ہو گیا تھا کہ ذی الحجہ ہی میں مرے گا بھی۔ ۵۸ھ میں اس نے مہدی سے کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں ذی الحجہ میں مرجاؤں گا اور میری موت کا یہی سال ہے چنانچہ اس کو امور سلطنت کے متعلق ضروری امور سمجھائے اور ایک مفصل ہدایت نامہ دے کر حج کے قصد سے نکلا۔ اس کا وہم صحیح نکلا۔ راستہ میں بیمار پڑا اور بیر معونہ پہنچ کر مر گیا۔ اس وقت احرام باندھ چکا تھا اس لیے باب معلیٰ کے قبرستان میں برہنہ سر دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی مدت خلافت ۲۲ سال ۳ ماہ چند دن۔

اخلاق و سیرت : عباسی خلفاء میں منصور سب سے زیادہ با عظمت خلیفہ تھا۔ گو عباسی حکومت کا بانی سفاح تھا، لیکن اس کو مستحکم منصور نے کیا۔ عباسی خلفاء میں اس کی وہی حیثیت تھی جو اموی خلفاء میں عبدالملک کی تھی۔ وہ عقلمندانہ سیاست و تدبیر، جرات و دلیری، ہمت و استقلال، سطوت و جبروت کا پیکر تھا۔ نازک سے نازک موقعوں پر بھی نہ گھبراتا تھا۔ بڑی بڑی پیچیدہ گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھا لیتا تھا۔ اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے، لیکن اس کی ہمت و تدبیر نے سلطنت کو ہلنے نہ دیا اور اپنے زمانہ میں عباسی سلطنت کو اس قدر مستحکم کر گیا کہ مدتوں اس کے جانشین

اطمینان کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔ تمام مورخین اس کے اوصاف کمالات کے معترف ہیں۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ منصور حزم، عقل، علم، اصابت رائے، حسن تدبیر اور وقار و تمکنت کے لحاظ سے دنیا کے عظیم ترین سلاطین میں تھا۔ خلوت میں وہ خوش مزاج اور خوش اخلاق رہتا تھا۔ لغو اور مذاہجہ باتوں کو بھی برداشت کر لیتا تھا، لیکن جب لباس شاہی زیب تن کر کے دربار میں آتا تو بالکل رنگ بدل جاتا، آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور اس کے تمام اوصاف یکسر بدل جاتے۔ اس نے اپنے لڑکوں تک سے کہہ دیا تھا کہ جب میں اپنے شاہی لباس میں مجلس میں جاؤں تو میرے قریب نہ آیا کرو۔ ممکن ہے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔ سب سے اول اسی نے عباسی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کیا۔ اس کا نظام قائم کیا۔ اس کے قواعد مرتب اور انہیں نافذ کیا۔ (الفخری ص ۱۴۲، ۱۴۱) مسعودی کا بیان ہے کہ منصور خوبی تدبیر اور حسن سیاست کی معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ جس معاملہ میں نفع کی توقع ہوتی تھی، اس میں بے دریغ روپیہ صرف کر دیتا اور جہاں روپیہ ضائع ہوتا، وہاں حقیر سے حقیر رقم بھی نہ صرف کرتا تھا۔ (مسعودی جلد ۶، ص ۲۲۱)

ابن ہبیرہ کا بیان ہے کہ جنگ اور امن دونوں حالتوں میں منصور سے زیادہ حیلہ ساز اور بیدار مغز کوئی نہ تھا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۴۱) اس کا ایک خاص وصف تھا کہ نازک سے نازک موقعوں پر بھی وہ نہ گھبراتا تھا۔ اس کا دماغ امن و سکون اور شورش و فساد دونوں موقعوں پر یکساں کام دیتا تھا، اس لیے اس کے عہد میں کوئی انقلابی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ (طبری جلد ۱۰، ذکر سیرۃ ہارون)

سیوطی لکھتے ہیں کہ منصور ہیبت و شجاعت، حزم و رائے، سطوت و جبروت کے لحاظ سے بنو عباس کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۶۱) اس کا سارا وقت امور مملکت پر غور و فکر اور اس کے انتظام میں صرف ہوتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک حکام کے عزل و نصب، سرحدوں اور اطراف ملک کے استحکام، راستوں کے قیام امن، حکومت کی

آمدنی اور اس کے مصارف، رعایا کی معاش، اس کی راحت و آرام کے مسائل پر غور و فکر کرتا تھا اور ان کے متعلق احکام دیتا تھا۔ عصر کے بعد گھر والوں کے پاس بیٹھتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد ان مراسلات و اطاعتوں پر غور کرتا تھا، جو اطراف ملک سے آتی تھیں اور ان پر ارکان سلطنت سے مشورہ کرتا تھا۔ ایک تہائی شب کے بعد آرام کرتا تھا اور صبح نماز فجر کے بعد پھر معمولات شروع ہو جاتے تھے۔ اپنے لڑکے مہدی سے کہا کرتا تھا کہ کوئی کام غور و فکر کے بغیر نہ کیا کرو۔ غور و فکر عقلمند کے لیے گویا آئینہ ہے، جس میں اس کام کی اچھائی برائی نظر آتی ہے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۹)

ایک مرتبہ مہدی سے پوچھا تمہارے پاس کتنے جانور ہیں؟ اس نے کہا مجھے تعداد معلوم نہیں۔ منصور نے کہا یہ تو تمہاری بڑی تقصیر ہے۔ جب تم کو جانوروں کا حال نہیں معلوم تو خلافت کو تم اور بھی ضائع کر دو گے۔ (ابن کثیر جلد ۱۰، ص ۱۲۶)

عدل و جور میں منصوص کی سیاست : منصور طبعاً سخت گیر اور درشت مزاج واقع ہوا تھا اور تاریخوں میں اس کے ظلم و زیادتی کے بعض واقعات بھی ملتے ہیں۔ عدل و جور کے بارے میں اس کی سیاست یہ تھی کہ حکومت کے باغیوں کے مقابلہ میں وہ نرمی روا نہ رکھتا تھا اور ان پر بلاشبہ اس کے زمانہ میں اعتدال سے زیادہ سختیاں ہوئیں، لیکن امن پسندوں اور عام رعایا کے لیے وہ اصولاً اور عملاً دونوں حیثیتوں سے عادل تھا۔ اس کا قول تھا کہ ”خلیفہ کو صرف تقویٰ درست رکھ سکتا ہے“ سلطان کو اطاعت اور رعایا کو عدل، جو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لیے عفو و رخصت زیادہ مناسب ہے اور وہ بڑا کم عقل ہے، جو اپنے زیر دستوں پر ظلم کرتا ہے (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۵۶)

وہ کہا کرتا تھا کہ سلطنت کے ارکان چار ہیں۔ جن کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی۔ ایک قاضی جو بغیر خوف و مومنتہ لائم منصفانہ فیصلہ کرے۔ دوسرے پولیس جو قوی کے مقابلہ میں کمزور سے انصاف کرے۔ تیسرے تحصیلدار جو پورا خراج وصول کرے،

لیکن رعایا پر ظلم نہ ہونے پائے۔ چوتھے پرچہ نگار جو ان لوگوں کی صحیح اطلاع دیتا رہے۔ (ابن اثیر جلد ۵، ص ۹)

ان اصولوں کو اس نے جہانبانی میں رہنما بنایا تھا۔ رعایا کے ساتھ قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ اس نے لوگوں کو عام آزادی دے رکھی تھی کہ جس کسی کو کسی حاکم سے کوئی تکلیف پہنچے وہ بلا روک ٹوک اس سے اس کی شکایت کر سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک عامل کی شکایت کی کہ اس نے اس کی جائیداد کا کچھ حصہ اپنی جائیداد میں شامل کر لیا ہے۔ منصور نے فوراً عامل کو لکھا، اگر تم عدل کرو گے تو ہمیشہ سلامتی تمہارے ساتھ رہے گی۔ اس لیے اس مظلوم کے ساتھ انصاف سے کام لو۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک دہقانی نے ایک عامل کی شکایت کی۔ منصور نے اس کو جواب دیا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں کہ عامل کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ۔ طبری نے اس قبیل کے اور متعدد واقعات لکھے ہیں (طبری جلد ۱۰، ص ۴۳۷)

ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ عباسی والی کوفہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ منصور کو اس کی خبر ہوئی تو اس کے قصاص میں عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، لیکن معلوم ہوا کہ عیسیٰ نے کسی عداوت یا بددیانتی سے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ جرم کے شبہ میں قتل کر دیا ہے۔ اس لیے منصور نے قصاص تو نہیں لیا، لیکن عیسیٰ بن موسیٰ کو نہایت سخت تحریر لکھی کہ آئندہ سے کسی شخص کو محض شبہ اور گمان پر سزا نہ دی جائے۔ جب تک کہ پورا ثبوت موجود نہ ہو۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۴۳۷) اس نے رعایا کو اتنی آزادی دے رکھی تھی کہ معمولی معمولی آدمی اسے علانیہ ٹوک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ خطبہ دے رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد شروع کی تھی کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا امیر المؤمنین آپ جس (اللہ) کا ذکر کر رہے ہیں، اسے میں آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ منصور نے کہا، مہربانم نے بڑی جلیل القدر ذات کو یاد اور بڑی عظیم ہستی کا خوف دلایا ہے۔ میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ

میرا شمار ان لوگوں میں ہو کہ جب ان کو اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے تو ان کی نخوت اور ان کا غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ پند و موعظت ہمارے ہی گھر سے شروع ہوئی ہے، اور ہمارے ہی یہاں سے نکلی ہے۔ اس لیے ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں، لیکن میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت تمہارا مقصود صرف یہ ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ اس شخص نے خلیفہ پر اعتراض کیا اور اس کے بدلہ میں اس کو سزا دی گئی۔ یہ بہت پست مقصد ہے، میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۵۶)

گو وہ سخت گیر تھا، لیکن اکثر باغیوں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ قطن بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کے خروج میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ ان کے قتل کے بعد منصور کے خوف سے چھپا پھرتا تھا۔ اس زندگی سے تنگ آ کر میں نے امیر ابو عمرو بن العلاء سے مشورہ کیا کہ میں منصور کے پاس جا کر اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لوں۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا اگر تم گئے تو ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے، لیکن میں بہت عاجز ہو چکا تھا۔ اس لیے ابو عمرو کا مشورہ قبول نہ کیا اور بغداد جا کر وزیر دولت رافع بن یونس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے حراست میں لے لیا۔ اس وقت مجھے ابو عمرو کا مشورہ نہ قبول کرنے پر ندامت ہوئی۔ اس کے بعد مجھے قصر خلافت پہنچا دیا گیا اور پھانک بند کر دیئے گئے۔ اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ ظہر کے وقت ایک خولجہ سرا وضو کے لیے پانی اور کھانا لایا۔ وضو کر کے میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور روزہ کا عذر کر کے کھانا واپس کر دیا۔ اسی طریقہ سے عصر اور مغرب کا وقت گزرا۔ رات کے وقت جب محل کے پھانک بند ہونے لگے تو مجھے اپنی زندگی سے بالکل مایوسی ہو گئی اور آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔ آدھی رات گئے ایک خولجہ سرا آ کر مجھے لے گیا اور میں منصور کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس وقت صرف وہ اور رافع بن یونس تھے۔ مجھے دیکھ کر منصور نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا، کہو کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یا امیر المومنین میں قطن بن معاویہ ہوں۔ جس نے حضور کے خلاف اپنی تمام

کوششیں صرف کر دیں۔ آپ کی نافرمانی کی، آپ کے دشمن کا ساتھ دیا۔ آپ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ ان جرائم کے بعد اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو آپ اس کے اہل ہیں اور اگر سزا دینا چاہیں تو میرے چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلہ میں قتل کر سکتے ہیں۔ منصور نے پھر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سر اٹھا کر کہا، کہو کیا کہتے ہو؟ میں نے پھر اپنے جرائم دہرائے۔ منصور نے کہا امیر المومنین نے تمہیں معاف کیا۔ یہ سن کر میرا حوصلہ بڑھا۔ میں نے عرض کی، حضور کے دروازے سے اس حال میں واپس جاؤں گا کہ میری جائیداد اور میرا گھر ضبط ہے۔ اس لیے اگر رائے عالی ہو تو اس کی واکزاری کا بھی حکم ہو جائے۔ منصور نے اسی وقت عبدالملک بن ایوب والی بصرہ کے نام یہ حکم لکھوا دیا کہ امیر المومنین قطن بن معاویہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کی جائیداد گھر اور جو کچھ ضبط کیا گیا ہو۔ سب واپس کر دیا جائے۔ یہ حکم لے کر میں بصرہ پہنچا اور حکم نامہ عبدالملک کے حوالہ کیا۔ اس نے فوراً میری پوری املاک واکزاری کر دی۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۶۰۵۹)

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حکومت کے مخالفین خصوصاً علویوں اور آل حسن کے بارہ میں وہ حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ رعایا کے ساتھ عدل و جور کے بارہ میں اس کی پالیسی یہ تھی کہ امن پسند اور عام رعایا کے ساتھ وہ جادہ عدل سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا، لیکن مخالفین کے ساتھ اس کا عدل سخت گیری اور درشتی بلکہ ظلم سے بدل جاتا تھا اور چونکہ اس کا زمانہ عباسی حکومت کا تاسیسی دور تھا۔ اس لیے بہت سی مخالف طاقتیں اٹھیں اور ان پر سختیاں بھی زیادہ ہوئیں، لیکن اس کی عام پالیسی نرمی کی تھی۔ وہ ولی عہد مہدی سے کہا کرتا تھا کہ حکومت صرف تقویٰ سے درست ہو سکتی ہے۔ رعایا اطاعت سے اور ملک عدل و انصاف سے آباد ہو سکتا ہے۔ جو شخص عفو و درگزر پر قادر ہے۔ دراصل وہی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ سب سے کمزور وہ انسان ہے جو

اپنے زیر دست پر ظلم کرتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے کاموں کی اچھائی برائی کو جانچو اور اس کے مطابق ان کو اس کے ترک و اختیار کرنے کا مشورہ دو۔ کسی ایسی مجلس میں نہ بیٹھو جس میں اہل علم نہ ہوں، جو شخص اپنے کو محمود اور مقبول بنانا چاہتا ہے۔ اسے سیرت درست کرنی چاہیے اور جو تعریف کو برا سمجھتا ہے، اسے سیرت بگاڑنی چاہیے۔ ایسا شخص ہمیشہ مذمت کا ہدف اور لوگوں میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہے گا۔ عاقل وہ نہیں ہے جو مشکلات میں پڑنے کے بعد اس سے رہائی کی تدبیر کرے بلکہ عاقل وہ ہے جو ایسی تدبیر کرے کہ مشکلات پیش ہی نہ آئیں۔ (ابن اثیر جلد ۸، ص ۱۰)

ایک موقع پر مہدی کو یہ وصیت کی کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں شکر سے قائم رہتی ہیں۔ قدرت غفور و درگزر سے لوگوں کی اطاعت تالیف قلب سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد و تواضع اور لوگوں پر رحم کرنے سے اس لیے تم اپنا دنیاوی حصہ فراموش کرو اور نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھولو۔ (ابن کثیر جلد ۱۰، ص ۲۳) اس کی پالیسی کا اندازہ اس وصیت نامہ سے ہوتا ہے جو اس نے مرتے وقت مہدی کے لیے لکھا تھا۔ یہ وصیت نامہ حسب ذیل ہے:

”بیٹا محمد ﷺ کی امت کی حفاظت کرنا، اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا۔ حرام خونریزی سے ہمیشہ بچنا کہ یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اور دنیا میں بھی ایسا عار ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔ حلال کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ اس میں تمہارے لیے آخرت میں بھی ثواب ہے اور دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ اعتدال سے نہ بڑھنا کہ اس میں ہلاکت ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو حدود کے علاوہ کوئی دوسری ایسی چیز معلوم ہوتی جو اس کے مذہب کے لیے زیادہ موزوں اور اس کے گناہوں پر متنبہ کرنے والی ہوتی تو اپنی کتاب میں ضرور اس کا حکم دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا غضب سب سے زیادہ بادشاہت کے لیے تیز ہے۔ اس لیے اس نے ایسے شخص کے لیے جو زمین میں فساد پھیلانے والے

عذاب اور عقاب کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض

فساداً﴾

پس بیٹا! بادشاہ اللہ کی جبل متین، اس کا عروۃ الوثقیٰ اور دین قیم ہے۔ اس کی حفاظت کرنا۔ اسے مضبوط کرنا، اس کے لیے مدافعت کرنا، اس میں رخنہ ڈالنے والوں کو سزا دینا۔ اس سے بھاگنے والوں کی تیغ کٹی کرنا اور اس سے نکلنے والوں کو عذاب دے کر اور مثلہ کر کے قتل کرنا، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو حکم دیا ہے، اس سے تجاوز نہ کرنا، عدل کے ساتھ حکومت کرنا، اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ یہ باتیں شور و فتن کو روکنے والی اور دشمن کو تباہ کرنے والی اور کارگردہ ہیں۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۴۴۷)

بغداد کی تعمیر: منصور نے اپنے زمانے میں حکومت کے استحکام کے علاوہ اور بہت سے کارنامے انجام دیئے۔ اس کا ایک بڑا کارنامہ بغداد کی تعمیر ہے۔ سفاح نے وقتی طور پر ہاشمیہ کو پایہ تخت بنالیا تھا۔ منصور کے زمانہ میں جب عباسی حکومت کی بنیاد پوری طرح مضبوط ہو گئی اور اس کے نظام میں وسعت اور ترقی ہوئی تو اس نے بغداد آباد کر کے اس کو دارالخلافہ بنایا اور بغداد کے خلفاء برابر اس کی تعمیر اور آبادی میں اضافہ کرتے رہے، تا آنکہ ایک صدی کے اندر بغداد دنیا کا عظیم الشان شہر بن گیا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ جتنے جتنے حالات اپنے اپنے موقع پر آئیں گے۔ منصور کے تعمیر کردہ بغداد کا نقشہ اور اس کا اجمالی حال یہ ہے۔ اس کی تعمیر کے لیے منصور نے بڑا اہتمام کیا۔ مختلف مقاموں کی آب و ہوا اور مٹی کا اہتمام کرنے کے بعد ارض بابل و نینوا کا ایک خوش سوا اور سرسبز و شاداب قطعہ جسے دجلہ سیراب کرتا تھا منتخب کیا گیا اور بڑے ماہر مہندسین نے شہر کا نقشہ بنایا اور اس کی تعمیر کے لیے دنیا کے مختلف حصوں سے معمار، سنگتراش، نجار اور نقاش وغیرہ ہر صنف کے صناع و کاریگر جمع کئے گئے اور جن جن ملکوں

میں جو سامان تعمیر مل سکتا تھا، فراہم کیا گیا۔ شہر کا نقشہ دائرہ نما تھا۔ درمیان میں منصور کا محل قصر الخلد تھا۔ اس کے بعد حکومت کے دفاتر کی عمارتیں اور عمائد و ارکان سلطنت اور امراء کے محلات تھے۔ آخر میں عام آبادی اور بازار و باغات تھے، لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد بغداد سے متصل اور اس سے الگ کرخ کے نام سے عوام کی ایک الگ آبادی قائم کر دی تھی۔ ابتداء میں شہر میں دو جامع مسجدیں تھیں۔ ایک شاہی دوسری عام آبادی کے لیے شہر کے گرد ۳۵ گز بلند دوہری سنگین شہر پناہ اور اس کے بعد وسیع خندق تھی۔ بیرونی اور اندرونی دونوں فصیلوں کے چار سمت چار بڑے بڑے پھانک باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان تھے۔ پھانکوں کے اوپر اونچے برج تھے۔ اندرونی فصیل کے پھانکوں پر پچاس پچاس گز بلند گنبد اور شہ نشینیں تھیں۔ گنبدوں کی چوٹی پر مختلف مجسمے تھے جو ہوا کے رخ کے ساتھ ساتھ پھرتے تھے۔

قصر الخلد اپنی خوبصورتی، زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لحاظ سے خلد کا نمونہ تھا۔ اس کا وسطی گنبد زمین سے اسی (۸۰) گز بلند تھا اور اس کے کلس پر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ نصب تھا۔ شہر کی آبادی میں ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ اور مختلف چیزوں کے بازار جدا جدا ان کے ناموں سے موسوم تھے۔ کل سڑکیں اور گلیاں مختلف ناموں اور نسبتوں سے منسوب تھیں۔ شوارع عام چالیس گز چوڑی تھیں۔ دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں شہر میں جاری کی گئی تھیں۔ بغداد کی آبادی کے چند سال بعد ولی عہد سلطنت مہدی کے لیے بغداد کے مشرقی جانب اس سے متصل ایک عالی شان قصر معہ جملہ لوازم و ضروریات کے تعمیر کرایا تھا، جو رصافہ کے نام سے موسوم تھا اور بجائے خود ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس کی مستقل شہر پناہ اور خندق تھی اور مغربی جانب فوجی چھاؤنی بنوائی۔

ان تعمیرات پر ایک کروڑ اسی لاکھ صرف ہوا تھا، جو اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی رقم ہے۔ جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے شام و روم وغیرہ کے بڑے بڑے شہر دیکھے

لیکن عمارتوں کی بلندی، آبادی کی گولائی، عظمت و شان، پھاٹکوں کی وسعت اور فصیل کی مضبوطی کے لحاظ سے کوئی شہر مدینہ ابو جعفر منصور کے پایہ کا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے۔

خلافت عباسیہ کی مالی و تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس شہر کی وسعت و ترقی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور بعد کے خلفاء عالی شان محلات و باغات اور مختلف النوع عمارتیں بنواتے رہے۔ تا آنکہ تیسری اور چوتھی صدی میں بغداد وسعت اور عمارتوں کی عظمت و شان اور عجائبات کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں سترہ ہزار حمام، اس سے زیادہ مسجدیں اور دس ہزار سڑکیں اور گلیاں تھیں اور اس کے محلات اپنی خوبصورتی اور آرائش کے اعتبار سے رشک فردوس تھے، ان میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ (خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ ہم نے صرف منصور کے آباد کردہ شہر کا صرف مختصر اجمالی تذکرہ کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھو (تاریخ خطیب ج ۱، ص ۶۶) (۹۳۳)

منصور کے زمانہ میں ارزانی کا یہ حال تھا کہ مینڈھا ایک درہم میں، بار بردار جانور چار واق میں، کھجور ایک درہم میں، ساٹھ رطل یعنی تقریباً تیس سیر، روغن زیتون ایک درہم میں، آٹھ سیر گائے کا گوشت ایک درہم میں، ایک من سے زیادہ، بکری کا گوشت ایک درہم میں، تیس سیر شہد ایک درہم میں، پانچ سیر چربی ایک درہم میں، چھ سیر مالتی تھی۔ اس ارزانی کی وجہ سے رعایا نہایت آسودہ حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتی تھی۔ (تاریخ خطیب ج ۱، ص ۷۰)

یعقوبی نے بغداد کی تعمیر کی جو تفصیل لکھی ہے۔ اس میں منصور کے عہد حکومت کے شعبوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق حسب ذیل شعبوں کے دفاتر کی عمارتیں تعمیر ہوتی تھیں:

﴿بيت المال﴾ خزانه ﴿و خزانته السلاح﴾ السلم خانہ ﴿ديوان
الرسائل﴾ احكام و فراين كا محكمہ ﴿ديوان الخراج﴾ خراج كا محكمہ ﴿ديوان
الخاتم﴾ مہر شاہي كا محكمہ ﴿ديوان الجند﴾ فوج كا محكمہ ﴿ديوان
الحوائج﴾ شاہي ضروريات كا محكمہ ﴿ديوان الاحشام﴾ شاہي خدم و حشم كا
محكمہ ﴿مطبخ عامہ﴾ باورچی خانہ ﴿ديوان النفقات﴾ مصارف سلطنت كا محكمہ
(كتاب البلدان يعقوبی ص ۲۴۰)

تعمير حرم: ان تعميرات كے ساتھ منصور نے خانہ كعبہ ميں بھی توسيع كرائي۔ مسجد حرام
كي عمارت بہت تنگ تھی۔ ۳۸ھ ميں منصور نے اس كے ملحقہ مكانات اور دارالندوہ كي
عمارت كو اس ميں شامل كرايا۔ جس سے حرم كي وسعت دوني ہو گئی۔ دو سال ميں اس تعمير
كي تكميل ہوئی۔ مسجد خيف بھی چھوٹی تھی۔ حرم كے ساتھ منصور نے اس كي بھی توسيع كرائي
اور ۴۰ھ ميں خود ان عمارتوں كے معائنہ كر ليے ملكہ گيا۔ (يعقوبی جلد ۲، ص ۲۴۲)

علمی خدمات: اموي عہد ميں گوندہي اور اسلامي علوم كے بڑے بڑے علماء پيدا
ہوئے اور ان ميں سے بعض نے كتابیں بھی لكھیں، ليكن ان كي تعداد اتنی كم ہے كہ نہ
ہونے كے برابر ہے۔ اس دور كے علماء كي علمی سعی صرف مذہبي علوم كي درس و تدريس
اور نقل و روايت تك محدود رہی۔ تالیف و تصنيف اور دوسري قوموں اور زبانوں كے
علوم كا مذاق منصور كے زمانہ ميں پيدا ہوا۔ حديث و تفسير، فقہ اور مغازی و سيرت كي
تالیف كا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ امام مالك نے موطا لكھی۔ امام ابو حنیفہ نے فقہ مدون
كي۔ ابن اسحاق نے مغازی مرتب كيے۔ ان كے علاوہ ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ
نے بصرہ ميں، معمر نے يمن ميں، سفیان ثوري نے كوفہ ميں اور حشيم ليث، ابن لہیعہ، ابن
مبارك، امام ابو يوسف اور ابن وہب محدثين و فقہاء نے اپنے اپنے مقاموں پر حديث
وفقہ كي تدوين و ترتيب كي جانب توجہ كي۔ اس كے علاوہ ادب و تاريخ پر بھی كتابیں لكھی
گئیں۔ (تاريخ الخلفاء ص ۲۶۳)

خود منصور کو دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا بڑا ذوق اور فلسفہ اور نجوم سے خاصی دلچسپی تھی۔ ابن ساعد اندلسی کا بیان ہے کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر منصور نے علوم کی طرف توجہ کی۔ وہ فقہ کا ماہر اور فلسفہ و نجوم میں دستگاہ رکھتا تھا۔ نجوم سے زیادہ شغف تھا۔ (طبقات الامم ص ۲۸) اس نے قیصر روم سے یونانی کتابوں کی فرمائش کی، اس نے اقلیدس کی اور چند طبیعات کی کتب بھیجیں۔

اس کے دربار میں ہرن کے اصحاب مال جمع تھے۔ اس کا درباری منجم نوبخت اپنے فن کا ماہر تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ابوسہل باپ کا جانشین ہوا۔ نوبخت کی اولاد نے منصور کے لیے کواکب اور ان کے احکام پر متعدد کتابیں ترجمہ کیں۔ دوسرا درباری منجم ابراہیم فزاری تھا۔ یہ بھی بڑا صاحب مال تھا۔ تاریخ اسلام میں سب سے اول اسی نے اصطراب بنایا اور علم ہیئت پر کئی کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب تسطیح کرہ پر تالیف کی۔ اس کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں، کتاب القصیدہ فی علوم النجوم، کتاب المتیاس للروال، کتاب الترتیج علی سنی العرب، کتاب العمل بالاصطرلابات، ذوات الحلق، کتاب العمل بالاصطرلاب المسطح۔

نجوم سے منصور کو دلچسپی کا شہرہ سن کر دو دور کے منجم بغداد پہنچ گئے تھے۔ ان میں ہندوستان کا بھی ایک منجم تھا۔ اس نے سنسکرت کی مشہور ہیئت کی کتاب سدہانت منصور کی خدمت میں پیش کی۔ اس نے ابراہیم بن منجم کے لڑکے محمد سے اس کا ترجمہ کرایا اور اس کی مدد سے محمد نے ہیئت کی ایک کتاب سندھند کبیر کے نام سے تالیف کی جو مدتوں علمائے ہیئت کا مرجع رہی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۰۱) طبی کتابوں کے ترجمہ اور تالیف کا آغاز بھی اسی زمانہ سے ہوا۔ ایک مرتبہ منصور بیمار پڑا۔ اس کے علاج کے لیے جندیسا پور کے مشہور شفا خانے کا رئیس الاطباء جورجیس بن خثیشوع بلایا گیا۔ اس کے علاج سے منصور کو فائدہ ہوا۔ اس نے اس کو انعام و اکرام سے نوازا اور اپنا طبیب خاص بنالیا۔ (المہر ست ص ۳۸۱) جورجیس نے منصور کے لیے کئی طبی کتابوں کے

ترجمے کیے۔ ایک اور درباری طبیب بطریق نے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کے ترجمے کیے۔

منطق، فلسفہ اور فارسی کی بھی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ منصور کے میرنشی عبداللہ بن مقفع نے جو بڑا نامور ادیب اور فلسفی تھا۔ ارسطاطالیس کی کتاب قاطعیوریاس، بادی آریمناس اور نولو طویقا اور منطق کی مشہور کتاب ایساغوجی کا ترجمہ کیا۔ کلیدہ ومنہ کو بھی سب سے پہلے اسی نے عربی کا جامہ پہنایا۔ ترجمہ کے علاوہ سیاست پر دو رسالے لکھے۔ (الفہرست ص ۳۸۱) فارسی سے پارسی علم الاخلاق کی کتابوں کا ترجمہ الادب الکبیر اور الادب الصغیر بھی ابن مقفع کی یادگار ہے۔ ان کے علاوہ اس نے اور منصور کے دوسرے مترجموں نے ایران کے بائیان مذاہب مانی، ولسیان اور مرقون کی کتابوں کے ترجمے کیے، لیکن اس سے مسلمانوں کے عقائد و خیالات پر اچھا اثر نہیں پڑا۔ (طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۲۴۹)

تفسیر یحییٰ مشاغل سے احتراز: تفریحی مشاغل شخصی حکمرانوں اور مطلق العنان سلاطین کی بزم طرب کے ضروری لوازم ہوتے ہیں، لیکن منصور کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ یحییٰ بن سلیم، فضل بن ربیع کے کاتب کا بیان ہے کہ منصور کے گھر میں کبھی لہو و لعب کے مشابہ بھی کسی چیز کا گزرنہ ہوا۔ ایک مرتبہ اس کے محل میں ایک غلام طنبور بجا رہا تھا اور لونڈیاں قمقمے لگا رہی تھیں۔ اس کے کانوں میں آواز پہنچی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا طنبور، لیکن یہ طنبور کو بھی نہیں جانتا تھا۔ پوچھا طنبور کسے کہتے ہیں؟ اس کی وضع و ہیئت بتائی گئی۔ منصور اسی وقت اٹھا اور طنبور بجانے والے کے سر پر طنبور توڑ کر اسی وقت اس کو نکال دیا۔ (مروج الذہب مسعودی) ابن طقطقی کا بیان ہے کہ ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کرتا تھا۔ بسا اوقات پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی پہنتا اور اس کے گھر میں لہو و لعب بلکہ اس سے مشابہ بھی کسی چیز کا گزرنہ ہوا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۳۹۲، الفخری ص ۱۴۱)

کیا کہ جب تیل کی مقدار کم کر دی گئی ہے تو ممکن ہے کھانے کی بھی حد مقرر کر دی گئی ہو۔ منصور نے بگڑ کر کہا تم اس تیل میں جو بیکار جلتا ہے اور کھانے میں فرق نہیں کرتے، کھانا اگر بیچ بھی جائے تو بھی کسی کے کام آ جائے گا اور اسی وقت قہرمان کو سات کوڑے لگوائے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۶)

فیاضی: اس قسم کے واقعات کو مورخین نے بخل سے تعبیر کیا ہے، لیکن درحقیقت منصور بخیل نہ تھا۔ البتہ فضول روپیہ ضائع نہ کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ فیاضی کے جذبہ میں آ کر بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی اس کے پاس آیا۔ منصور کو اس کی باتیں بہت پسند آئیں۔ خوش ہو کر کہا، تمہاری جو ضرورت ہو بیان کرو۔ اعرابی نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کی عمر دراز کرے، میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ منصور نے اصرار سے کہا کہ نہ تم ہمیشہ میرے پاس پہنچ سکتے ہو اور نہ میں ہمیشہ دینے کے لیے تیار رہوں گا، اس وقت موقع ہے جو ضرورت ہو بیان کرو۔ اعرابی نے کہا یا امیر المؤمنین ایسا کیوں ہے؟ نہ میں خدا نخواستہ آپ کی عمر کو کم سمجھتا ہوں اور نہ آپ کے مال کو مال غنیمت کہ جو کچھ لینا ہو اسی وقت لے لوں۔ ساری روئے زمین کے عرب یہ جانتے ہیں کہ آپ سے گفتگو کرنا عز و شرف ہے اور کوئی شریف آپ سے انحراف نہیں کر سکتا۔ آپ سے سوال کرنا کوئی عیب اور برائی نہیں ہے، بلکہ آپ کا عطیہ عزت و زینت ہے۔ منصور نے یہ شائستہ اور فصیح گفتگو سن کر اس کو ایک ہزار اشرفیاں عطا کیں۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۸)

خزانہ عامرہ: درحقیقت منصور کی اسی کنایت شعاری کا نتیجہ تھا کہ تعمیر کاموں میں بے شمار دولت صرف کرنے کے باوجود اپنے بعد اتنی دولت چھوڑ گیا کہ مہدی کو کبھی روپیہ کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی۔ منصور خود اپنے وصیت نامے میں لکھ گیا تھا کہ میں نے تمہارے لیے اتنی دولت جمع کر دی تھی کہ اگر تم کو دس سال تک بھی خراج نہ ملے تو تم کو اخراجات کی شکایت نہ ہوگی۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۲۴۴)

محمد بن منصور الملقب بہ مہدی

سادہ لوح عوام اس کے دام تزویر میں پھنس کر اس پر ایمان لے آئے اور اس کے مستقر کی سمت سجدہ کرتے تھے۔ (الفخری ۱۶۲)

چند دنوں میں اس کے پیروؤں کی بڑی تعداد ہو گئی اور انہوں نے بسام اور سخرہ میں حکومت کے خلاف اجتماع کیا۔ ترک اور صغد بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور مسلمان آبادیوں پر تاخت شروع کر دی۔ کش کے بعض محلات اور نواسب کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ ابو نعمان جنید اور لیث نے یکے بعد دیگرے ان کا مقابلہ کیا، لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر میں جبرائیل بن یحییٰ اور یزید نے متقع کے ایک ممتاز پیرو بلیضہ کا مقابلہ کر کے اسے بھگایا۔ اس کے بعد مہدی نے ابو عون کو متقع کے مقابلہ کے لیے بھیجا، یہ بھی ناکام رہا تو یہ مہم ۶۱ھ میں معاذ بن مسلم اور سعید حرشی کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے طواہس میں متقع کے ساتھیوں کو شکست دی اور وہ بھاگ کر متقع کے پاس چلے گئے۔ سعید حرشی نے متقع کو اس کے ساتھیوں سمیت گھیر لیا۔ چند دنوں کے بعد اس کے ساتھیوں نے سپر ڈال دی اور تیس ہزار آدمیوں نے سعید سے جان بخشی کر کے متقع کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ دو ہزار سے کچھ اوپر آدمی رہ گئے۔ عباسی فوج نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا۔ جب متقع نے دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی صورت باقی نہیں رہی تو اس نے اپنی عورتوں اور اہل و عیال کو زہر کھلا کر ختم کر دیا اور آگ جلا کر باقی ساتھیوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ آسمان پر چلنا چاہتا ہے وہ اس آگ میں کود پڑے۔ یہ کہہ کے پہلے خود اس میں کودا۔ اسے دیکھ کر اس کے سب ساتھیوں نے کود کر اپنا خاتمہ کر لیا۔ بعض راویوں میں ہے کہ متقع نے زہر کھا کر جان دے دی اور جب مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو اس میں کچھ نہ تھا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۰۷، ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۱)

یوسف البرم کی بغاوت: ۶۰ھ میں خراسان میں یوسف بن ابراہیم المعروف بہ برم نے مہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ بہت سے شورش پسند اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن اس کا فتنہ زیادہ بڑھنے نہ پایا۔ یزید بن مزید شیبانی نے بہت جلد اس پر قابو

حاصل کر لیا اور اس کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کیا۔ بغداد میں ان سب کے سر قلم کر دیئے گئے۔ (یعقوبی نے ۶۴ھ میں یہ بغاوت لکھی ہے)

عبدالسلام یشمکری اور اہل الحوف کی بغاوت: ۶۲ھ میں عبدالسلام بن ہاشم یشکری نے جزیرہ میں بغاوت برپا کی اور اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ مسلسل کئی مہینے اس کے مقابلہ میں ناکام رہیں۔ بالآخر شیب نے قسریں بڑی مشکوں سے اس کا کام تمام کیا۔ سندھ میں الحوف (مصر) کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ یہاں کے حاکم موسیٰ بن مصعب نے مقابلہ کیا اور باغیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ موسیٰ کے قتل کے بعد مہدی نے فضل بن صالح کو بھیجا۔ اس نے مہدی کی وفات کے بعد امن وامان قائم کیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۲۸۳)

مختلف غیر مسلم حکمرانوں سے معاہدے اور ان کی اطاعت: اکثر سرحدی علاقوں کے غیر مسلم حکمران عباسی حکومت کے باغیوں سے مل جاتے تھے جس سے بڑی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لیے ۶۴ھ میں مہدی نے اپنے ماتحت باجگواروں اور سرحدی فرمانرواؤں کے پاس سفراء بھیج کر ان سے صلح اور مفاہمت کر کے اس خطرہ کا سدباب کیا۔ اس سلسلہ میں کابل، طبرستان، سغد، طخارستان، بامیان، فرغانہ، اشروسنہ، بختان، ترک، تبت، سندھ اور چین کے فرمانرواؤں اور ہندوستان کے بعض راجاؤں نے اطاعت کا معاہدہ کیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۴۷۹)

رومیوں سے معرکہ آرائیاں: مہدی کے زمانہ میں اندرونی خلفشار نسبتاً بہت کم رہا۔ اس لیے اس کو بیرونی فوج کشی کا زیادہ موقع ملا۔ گو اس کا زمانہ دس بارہ سال سے زیادہ نہیں تھا، لیکن اتنی مدت میں اتنی فوج کشیاں ہوئیں کہ بنو امیہ کے بعد سے اس کے زمانہ تک اس کی مثال نہیں ملتی۔ گرمائی فوجیں رومی ممالک پر ہر سال حملہ آور ہوتی تھیں۔ مہدی نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اپنے چچا عباس کو بھیجا۔ اس نے ادھر فتح کیا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۱۳) ۶۱ھ میں شامہ بن ولید

نے فوج کشی کی اور سابق میں اترا۔ میخائیل رومی اسی (۸۰) ہزار فوج کے ساتھ نکلا اور عمقِ مرہش میں بہت سے مسلمانوں کو قتل اور قید کر کے مرہش کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور میخائیل محاصرہ اٹھا کر جیجان لوٹ گیا۔ ابنِ اشیر جلد ۶، ص ۱۹) اس کے کچھ ہی دنوں بعد ۶۲ھ میں رومیوں نے اسلامی اور رومی سرحد پر حملہ کر کے اس کی شہرِ پناہ گرا دی۔ مہدی نے حسن بن قطبہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ بھیجا۔ اس نے اذرولیہ پہنچ کر رومی حدودِ سلطنت میں تاخت و تاراج کی اور سالم و غانم واپس آیا۔ اسی سنہ میں یزید بن اسید سلمی نے قالیقلا کے نواح میں حملہ کر کے تین قلعے فتح کیے۔ (ابنِ اشیر جلد ۶، ص ۱۹)

۶۳ھ میں مہدی نے خود بہ نفسِ نفیس رومیوں کے مقابلہ میں نکلنے کا ارادہ کیا۔ خراسان اور دوسری چھاؤنیوں سے تازہ دم فوجیں منگوائیں اور بغداد میں اپنے لڑکے موسیٰ ہادی کو اپنا قائم مقام بنا کر خود فوجیں لے کر نکلا اور موصل و جزیرہ ہوتا ہوا فرات کو عبور کر کے حلب پہنچا۔ یہاں زندیقوں کی بڑی تعداد تھی، ان کو جمع کر کے قتل کیا اور ان کی کتابیں تلاش کر کے ضائع کرائیں۔ اس کے بعد جیجان آیا اور یہاں سے ہارون عیسیٰ بن موسیٰ، ربیع حسن بن قطبہ، سلیمان ابنِ برمک، یحییٰ بن خالد اور دوسرے عمائد کو رومی حدود کی جانب روانہ کیا۔ انہوں نے سالو کا قلعہ فتح کیا اور بہت سی چھوٹی فتوحات حاصل کیں، لیکن کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا اور مہدی بیت المقدس ہوتا ہوا بغداد واپس آیا۔ (ابنِ خلدون جلد ۳، ص ۲۱۳ و ابنِ اشیر جلد ۶، ص ۲۰) ۶۴ھ میں عبدالکبیر بن عبد الحمید بابِ حدت کی طرف بڑھا۔ میخائیل اور طارادار منی بطریقِ نوے ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو نکلا۔ عبدالکبیر میں اس انبوہِ عظیم کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے لوٹ گیا۔ مہدی اس کمزوری پر بہت برا فروختہ ہوا اور عبدالکبیر کو قتل کر دینا چاہا، لیکن لوگوں کی سفارش سے قید کرنے پر اکتفا کی۔ ۶۵ھ میں ہارون الرشید کو تقریباً چھیا نوے ہزار فوج کے ساتھ صائفہ کا امیر بنا کر بھیجا۔ ہارون اس لشکرِ جرار کو لے کر ایشیائے کوچک میں

داخل ہوا۔ قیطا رومی مقابل میں آیا۔ یزید بن مزید نے اس کو شکست فاش دی اور اس کے کل ساز و سامان پر قبضہ کر کے دمشق رومی کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک خطیر رقم دے کر صلح کر لی۔ اس لیے ہارون اسے چھوڑ کر آگے بڑھا اور خلیج قسطنطنیہ تک بڑھتا گیا۔ اس وقت قسطنطنیہ کے تحت پرلیون کی بیوہ اپنے صغیر اسن بچے کی والیہ کی حیثیت سے حکمران تھی۔ اس نے ستر ہزار دینار سالانہ فدیہ پر صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی تھا کہ مسلمان جن جن راستوں سے گزریں وہاں وہاں رومی بازار لگائیں گے اور راہنمائی کے فرائض انجام دیں گے۔ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۱۳ و ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۰)

سندھ کی فتوحات: سندھ کے علاقہ میں بھی بعض فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۱۶۹ھ میں مہدی نے عبدالملک بن شہاب سمعی کو بحری مہم میں سندھ روانہ کیا۔ اس نے باربد (بھاڑ بھوت) کے ساحل پر لنگر انداز ہو کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی، لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں نے باربد فتح کر لیا۔ اس معرکہ میں بے شمار سندھی کام آئے اور مسلمانوں کی صرف چند جانیں ضائع ہوئیں۔ اس مہم کو سر کر کے مسلمان واپس ہو رہے تھے کہ ایرانی سواحل کے قریب ان کا بیڑا طوفان میں گھر گیا۔ بعض جہاز ٹوٹ گئے اور بہت سے مسلمان ضائع ہوئے، صرف چند جہاز صحیح و سالم واپس پہنچے۔ (ابن خلدون جلد ۳، حالات سنین مذکور و ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۱، ۲۲) طبرستان کے حاکم ونداد ہرمز اور ثروین اکثر فساد برپا کیا کرتے تھے۔ ۱۶۷ھ میں موسیٰ ہادی نے فوج کشی کر کے ان کی پوری تنبیہ کی۔

ولایت عم۔ د: سفاح نے منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا تھا۔ منصور نے اس کا نام مہدی کے بعد کر دیا تھا۔ مہدی نے بھی باپ کی تقلید میں عیسیٰ کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے ہادی کو ولی عہد بنادیا اور اس کے بعد ہارون کا نام رکھا اور اس کے بدلہ میں اس کو ایک کروڑ نقد اور بہت بڑی جاگیر عطا کی۔

پاس گیا۔ اس نے اول تو بڑی دیر انتظار کرانے کے بعد اندر آنے کی اجازت دی۔ پھر بدستور اپنی مسند پر بیٹھا رہا اور منصور کی وفات اور مہدی کی بیعت وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ دھرا دھری باتیں کرتا رہا۔ ربیع نے چھیڑنا بھی چاہا مگر معاویہ اس ذکر ہی کو نال گیا۔ ربیع کو اس کا یہ طرز عمل سخت ناگوار گزرا اور اس نے قسم کھالی کہ اپنی ساری قوت اس کے گرانے میں صرف کر دے گا۔ گو معاویہ بڑا مدبر تھا آسانی کے ساتھ اسے زیر کرنا مشکل تھا، لیکن معاویہ کی شومی قسمت سے اس کا لڑکا عبداللہ مل گیا تھا اور مہدی ملحدوں کا سخت دشمن تھا اور ان کو ڈھونڈ کر سزا دیتا تھا، چنانچہ ۱۶۶ھ میں جب ملحدوں کی ایک جماعت گرفتار ہو کر آئی تھی تو اس میں معاویہ کا لڑکا بھی تھا۔ مہدی نے اس سے کہا قرآن پڑھو۔ اس نے پڑھا ﴿تبارکت وعالموک بعظم الخلق ربیع﴾ کو موقع مل گیا۔ اس نے عبداللہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا اور مہدی کے حکم سے اس کا سر قلم کر دیا گیا، لیکن اس واقعہ کا اثر معاویہ کے عہدہ پر نہیں پڑا۔ وہ بدستور وزیر رہا۔ کچھ دنوں کے بعد ربیع نے مہدی کے بعض خادموں سے سازش کی کہ میں تم کو تیس ہزار اشرفی اس شرط پر دوں گا کہ جب ابو عبید اللہ (معاویہ) مہدی کے پاس جائے تو تم اس کی تلوار کا قبضہ پکڑے ہوئے ساتھ رہو، اگر مہدی اس پر اعتراض کرے تو کہنا کہ امیر المومنین جس کے لڑکے کو کل آپ نے قتل کیا ہو، اس کا تنہائی میں آپ کے پاس مسلح آنا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ اس تدبیر سے مہدی اس سے بدظن ہو گیا۔ (کتاب الوزراء والکتاب جہشیری ص ۶۷ تا ۱۸۰) اور گو اس وقت اس نے یہی کہا کہ مجھے ان پر ہر حال میں اعتماد ہے، لیکن دل میں بات جم چکی تھی۔ اس لیے کچھ دنوں کے بعد اس بہانہ سے کہ میں نے ابو عبید اللہ کے لڑکے کا قتل کیا ہے، اس لیے مجھے اس سے سدا مت معلوم ہوتی ہے۔ اس کو منصب وزارت سے الگ کر دیا اور وہ نہایت غم و الم کی حالت میں زندگی کے دن کاٹا ہوا ۷۰ھ میں مر گیا۔ (الفخری ص ۱۶۵ الفخری اور جہشیری کے بیان میں بعض جزئی اختلافات ہیں)

ابو عبد اللہ یعقوب: معاویہ کے بعد یعقوب بن داؤد کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ یہ بھی غلاموں کے زمرہ میں تھا۔ اس کا باپ داؤد اور اس کے دوسرے بھائی امیر نصر بن سیار، امیر خراسان کے کاتب تھے۔ ابتداء اس میں تشیع تھا اور وہ عبداللہ بن حسن کی طرف مائل تھا۔ (الفخری ص ۱۶۶) چنانچہ منصور کے زمانہ میں اس کا سارا گھراں امام ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ ابراہیم کے مارے جانے کے بعد ان کے حامیوں کے ساتھ یعقوب اور علی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے تھے۔ منصور کے بعد جب مہدی نے اپنے زمانہ میں سیاسی قیدیوں کو رہا کیا تو اس سلسلہ میں یہ دونوں بھی چھوٹے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۳)

مہدی علویوں اور سادات کی مخالفت سے گھبراتا تھا۔ اس لیے اس کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جس کو آل حسن سے تعلق رہ چکا ہو تاکہ وہ اس سے ضرورت کے وقت کام لے سکے۔ یعقوب اس کام کے لیے موزوں شخص تھا۔ اس لیے ریح کی سفارش پر مہدی نے اس کو بلایا۔ اس کی عقل و فراز نگاہ کا مہدی پر بہت اچھا اثر پڑا اور اس کو اس نے اپنے خواص میں شامل کر لیا اور رفتہ رفتہ وزارت کے منصب تک پہنچ گیا اور مہدی کے مزاج میں اتنا رسوخ حاصل کر لیا کہ کل امور مملکت پر حاوی ہو گیا۔ اس کے اقتدار نے اس کے بہت سے حاسد پیدا کر دیئے، جنہوں نے اس کو مہدی کی نگاہوں سے گرانے کی کوشش شروع کر دی۔ یعقوب کے دل میں آل حسن کی محبت برابر قائم تھی اور وہ علانیہ ان کی حمایت کرتا تھا۔ اپنے عہد وزارت میں اس نے بہت سے زیدیوں کو حکومت کے معزز عہدوں پر پہنچا دیا۔ اس سے اس کے حاسدوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے مہدی سے کہا کہ ساری سلطنت یعقوب اور اس کی جماعت کے قبضہ میں ہے۔ وہ جب چاہے ایک دن میں اسے زیر و زبر کر سکتا ہے۔ مہدی علویوں کے بارہ میں یعقوب کے جذبات سے واقف تھا۔ اس لیے اس کے دل میں یہ بات اتر گئی، چنانچہ ایک موقع پر آزمائش کے لیے اس نے یعقوب سے ایک علوی کو قتل کرنے کا وعدہ لے کر اس کے حوالہ کر دیا۔ علوی نے

کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ وہ ایک ویران عمارت کے چھانک میں گھستا چلا گیا۔ اس کی رگڑ سے پیٹھ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ ۱۲/۱۱ محرم ۶۹ھ کو انتقال کر گیا۔ (دول الاسلام جلد اول ص ۶۷ و یعقوبی جلد ۲، ص ۴۸۴) دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی لونڈی نے زہر دے دیا، یا خودکشی کے لیے اس نے خود اپنے کھانے میں زہر ملایا تھا، جسے غلطی سے مہدی نے کھالیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ایک دن خواب میں اس کو ہاتھ غیب نے دنیا کی بے ثباتی کا پیغام دیا اور اس کے دسویں دن مہدی دنیا سے چل بسا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۷) اس کا انتقال ماسبند ان کے ایک قریہ میں ہوا تھا۔ ہارون رشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک کیا گیا۔ وفات کے وقت ۴۳ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت دس سال ایک ماہ۔ مہدی اپنے ذاتی محاسن اور طریقہ حکمرانی دونوں حیثیتوں سے بہترین فرمانروا تھا۔ اس کی خوبیوں نے اس کو رعایا میں بہت محبوب و مقبول بنا دیا تھا۔ اس کا عہد عدل و انصاف، امن و سکون اور آسودہ حالی کے اعتبار سے ملک کے لیے عیش و رفاہیت کا دور تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ مظالم کے انسداد، قتل خوزریزی سے احتراز، خوف زدوں کی پشت پناہی اور داد و دہش نے مہدی کو خاص و عام میں محبوب بنا دیا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۶، ص ۲۳۳) محدث ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کا دور حکومت بڑا مبارک و مقبول تھا۔ اس کی صورت و سیرت دونوں پسندیدہ تھیں۔ رعایا میں بہت مدوح و محبوب تھا۔ (دول الاسلام ذہبی جلد اول ص ۸۳)

(۸۷)

اس کی حکومت کا آغاز بھی نیکیوں سے ہوا تھا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تخت نشینی کے ساتھ ہی منصور کے زمانہ کے جتنے قیدی تھے سب کو رہا کر دیا اور جن جن لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی گئی تھیں سب واکز ار کر دی تھیں۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۴۷۵)

تدبیر مملکت: مہدی گویش پرست تھا، لیکن امور مملکت سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ منصور کی طرح وہ بھی حکومت کے جزی سے جزی امور پر نگاہ رکھتا تھا۔ (الفخری

ص ۱۶۲) میدان جنگ میں بھی لڑتا تھا۔ اس لیے عیش پرستی کے باوجود نظام حکومت میں خلل نہ آنے پایا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷۶) روزانہ مظالم کی تحقیقات کے لیے بیٹھتا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۷) اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے ہر وقت اس کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ ﴿کان یجلس فی کل وقت لرد المظالم﴾ (الفخری ص ۱۶۱) بنو امیہ کے دور میں بیشتر انتظامی شعبہ جات ملے ہوئے تھے۔ مہدی نے ان کو الگ کر کے ان کے علیحدہ علیحدہ منتظم اور نگران مقرر کئے اور ان کا نام دیوان الازمہ رکھا۔ (نجوم الزہرہ ابن تغری بروی) اس جدید تنظیم سے بہت سے نئے شعبے اور محکمے قائم ہو گئے اور حکومت کا پورا نظام نہایت مرتب ہو گیا۔ مکہ مدینہ یمن اور بغداد وغیرہ اہم شہروں کے درمیان امنٹ اور خچروں کی ڈاک قائم کر دی اور پوری اسلامی قلمرو کے کوڑھیوں کی پرورش کا انتظام کیا۔

اخلاق و سیرت: مہدی ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی محاسن اخلاق کا مجموعہ تھا۔ منصور جتنا ہی درشت مزاج اور سخت گیر تھا۔ مہدی اتنا ہی نرم اور متحمل مزاج تھا۔ عفو و درگزر اس کی خصوصیت تھی۔ ایک ممتاز فوجی افسر بار بار غلطی کرتا تھا۔ مہدی نے کئی دفعہ اس کو فہمائش کی، لیکن وہ باز نہ آتا تھا۔ آخر میں مہدی نے اس سے کہا کہ تم کب تک غلطی کرتے رہو گے؟ اور میں کب تک معاف کرتا رہوں گا۔ اس نے کہا میں ہمیشہ بھولتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی عمر دراز کرے، وہ ہمیشہ مجھے معاف کرتے رہیں گے۔ یہ جواب سن کر مہدی شرمندہ ہو گیا اور اسے معاف کر دیا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۵۲۷)

ربیع حاجب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مہدی نے عشاء کی نماز میں کلام اللہ کی یہ آیت تلاوت کی ﴿فہل عسیم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم﴾ نماز ختم کرنے کے بعد مجھ سے کہا، ربیع! موسیٰؑ میں نے دل میں خیال کیا کون موسیٰؑ مراد ہے۔ شاید موسیٰ بن جعفر مقصود تھا، جو اس وقت میری

کیے گئے تھے) اس وقت ڈانٹ کرتے ہوئے نکلوا دیا تھا اور کہا تھا کہ مردوں کے معاملات میں عورتوں کو کیا دخل۔ تم سے اچھا سلوک تو مروان نے کیا تھا اور لاش ہمارے حوالہ کر کے مالی سلوک بھی کرنا چاہا تھا، لیکن ہم نے انکار کر دیا۔ مزہ نے کہا اللہ کی قسم ہماری یہ حالت اسی کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس حالت کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔ جیسی اس سیدہ (خیزران) کو ایسے کام پر ابھار رہی ہو جس میں ہم مبتلا ہو کر اس نوبت کو پہنچ گئے ہیں۔ تم کو چاہئے تھا کہ نیکی اور بھلائی پر آمادہ کرتیں اور برائی کے بدلہ میں برائی کرنے سے روکتیں، تاکہ اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے، وہ باقی اور قائم رہے۔ بہن زینب تم دیکھ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ بد سلوک کا ہم سے بدلہ لیا ہے۔ پھر بھی تم ہماری ہمدردی سے اجتناب برتی ہو۔ یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ خیزران دل میں بہت متاثر ہوئی، لیکن زینب کی مخالفت نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے ظاہری اخلاق نہ برت سکی اور ایک لونڈی کو اشارہ کر دیا کہ وہ چپکے سے کمرے میں لے جا کر کپڑے وغیرہ بدلوا دے۔ رات کو جب مہدی محل میں آیا تو خیزران نے یہ سارا قصہ اس کو سنایا۔ اس نے اسی وقت لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کمرہ میں جانے کے بعد مزہ کیا کہہ رہی تھیں؟ اس نے کہا امیر المومنین وہ رورور کر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ رہی تھیں۔

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا غَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾

اور اللہ نے ایسی بستی کی مثال بیان کی جو امن و چین سے تھی۔ اس کے پاس ہر جگہ سے فراغت سے رزق آتا تھا۔ پس اس نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا، اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا۔ (نحل ۱۵)

یہ سن کروہ زار زار رونے لگا اور اللہ کے حضور میں دعا کی۔ ”بار اہلہ میں زوال نعمت سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور خیزران سے کہا کہ اگر تم مزنہ کے ساتھ شرافت سے پیش نہ آئی ہو تیں تو میں تم سے کبھی نہ بولتا اور زینب پر سخت برہمی ظاہر کی اور ایک لونڈی کے ذریعہ مزنہ کے پاس سلام کے بعد یہ پیام کہا، بھیجا کہ بنت عم اس وقت تمہاری سب بہنیں میرے پاس جمع ہیں۔ ایسی حالت میں اگر میرا آنا تمہارے پاس تم کو غمزہ نہ نہ کر دیتا تو میں خود آتا۔ مزنہ اس کا مطلب سمجھ گئیں اور خود چلی آئیں۔ مہدی نے اپنے پاس بٹھایا اور دیر تک ان کے خاندان کی تباہی پر ہمدردانہ گفتگو کرتا رہا اور کہا اگر میں تمہارے خاندان میں شادی کرنا پسند کرتا تو ضرور تمہارے ساتھ شادی کر لیتا، لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو اور اپنی بہنوں (عباسی خواتین) کے ساتھ محل میں رہو جو سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ چنانچہ مزنہ کے آرام و راحت کا تمام سامان مہیا کر دیا۔ اس میں اور خاندان شاہی کی خواتین میں کوئی فرق نہ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کے برابر جاگیر بھی ان کو دے دی اور مزنہ نے راحت اور عزت و آبرو کے ساتھ اس محل میں پوری عمر گزاری۔ ہارون رشید کے زمانہ میں انتقال کیا۔ (مسعودی جلد ۲، ص ۲۲۹ تا ۲۳۴)

خوش خلقی: نہایت خوش اخلاق تھا۔ مزاج میں سختی و درشتی کا نام تک نہ تھا۔ معمولی سے معمولی انسان سے بڑی نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا۔ خطیب نے اس کی خوش اخلاقی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ بصرہ گیا، نماز ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا۔ ایک دن کسی وقت نماز میں جب اقامت ہو چکی تھی ایک اعرابی نے کہا۔ امیر المومنین میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے غسل کی ضرورت ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو حکم دیجئے کہ میرا انتظار کریں۔ مہدی محراب میں کھڑا ہو چکا تھا، لیکن اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک اعرابی نہ آ گیا۔ اس خوش اخلاقی پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ (خطیب جلد ۵،

ص ۴۰۰) غرض وہ خوش خلقی اور حسن اخلاق کا نمونہ تھا۔

حرمین کی خدمت: اپنے زمانہ میں اس نے حرمین کی بڑی خدمت کی۔ ۱۶۰ھ میں خانہ کعبہ کی عمارت میں توسیع کرائی۔ (تاریخ مکہ از رتی جلد ۱ ص ۱۷۶، ۱۷۷) اس کے چاروں طرف رواق تعمیر کرائے اور ان میں سنگ رخام کے ستون لگوائے۔ (دول الاسلام ذہبی جلد ۱ ص ۸۳) کعبہ کے پرانے غلافوں کو اتروا کر اس کی دیواروں پر مشک و عنبر ملوایا اور قباطی، خز اور دیبا کے تین غلاف چڑھائے۔ (تاریخ مکہ از رتی ص ۱۷۶) اسی زمانہ میں مسجد نبوی کی عمارت میں ترمیم و توسیع اور اس کی آرائش کرائی۔ شامی رخ پر عمارت میں سو ہاتھ کا اضافہ کیا اور سنگ رخام کے دس نئے ستون لگوائے اور پوری عمارت کو نقش و نگار سے آراستہ کرایا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۱۴۳، ۱۴۴) ان کے علاوہ مکہ کا راستہ درست کرایا۔ یہاں بہت سی نئی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ حوض بنوایا، بغداد، مکہ مدینہ اور یمن کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۴) حرمین کے باشندوں میں کئی کروڑ نقد اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کیے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ حرمین کے باشندوں کی اتنی خدمت کسی نے نہ کی تھی۔ (دول الاسلام جلد اول ص ۸۳)

دوسری تعمیرات: حرمین کے علاوہ مہدی نے اور بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اپنے قیام گاہ رصافہ میں ایک محل تعمیر کرایا۔ بصرہ کی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ عیسیٰ آباد میں نکسال کی عمارت تعمیر کرائی۔ رومیوں کے تاخت و تاراج کو روکنے کے لیے حدت کی سرحد کو مستحکم کرایا۔

علمی حیثیت: علمی اعتبار سے مہدی کوئی امتیازی درجہ نہ رکھتا تھا، لیکن اس کی تعلیم و تربیت اچھی ہوئی تھی اور اسے اہل علم کی صحبت مرغوب تھی۔ تادب و جالس العلماء (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۵) شاعری کا سہرا ذوق رکھتا تھا۔ خود بھی شعر کہتا تھا۔ سیوطی نے اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ حدیث میں بھی درک رکھتا تھا۔ اپنے والد اور مبارک بن فضالہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۵) ارباب علم کا بڑا قدر دان تھا اور ان کی

خدمت سعادت سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ قاضی شریک اس کے پاس آئے اس نے کہا تین باتوں میں سے ایک بات آپ کو قبول کرنا پڑے گی۔ یا عہدہ قضا قبول کیجئے یا میری اولاد کی تربیت کا فرض انجام دیجئے اور ان سے حدیث بیان کیجئے یا میرے ساتھ ایک لقمہ کھا لیجئے۔ شریک نے تھوڑی دیر غور کرنے پر آخری صورت منظور کر لی۔ مہدی نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان کی دعوت کی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۸)

مشہور محدث سفیان ثوری امراء و سلاطین سے بہت گھبراتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی طرح مہدی کے دربار میں لائے گئے، لیکن کسی قسم کے شاہی آداب نہیں برتے۔ محض السلام علیکم پر اکتفا کی۔ مہدی نے خوش طبعی کے طور پر کہا۔ آپ مجھ سے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب تو آپ میرے قبضہ میں ہیں جو حکم چاہوں دے دوں۔ سفیان ثوری نے جواب دیا، جو حکم تم میرے بارے میں دو گے وہی حکم قادر مطلق تمہارے بارے میں دے گا۔ جو حق و باطل کا فیصلہ کر دے گا۔ اس جواب پر صاحب شاہی رنج نے ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے اور تلووار اٹھانے کی اجازت چاہی۔ مہدی نے اس کو ڈانٹا اور کہا ایسے بزرگوں کو قتل کر کے ان کی خیر و برکت سے محروم ہو جائیں اور اسی وقت کوفہ کے عہدہ قضا کا پروانہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا اور یہ بھی آزادی دے دی کہ ان کے فیصلوں میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی۔ سفیان نے یہ پروانہ تولے لیا، لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد اس کو چاک کر کے دجلہ میں پھینک دیا اور کہیں روپوش ہو گئے۔ مہدی نے بہت تلاش کرایا، لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ (مروج الذهب جلد ۶، ص ۲۵۷، ۲۸۵)

ایک مرتبہ مہدی کا ایک لڑکا قاضی شریک کی خدمت میں حاضر ہوا اور ٹیک لگا کر ان سے حدیث پوچھی۔ شریک نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔ شریک نے پھر کوئی توجہ نہ کی۔ لڑکے نے کہا آپ خلفاء زادوں کی توہین کرتے

ص ۲۷۶) نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا۔ سفر میں بھی نماز پنجگانہ جامع مسجد میں ادا کرتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۱)

خشیمت اللہ سی: اس کا دل خشیت الہی سے لبریز تھا۔ مزہ کی حالت سن کر اس کی گریہ زاری اور اللہ کے حضور میں اس کی عاجزانہ دعا کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ حسن الوصیف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہوا کا اتنا سخت طوفان آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ حشر پیا ہو جائے گا۔ میں امیر المؤمنین کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا تو وہ رخساروں کو فرش خاک پر رکھے دعا میں مصروف ہیں کہ ”الہی امت کی حفاظت کرا الہی ہمارے دشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔ اگر میرے گناہوں کی پاداش میں تو نے عالم کو پکڑا ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۵۳۰، ۵۳۱)

محبت رسول ﷺ: مہدی کو ذوات نبوی ﷺ سے اتنی عقیدت تھی کہ آپ کی جانب کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر اس کے پاس لایا اور کہا کہ یہ حضرت محمد ﷺ کی نعل مبارک ہے۔ آپ کی خدمت میں ہدیہ کے لیے لایا ہوں۔ مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور لانے والے کو دس ہزار درہم عطا کیا اور اس کے واپس جانے کے بعد حاضرین سے کہا، میں جانتا ہوں کہ اس جوتے پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ بھی نہیں پڑی، پہننا تو بڑی بات ہے، لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے لے لیا کہ وہ شخص کہتا پھرتا کہ میں امیر المؤمنین کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جوتا لے گیا اور انہوں نے واپس کر دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۵، ص ۳۹۴)

فیاضی: عباسی خلفاء کی تاریخ میں اس سے زیادہ فیاض، دریا دل، بلکہ مسرف دوسرا نہ تھا۔ منصور اپنے زمانہ میں انتہائی کنایت شعاری سے کام لے کر بڑی دولت چھوڑ گیا تھا۔ مسعودی کے بیان کے مطابق جواہرات کے علاوہ خزانہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ اشرفیاں اور ساٹھ کروڑ درہم تھے۔ مہدی نے چند دنوں میں یہ ساری دولت اڑا

دی۔ آخر میں خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور ابو حارثہ خزانچی نے کنجیاں لاکر اس کے سامنے ٹپک دیں کہ خالی خزانہ کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے۔ (مسعودی جلد ۶، ص ۲۳۳)

اس کی نگاہ میں دولت کی کوئی وقعت ہی نہ تھی۔ بات بات پر روپیہ کی بارش کرتا تھا۔ اس کی فیاضی کے واقعات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ جب منصور کا خزانہ اور اس کے ذخیرے مہدی کے قبضہ میں آئے تو جس قدر مال ظلم و زیادتی سے حاصل کیا گیا تھا، سب واپس کر دیا گیا۔ اپنے اعزہ و اقرباء اور دوسرے معززین میں دولت تقسیم کی۔ اپنے خاندان والوں کافی کس پانچ سو ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور دس دس ہزار یکشت دیئے۔ (تاریخ خطیب جلد ۵، ص ۳۹۳) رنج حجب کا بیان ہے کہ آخری اموی فرمانروا مروان بن محمد کا جو توشہ خانہ عباسیوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس کو منصور نے ایک دن کھولا تو اس میں صرف ریشم کے تھانوں کی بارہ ہزار گانٹھیں نکلیں۔ منصور نے ایک تھان نکال کر مجھے دیا کہ اس میں ایک جبہ میرا اور ایک مہدی کا بنا دو۔ میں نے کہا اس میں دو جے نہیں ہو سکتے۔ اس نے کہا تو پھر میرا ہی جبہ اور ٹوپی قطع کر دو اور مہدی کے لیے دوسرا تھان دینا گوارا نہ کیا اور جب مہدی کے قبضہ میں یہ توشہ خانہ آیا تو اس نے خادموں اور غلاموں میں اس کو تقسیم کر دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۵، ص ۳۹۳) ایک ایک شاعر کو اس نے پچاس ہزار اشرفیاں دیں۔ (دول الاسلام ذہبی جلد ۱، ص ۸۷) اسی سے دوسرے مصارف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خطیب نے اس کی داد و دیش اور غلط بخششوں کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو خطیب جلد ۵، ص ۳۹۱ و ما بعد)

عیش پرستی: ان خوبیوں کے ساتھ وہ بڑا عیش پرست اور رنگین مزاج تھا۔ اس کا محل حسین عورتوں کا جمالستان تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس عیش پرستی کے باوجود وہ امور مملکت سے کبھی غافل نہ ہوا اور اس کے لیے ایوان عیش کی رنگینیاں اور میدان

کارزار کی ہولناکیاں دونوں یکساں دلچسپ تھیں۔ وہ عیش بھی کرتا تھا اور امور مملکت پر بھی نگاہ رکھتا تھا اور میدان جنگ میں بھی نکلتا تھا۔ اسی لیے اس کا زمانہ ہر حیثیت سے کامیاب رہا۔

موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی

(۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء ع)

مہدی کے بعد اس کا لڑکا موسیٰ تخت نشین ہوا۔ یہ ایک ام ولد خیزران کے وطن سے تھا۔ مہدی کا انتقال سفر کی حالت میں ماسہندان میں ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت ہادی بھی دارالخلافہ سے دور جرجان کی مہم میں مشغول تھا۔ یحییٰ بن خالد برکی اور ہارون نے جو سفر میں مہدی کے ساتھ تھے۔ عصا اور خاتم خلافت ہادی کے پاس بھجوا دی اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہادی کی بیعت لے لی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ماسہندان ہی میں بیعت لی گئی اور بعض لکھتے ہیں کہ ہادی کے بغداد آنے کے بعد یہاں عام بیعت ہوئی اور صفر ۱۶۹ھ میں وہ مسند خلافت پر بیٹھا اور رجب کو منصب وزارت پر سرفراز کیا۔ اس وقت ہادی کا پچیسواں سال تھا۔

حسین بن علی کا خروج اور قتل: ہادی کے خلیفہ ہونے کے بعد ہی حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مدینہ میں خروج کیا۔ اس کی تیاری وہ پہلے سے کر رہے تھے اور عراق کے شیعان علی ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مجتمع ہو چکے تھے۔ ایک واقعہ سے ان کو میدان میں آنے کا بہانہ مل گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب حاکم مدینہ نے حسن بن محمد مسلم بن جندب ہذلی اور عمر بن سلام کو نبیز نوشی کے جرم میں سزا دی اور ان کی تشہیر کرانی۔ حسین بن علی کو معلوم ہوا تو وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے اور کہا، علمائے عراق نبیز کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس لیے تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کا حق نہیں ہے۔ ان کے اس اعتراض پر عمر بن عبدالعزیز نے نبیز پینے والوں کو قید کر دیا، پھر حسن بن محمد کو

حسین بن علی کی ضمانت پر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ وہ اطمینان کے لیے ان کو وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہیں گے، مگر یہ شرط پوری نہ ہو سکی اور حسن بن محمد کہیں غائب ہو گئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے حسین بن علی اور یحییٰ بن عبداللہ کو بلا کر باز پرس کی۔ انہوں نے کہا وہ تو کہیں غائب ہو گئے۔ عمر نے اس جواب پر سخت الفاظ استعمال کیے۔ یحییٰ کو بھی غصہ آ گیا۔ انہوں نے جھلا کر کہا کہ ”جب تک تمہارے سامنے ان کو پیش نہ کر دوں گا، اس وقت تک نہ سوؤں گا اور ان کو لا کر تمہارا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ ان کے واپس آنے کے بعد حسین نے یحییٰ سے پوچھا کہ تم نے اتنی بڑی ذمہ داری کیوں لے لی۔ تمہیں حسن کہاں ملیں گے؟ تم نے ایسی چیز کے متعلق حلف لیا ہے جو تمہارے بس سے باہر ہے۔ یحییٰ نے کہا میں نے صحیح حلف لیا ہے، میں تلواروں سے اس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ ان کی جماعت پہلے سے تیار تھی۔ خروج کا وقت بھی مقرر ہو چکا تھا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۵۵۲، ۵۵۳) چنانچہ ایک دن انہوں نے دارالامارۃ کا محاصرہ کر لیا اور قید خانے توڑ کر قیدی نکال لیے۔ (الفخری ص ۱۷۳) عمر بن عبدالعزیز نے مقابلہ کیا مگر اس کو شکست کھا کر پسا ہوا پڑا۔ حسین کے ساتھیوں نے بیت المال کو لوٹ لیا اور مدینہ میں عام ہنگامہ مچا ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے اپنے گھر بند کر لیے۔ یہ ہنگامہ مدینہ ہی تک محدود تھا، پھر حسین مکہ پہنچے اور اعلان کر دیا، ”کہ جو غلام ہمارے ساتھ آ جائے گا وہ آزاد ہے، اس اعلان پر غلاموں کی بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۳۰، ۳۱)

آخر میں بڑی مشکلوں سے محمد بن سلیمان اور سلیمان بن منصور نے مقام فتح میں حسین کو شکست دی اور ان کا سر قلم کر کے ہادی کے سامنے پیش کیا۔ سر دیکھ کر وہ بہت برہم ہوا اور کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ کسی طاغوت کا سر لائے ہو۔ اس کا کم سے کم بدلہ یہ ہے کہ تم کو کچھ نہ دیا جائے۔ (الفخری ص ۱۷۲) مسعودی کا بیان ہے کہ ہادی سر کو دیکھ کر رویا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی ترک یا وایلم کا سر لائے ہو۔ یہ عترت

رسول ﷺ کا سر ہے۔ اس کا کترین بدلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی صلہ نہ دیا جائے۔ (مروج
الذہب جلد ۶، ص ۲۶۷) حسین بن علی کی شہادت کے بعد ان کے ماموں اور لیس
بن عبد اللہ بن حسن بھاگ کر مغرب پہنچے۔ فارس کے باشندوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ
لیا اور وہ یہاں مقیم ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد انہیں دانتوں کے درد کی شکایت
ہوئی۔ مہدی کے ایک غلام اور لیس شامخ نے جو اور لیس بن عبد اللہ کو دھوکہ دینے کے
لیے ان کے اتباع میں داخل ہو گیا تھا، منجن میں زہر دے دیا۔ اس کے اثر سے وہ مر
گئے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ہادی کے بعد ہارون رشید کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش
آیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے اور لیس ان کے جانشین ہوئے، جنہوں نے
بعد میں اور لسی سلطنت قائم کی۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۲۸۸، ابن اثیر جلد ۲، ص ۳۱)

حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت: ابھی علویوں کا ہنگامہ فرو ہوا تھا
کہ حمزہ بن مالک خزاعی خارجی نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ یہاں کے حاکم
منصور بن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں۔ موصل کے علاقہ میں دونوں
کا مقابلہ ہوا۔ حمزہ نے شکست دے کر منصور کی فوج کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا، لیکن
پھر کچھ ہی دنوں کے بعد دو آدمی اس کے ساتھ جا کر رہنے لگے اور دھوکے سے قتل کر
دیا۔ (ابن اثیر جلد ۲، ص ۳۱)

رومیوں سے معرکہ آرائی: ہادی کا زمانہ بہت مختصر تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ میں
بیرونی مہمات کا زیادہ موقع ہی نہ ملا تھا۔ البتہ رومیوں نے حدیثہ پر حملہ کر کے قبضہ کر
لیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۶۹ھ میں معیوف بن یحییٰ نے انہیں نکال کر حدیثہ
کو واپس لے لیا اور رومی علاقہ میں آشنہ تک بڑھتا چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۲، ص ۳۱)

ولایت عہد: ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا۔ ۷۰ھ میں ہادی نے اپنے اسلاف
کی تقلید میں ہارون کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے جعفر کو ولی عہد بنانا
چاہا۔ افسران فوج بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے اپنی پوری جماعت کو ہارون کی

مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ اس سے ہادی کو بڑی تقویت ہوئی، چنانچہ اس نے ہارون پر دست برداری کے لیے زور ڈالنا شروع کیا اور اس کو ملکی صلاح و مشورہ سے خارج کر دیا۔ یحییٰ بن خالد مہدی کے زمانہ سے ہارون کا اتالیق اور مشیر کا تھا۔ ہارون کے مخالفین نے ہادی کو سمجھا دیا کہ ہارون کبھی آپ کے فیصلہ کی مخالفت نہ کرتا، یحییٰ اس کو بھڑکاتا ہے۔ ہادی نے یحییٰ سے باز پرس کی۔ اس نے کہا مہدی کے بعد آپ ہی نے مجھ کو ہارون کی خدمت کا حکم دیا تھا۔ اس لیے میں صرف حکم بجالاتا تھا۔ اس جواب پر ہادی کا غصہ کم ہوا اور اس نے ہارون کو ولی عہدی سے خارج کرنے کے بارہ میں یحییٰ سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا اگر آج امیر المومنین مہدی کے نامزدہ کردہ ولی عہد کو لوگوں کے کہنے سننے سے ولی عہدی سے خارج کر دیں گے تو کل ان کے لیے امیر المومنین کے نامزد کردہ ولی عہد کا علیحدہ کر دینا بھی آسان ہوگا۔ ہاں اگر آپ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد بنانا چاہیں تو یہ ولی عہدی زیادہ پائیدار ہوگی۔ بات معقول تھی۔ ہادی کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو، لیکن افسران فوج اور اس کے ہم خیال جماعت نے پھر ہادی کو بھڑکادیا، چنانچہ اس نے یحییٰ کو قید کر دیا۔ یحییٰ نے قید خانے سے کہا، بھیجا کہ امیر المومنین سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ہادی نے اجازت دے دی۔ اس نے آ کر کہا، اگر نصیب اعداء امیر المومنین کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو کیا امیر المومنین کو اس کی امید ہے کہ لوگ نابالغ شہزادے جعفر کی خلافت قبول کر لیں گے؟ اور وہ نماز حج اور جہاد وغیرہ میں ان کی امارت پسند کریں گے؟ ہادی نے کہا اس میں تو ضرور شبہ ہے۔ یحییٰ نے کہا ایسی صورت میں کیا آپ یہ خطرہ نہیں محسوس کرتے کہ آپ کے بعض بزرگ اہل خاندان خلافت کے مدعی ہو جائیں اور یہ شرف آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد سے ان میں منتقل ہو جائے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر امیر المومنین مہدی ہارون کو ولی عہد نہ بھی بنا گئے ہوتے تو بھی آپ کا یہ فرض نہ تھا کہ آپ خود ان کو ولی عہدی سے خارج کر رہے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہارون کی ولی عہدی برقرار رکھیے۔ جعفر کے بلوغ کے بعد میں خود ہارون کو لا کر دست بردار کرادوں گا۔ ہادی

نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور یحییٰ کو رہا کر دیا گیا، لیکن افسران فوج نے پھر اس کو مذہب کر دیا اور اس نے ہارون کو بلا بھیجا یہ آیا مگر پھر شکار کے بہانہ سے واپس چلا گیا۔ ہادی ہارون سے اتنا بدگمان ہو رہا تھا کہ پھر اس کو طلب کیا۔ اس مرتبہ اس کو آنے میں تا مل ہوا، مگر ہادی نے اس پر اتنا زور ڈالا کہ مجبور ہو کر واپس آنا پڑا، لیکن ہارون کی خوش قسمتی سے اس کی واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد ہادی کا وقت آخر ہو گیا اور اس کو کسی عملی کارروائی کا موقع نہ مل سکا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۳۰۳۱)

وزارت: ہادی کا سب سے پہلا وزیر رقیع بن یونس تھا اور اس کی وزارت کا زمانہ بہت مختصر تھا۔ وزارت کے چند ہی دنوں بعد وہ مر گیا۔ اس کے بعد ابراہیم بن زکوان حرانی وزیر ہوا۔ یہ ہادی کی طالب علمی کے زمانہ میں اس کے استاد کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ اس لیے ہادی اس سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ بغیر اس کے اس کو چین نہ آتا تھا، لیکن مہدی ہادی سے اس کا مانا جتنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیے ہادی کو منع کر دیا تھا۔ لیکن وہ نہ مانا اور ابراہیم کو برابر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ مہدی نے آخر میں یہاں تک دھمکی دی کہ اگر تم فوراً ابراہیم کو میرے پاس نہ بھیج دو گے تو میں تم کو ولی عہدی سے خارج کر دوں گا۔ اس لیے ہادی نے مجبور ہو کر اس کو مہدی کے پاس بھجوادیا، لیکن احتیاط کے خیال سے اپنے آدمی ساتھ کر دیئے۔ مہدی ابراہیم پر سخت برہم ہوا اور کہا میں تجھے قتل کر کے رہوں گا، مگر ابراہیم کی خوش قسمتی سے اس وقت مہدی شکار کے لیے پاہر کا ب تھا، اس لیے ابراہیم کو آدمیوں کے سپرد کر کے چلا گیا اور پھر اس کو زندہ واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ (الفخری ص ۱۷۴) اور ہادی کی تخت نشینی کے بعد ابراہیم منصب وزارت پر فائز ہوا۔

وفات: ابھی ہادی کو تخت نشین ہوئے کل سو سال ہوا تھا کہ پیام اجل آپہنچا اور رقیع الاول ۷۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ طبعی موت مرا اور دوسری یہ ہے کہ خود اس کی ماں خیزران نے مروا ڈالا۔ اس کے دو اسباب بیان کیے جاتے

ہیں۔ ایک یہ کہ خیزران اپنے شوہر مہدی کے زمانہ میں امور مملکت پر بہت حاوی تھی۔ یہی طریقہ اس نے ہادی کے زمانہ میں بھی قائم رکھنا چاہا، وہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو چرخہ تلاوت قرآن اور تسبیح سے کام رکھنا چاہیے۔ آپ کیوں امور مملکت میں دخل دیتی ہیں، مگر وہ نہ مانی اور جب ہادی نے سختی سے روکنے کی کوشش کی تو اس نے اس کا کام تمام کرا دیا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے دست برداری پر مجبور کرنا شروع کیا اور اسے دھمکایا تو خیزران نے ہادی کی عداوت اور دوسرے بیٹے کی محبت میں اسے ختم کرا دیا، لیکن یہ آخری روایت لائق اعتماد نہیں۔ ابن خلدون بھی اس روایت کو کمزور سمجھتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۱۷ و ابن اثیر جلد ۶، ص ۳۳ و تاریخ الخلفاء ص ۲۸۳) عیسیٰ آباد کے باغ میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت کل ۲۶ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ایک سال تین مہینے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہادی اور اس کی ماں کے تعلقات کشیدہ تھے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس نے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا، صحیح نہیں ہے۔ اس نے ماں کو صرف امور مملکت میں مداخلت کرنے سے روکا تھا، لیکن ماں کی عظمت و محبت میں فرق نہیں آنے دیا، جس کی تصدیق خود اس کے مرض الموت کے بیان سے ہوتی ہے۔ جب اس کا وقت آخر ہوا تو ماں کو غفو و تقصیر کے لیے بلا کر کہا کہ میں نے سیاست ملکی کی بنا پر آپ کو امور مملکت میں دخل دینے سے روکا تھا۔ شرعی احکام کی بجا آوری اور نیک کاموں سے نہیں روکا تھا۔ میں آپ کا نافرمان نہیں ہوں، بلکہ حق شناس اور اطاعت گزار فرزند ہوں۔ (مروج الذہب مسعودی)

اوصاف: ہادی جملہ اوصاف جہاں بانی سے متصف تھا۔ ابن طقطقی لکھتا ہے کہ ہادی بیدار مغز، غیور، فیاض، جری، بہادر، سخت گیر، مجتمع الحواس اور عزم و ہمت کا فرمازا تھا۔ (الفخری ص ۱۷۱) سیوطی کا بیان ہے کہ وہ بڑے دبدبہ اور جبروت کا خلیفہ تھا۔ جب وہ نکلتا تھا تو عصا بردار اور سپاہی اس کے آگے آگے ننگی تلواریں اور کچھی

ہونی کمائیں لے کر چلتے تھے۔ اس کے عمال نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس لیے اس کے زمانہ میں اسلحہ عام ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۳) پرائیویٹ صحبتوں میں وہ بہت بے تکلف رہتا تھا، لیکن دربار میں آتے ہی رنگ بدل جاتا تھا۔ اس کے رضاعی بھائی حسین بن معاذ بن مسلم کا بیان ہے کہ پرائیویٹ صحبتوں میں میرے دل میں ہادی کی مطلق ہیبت نہ ہوتی تھی اور میں اس کو پچھاڑ کر زمین پر پٹک دیتا تھا، لیکن جب وہ درباری لباس پہن کر ایوان شاہی میں آتا اور میں اس کی پشت پر کھڑا ہوتا تو پھر میں اپنے کو اس کے خوف و ہراس اور ہیبت سے نہیں روک سکتا تھا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۵۵۶)

ہادی بھی باپ کی طرح عیش پرست اور مذہب میں تشدد اور ملحدوں اور زندیقوں کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس نے بھی ان کی بڑی تعداد قتل کی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۸۲) مانی مذہب کا خاص طور سے بڑا دشمن تھا، چنانچہ اس کو اس نے مٹانے کی بڑی کوشش کی، اگر کچھ دنوں وہ اور زندہ رہ گیا ہوتا تو اس مذہب کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ (طبری جلد ۱۰، ص ۵۵۸)

ذات نبوی ﷺ سے محبت و عقیدت: آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے خاص عقیدت و محبت تھی۔ ایک مرتبہ ابو الخطاب سعدی شاعر مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا جب یہ شعر سنایا۔

﴿یا خیر من عقدت کفاه حجزتہ وخیر من قلوته امرہا مضر﴾
تو ہادی نے فوراً ٹوکا کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ کا بھی استثناء نہ تھا۔ ابو الخطاب سمجھ گیا اور برجستہ یہ شعر پڑھا:

﴿الا النبی رسول اللہ ان له فضلا وانت بذالک الفضل تفتخر﴾
ہادی نے کہا اب تم نے درست کہا اور پچاس ہزار درہم عطا کیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے قبیلہ قریش کو برا بھلا کہا۔ اس سلسلہ میں ذات پاک نبوی ﷺ کے متعلق بھی گستاخی کی۔ وہ ہادی کے سامنے لایا گیا۔ اس نے علماء و فقہاء کو جمع کر کے اس کے متعلق فتویٰ لیا اور کہا اس کی سزا کے لیے قریش ہی کی اہانت کافی تھی نہ کہ اس اللہ کے دشمن نے رسول پاک ﷺ کو بھی اس میں شامل کر لیا، چنانچہ اس کا سر قلم کرا دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۳ ص ۲۳)

ہادی کی علمی استعداد بھی اچھی تھی۔ سیوطی کا بیان ہے:

﴿كان فصيحاً قادراً على الكلام ادبياً﴾ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲)

رعایا نوازی: رعایا پروری میں بھی وہ باپ کے نقش قدم پر تھا۔ اس کی سہولت اور دادرسی کے لیے اس نے فضل بن ریح کو حکم دیا تھا کہ کسی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکو۔ اس سے برکت جاتی رہتی ہے اور میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ نہ پیش کرو جو تحقیقات کے بعد غلط نکلے کہ یہ حکمران اور رعایا دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۵۸۵)

فیاضی: فیاضی اور دریا دلی بھی باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ طبری اور خطیب نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو خطیب حوالہ مذکور)

ہارون بن مہدی الملقب بہ رشید

(۷۷۰ھ تا ۱۹۳ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء)

ہارون ہادی کا حقیقی بھائی اور خیزران کے لڑکے تھے۔ ہادی کی وفات کے بعد اس کی بیعت ہوئی اور ریح الاول ۷۰ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن اور خیر خواہ یحییٰ بن خالد برکی کو منصب وزارت پر سرفراز کیا۔ ہارون الرشید کا عہد دولت عباسیہ کا اوج شباب تھا۔ اس نے مسند نشینی کے پہلے سال حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حریم کے باشندوں پر انعام و

اکرام کی بارش کی اور آل علی پر سے قید و بند اٹھا کر ان کو مدینہ میں سکونت کی اجازت دی۔
یحبیٰ بن عبد اللہ کا خروج: ہارون کے زمانہ میں ملک کے مختلف حصوں میں
شورشیں نمایاں ہوئیں، لیکن اس نے بروقت ان کا تدارک کیا اور کوئی انقلاب نہ ہونے
پایا۔ ۷۶ھ میں نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے
دہلم میں خروج کیا۔ مشرقی ملکوں کے بہت سے باشندے ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے
ہوئے اور چند دن میں ان کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ ہارون الرشید کو فضل بن یحییٰ برکی کو ان
کے مقابلہ میں مامور کرنا پڑا۔ برکی خاندان اہل بیت کا ہمدرد تھا۔ اس لیے فضل نے لڑنے
کے بجائے حسن تدبیر سے یحییٰ کو صلح پر آمادہ کر لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ خود ہارون ان کو
امان لکھ کر دے گا۔ جس میں قضاۃ فقہاء اور عمائد بنو ہاشم کے دستخط ہوں گے۔ ہارون نے
یہ تمام شرطیں مان لیں اور انعام و اکرام سے بھی نوازا، لیکن آخر میں قید کر دیا اور یحییٰ نے
قید ہی میں انتقال کیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۴۱ و الفخری ص ۱۷۶)

دمشق کے مضری لور یمنی قبائل میں جنگ: اسی سنہ میں دمشق کے
یمن اور مضر کے قبائل میں عصبیت کی پرانی آگ بھڑک اٹھی اور دونوں میں سخت کشت
و خون شروع ہو گیا۔ دمشق کے حاکم عبدالصمد بن علی نے صلح کرانے کی کوشش کی، لیکن یمنی
تیار نہ ہوئے اور فریقین کے سینکڑوں آدمی قتل ہوئے۔ اس لیے ہارون نے عبدالصمد کے
بجائے ابراہیم بن صالح کو دمشق کا حاکم بنایا، لیکن پھر بھی اس فتنہ کو دبانے میں ناکام رہا اور
دو سال تک مسلسل خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ یہ صورت دیکھ کر ہارون نے ابراہیم کو بھی ہٹا
کر موسیٰ بن عیسیٰ کو دمشق کا حاکم اور ایک سندھی کو فوج کا سپہ سالار بننا کر بھیجا۔ ان دونوں نے
بڑی مشکل سے اس فتنہ کو فرو کیا اور اس کا سر غنہ ابو الہندام باختلاف روایت قتل کیا گیا، یا نکل
بھاگا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر شورش کے آثار نمودار ہوئے، لیکن جعفر بن یحییٰ کے حسن تدبیر
سے ابھرنے نہ پائی۔ یمنی اور مضری قبائل کی عصبیت بہت پرانی تھی اس سے مسلمانوں کو
بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اموی حکومت کے زوال کے اسباب میں ایک سبب ان دونوں قبیلوں

کی عصبیت اور جنگ بھی تھی، جو عباسی حکومت کے لیے بھی مضر تھی۔ یہ کشمکش محض حصول امتیاز کے لیے تھی۔ مضری بنی اسماعیل تھے اس لیے وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں عرب کا مرجع رہے۔ زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی تولیت اسی خاندان میں رہی۔ پھر ظہور اسلام کے بعد نبوت و خلافت وغیرہ سے بھی یہی خاندان سرفراز رہا۔ اس لیے وہ یمنیوں کے مقابلہ میں اپنے کو معزز سمجھتے تھے اور یمنیوں کو گویہ امتیازات حاصل نہ تھے، لیکن وہ عرب کا قدیم اور تاریخی خاندان تھا، جو صدیوں تک حکومت اور تمدن کا وارث رہا تھا۔ اس لیے وہ اپنے کو بنی اسماعیل سے کم نہ سمجھتا تھا۔ ہارون رشید نے اس رقابت کو بڑے حسن تدبیر سے ختم کر کے دونوں قبائل کے معززین و سرداروں کو بلا کر ان کی دعوت کی اور ان کو اس ترتیب سے بٹھایا کہ پہلے داہنی جانب ایک مضری سردار کو جگہ دی اور بائیں جانب یمنی کو، پھر دونوں جانب ہر مضری یمنی کے بعد ایک ایک مضری اور یمنی کو اس ترتیب سے بٹھانے کے بعد تقریر کی کہ ”اللہ عزوجل نے قریش کو عرب کے درمیان میزان بنایا ہے اور مضری میں ان کا دایہال اور یمن میں ما نہال بنایا۔ اس لیے جو قریشی بھی یمن کے مقابلہ میں تعصب سے کام لیتا ہے، وہ جہالت کرتا ہے۔ مضریو! میں اس دعویٰ میں تمہارے ساتھ ہوں کہ جب تم اپنے یمنی بھائیوں کے ساتھ کسی کام کے لیے نکلو تو امیر تمہارا ہو اور یمنیو! میں اس قول میں بھی تمہارے ساتھ ہوں کہ جب میں نے ہر مضری کے پہلو میں یمنی کو اور ہر یمنی کے پہلو میں مضری کو بٹھایا ہے تو مضری کو یمنی پر تقدم حاصل نہیں ہوا۔ مضریہ کہیں گے کہ داہنے جانب اور یمنی کو بائیں جانب بٹھایا گیا ہے اور دائیں سمت بائیں سے افضل ہے، جو ہمارے تقدم کی دلیل ہے، لیکن کل یمنی سرداروں کو داہنے جانب اور مضری سرداروں کو بائیں جانب بٹھایا جائے گا اور دونوں کی نشستیں آئندہ بدلتی رہیں گی۔ ہارون الرشید کی اس تقریر کا دونوں قبائل پر بہت اچھا اثر پڑا اور دونوں مطمئن ہو گئے۔ (شام کے مشہور فاضل کرد علی نے یہ واقعہ اپنی کتاب الاسلام والحصار العربیہ میں نقل کیا ہے۔ غالباً کسی قلمی یا کیا ب مطبوعہ کتاب سے لیا ہے۔ کتاب مذکور جلد ۲، ص ۲۱۲)

سندھ میں شورش: دمشق کا فتنہ فروہی ہوا تھا کہ سندھ کے یمنی اور مضرى قبائل میں جنگ شروع ہوگئی۔ ہارون نے یکے بعد دیگرے کئی حکام بھیجے، لیکن سب ناکام رہے اور کئی سال تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ ۸۴ھ میں داؤد بن حاتم مہلبی کو بھیجا گیا۔ اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو مامور کیا۔

اس وقت مضرىوں نے سندھ پر قبضہ کر کے یمنیوں کو یہاں سے نکال دیا تھا۔ اس لیے جب مغیرہ منصورہ پہنچا تو مضرى مزاحم ہوئے، لیکن پھر اس شرط پر اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی کہ وہ مضر کے ساتھ تعصب نہ برتے گا اور جو لوگ یہاں سے نکلنا چاہیں انہیں روکا نہ جائے گا۔ مغیرہ نے منظور کر لیا اور بہت سے مضرى منصورہ چھوڑ کر چلے گئے، لیکن منصورہ میں داخل ہونے کے بعد مغیرہ نے معاہدہ کے خلاف مضرىوں پر سختی شروع کر دی۔ انہوں نے بھی مقابلہ کیا اور مغیرہ کو شکست کھا کر منصورہ چھوڑ دینا پڑا۔ داؤد بن یزید کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود منصورہ پہنچا اور مضرىوں کو بے دریغ قتل کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اور شہروں کو ان سے چھڑا کر سندھ میں ان کا زور توڑ دیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۹۴)

دوسری مختلف بغاوتیں: ۷۷ھ میں موصل میں ایک شخص عطف نے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور دو سال تک قابض رہا۔ ہارون نے اس کے مقابلہ میں بہ نفس نفیس فوج کشی کر کے اس کو شکست دی اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے شہر پناہ توڑوا دی۔ ۷۸ھ میں مصر میں قیس اور قضاہ کے قبائل میں بغاوت پھیلی۔ یہاں کے حاکم اسحاق بن سلمان نے مقابلہ کیا اور ہرثمہ بن اعین والی فلسطین نے مطیع بنالیا۔

ولید خارجی کا قتل: اسی سنہ میں ولید بن طریف خارجی نے جزیرہ میں خروج کیا اور آرمینہ اور حلوان وغیرہ پر چھا گیا۔ ہارون رشید نے یزید بن مزید شیبانی کو اس کے مقابلہ میں مامور کیا۔ اس نے جنگ کرنے کے بجائے حسن تدبیر سے قابو میں لانے کی کوشش کی۔ برا مکہ یزید کے مخالف تھے۔ انہوں نے رشید سے کہا کہ یزید

ولید کا ہم قبیلہ ہے اس لیے وہ اس سے لڑنا نہیں چاہتا۔ رشیدان کے کہنے میں آگیا اور یزید کو ایک غضب آلود حکم بھیجا۔ اس حکم پر یزید کو ولید سے جنگ کرنی پڑی۔ ۷۹ھ میں ایک خونریز معرکہ کے بعد ولید مارا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۴۷)

افریقسی فوج کسی بغاوت: ۷۷ھ میں افریقہ میں بغاوت ہوئی۔ جس کا سلسلہ ۸۱ھ تک قائم رہا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ۷۷ھ میں ہارون رشید نے فضل بن روح کو افریقہ کا والی بنایا۔ اس نے تونس کے علاقہ پر اپنے بھتیجے مغیرہ بن بشر کا تقرر کیا۔ مغیرہ نا سمجھ اور ناتجربہ کا رہتا تھا۔ اس نے فوج کے ساتھ تحقیر آمیز طریقہ اختیار کیا۔ اس سے وہ برہم ہو گئی اور فضل سے مغیرہ کی معزولی کا مطالبہ کیا، لیکن فضل نے منظور نہ کیا۔ اس کے انکار پر خود فوج نے مغیرہ کو نکال دیا اور فضل کو اطلاع بھیج دی کہ ہم نے مغیرہ کو بغاوت کے خیال سے نہیں بلکہ صرف اس کی بدسلوکی کی وجہ سے نکالا ہے اور اچھے امیر کی اطاعت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ اس پیام پر فضل نے مغیرہ کی جگہ عبداللہ بن یزید کو بھیجا، لیکن فوج کے سرغنہ عبداللہ بن جارود نے سب کو بھڑکا دیا کہ یہ فضل کا فریب ہے۔ فی الحال ہم لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے عبداللہ بن یزید کو بھیج دیا ہے۔ اس کے بعد وہ تم سے بدلہ لے گا، چنانچہ فوج نے عبداللہ بن یزید کو قتل کر دیا اور فضل کو بھی افریقہ سے نکالنے کا عزم کر لیا اور یہاں کے تمام بڑے اور ممتاز فوجی افسروں اور عہدیداروں کو لکھا کہ فضل نے امیر المومنین کے ملک میں فساد برپا کر دیا ہے۔ اس سے ہم لوگ بغاوت پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہم کو آپ سے زیادہ کوئی شخص لائق اعتماد اور امیر المومنین کا خیر خواہ نظر نہیں آتا۔ ہم آپ کی مدد سے فضل کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ کامیاب ہو گئے تو امیر المومنین سے آپ کی امارت کی درخواست کریں گے اور اگر نا کام رہے تو کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے گی۔ اس ترغیب سے افریقہ کے پورے علاقہ کی فوج ساتھ ہو گئی۔ فضل نے باغیوں کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں، مگر یہ شکست کھا کر قیروان واپس ہو گئیں اور باغیوں نے تعاقب کر کے

قیروان پر قبضہ کر لیا اور ابن جارد نے فضل کو قتل کر دیا اور باغی فوج کا ایک حصہ فضل کے قتل کا مخالف تھا۔ اس لیے وہ ابن جارد کے خلاف ہو گیا اور اس کے آدمیوں کو قیروان سے نکال کر خود اس پر قبضہ کر لیا۔ ابن جارد اس وقت تونس میں تھا۔ اس کی خبر ہوئی تو فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا، لیکن اس کے آتے آتے فوج کا بڑا حصہ قیروان سے منتشر ہو چکا تھا، جو لوگ باقی رہ گئے تھے، ابن جارد نے انہیں شکست دے کر ان کے سرغنہ قتل کر دیئے۔ یہ لوگ یہاں سے اربس پہنچے اور یہاں کے حاکم علاء بن سعید کو اپنا سردار بنا کر قیروان واپس آئے۔

اس دوران میں ہارون نے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ کو بغاوت فرو کرنے کے لیے افریقہ بھیجا۔ باغیوں کے سرغنہ جارد اور ابن فارس عجمی تھے اور یحییٰ کا خراسانیوں پر بڑا اثر تھا۔ اس لیے اس نے ابن جارد سے مقابلہ کرنے کے بجائے اس کو ملانے کی کوشش کی۔ اس نے دھوکہ دینا چاہا۔ یحییٰ کو اندازہ ہو گیا۔ اس لیے اس نے اسے چھوڑ کر دوسرے سرغنہ ابن فارس کو ملا لیا۔ اس نے ابن جارد کی فوج کے ایک حصہ کو اس سے الگ کر کے خود اس کے مقابلہ میں کر دیا، لیکن عین اس وقت ابن جارد نے ابن فارس کو دھوکے سے قتل کر دیا اور اس کی جماعت منتشر ہو گئی اور یحییٰ طرابلس لوٹ گیا اور یہاں دوبارہ تیاری کر کے ابن جارد کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ ابن جارد میں اس کی تازہ دم قوت کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے محرم ۷۹ھ میں اس نے قیروان چھوڑ دیا۔ یہ صورت دیکھ کر علاء بن سعید والی اربس جو پہلے باغیوں کے ساتھ تھا۔ اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے یحییٰ سے پہلے قیروان پہنچ گیا اور ابن جارد کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ہرثمہ بن اعین نے علاء بن سعید اور ابن جارد دونوں کو ہارون الرشید کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے علاء کو انعام و اکرام سے نوازا اور ابن جارد کو قید کر دیا اور ربیع الاول ۷۹ھ میں قیروان پر قبضہ اور امن و امان قائم ہو گیا اور ہرثمہ نے آئندہ بغاوت کے سدباب کے لیے طرابلس کے گرد شہر

پناہ تعمیر کرائی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۲۴۵ و ۲۴۶)

اس کے چھوڑے ہی دنوں کے بعد عیاض بن وہب اور کلیب بن جمیع کلبی نے ایک جتھا جمع کیا، لیکن یحییٰ نے اسے منتشر کر دیا اور ہرثمہ نے افریقہ کی شورش پسندی سے گھبرا کر استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد ہارون نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل کو افریقہ بھیجا۔ یہ نہایت بد خلق تھا، اس لیے پھر فوج باغی ہو گئی اور مخلد بن مخلد کو اپنا سردار بنالیا۔ بہت سے شورش پسند بربر اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن محمد بن مقاتل نے ان کو شکست دے کر مخلد کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک سکون رہا۔ ۸۳ھ میں پھر تونس میں ایک شخص تمام بن تمیم اٹھ کھڑا ہوا اور محمد بن مقاتل کو شکست دے کر قیروان پر قبضہ کر لیا اور اس شرط پر ابن مقاتل کی جان چھوڑی کہ وہ افریقہ سے نکل جائے، چنانچہ وہ قیروان سے طرابلس چلا گیا۔

ابراہیم بن اغلب والی زاب کو جو تمام کا ہم قبیلہ تھا۔ اس کی یہ سرکشی بہت گراں گزری اور وہ اس کے مقابلہ کے لیے قیروان پہنچا۔ تمام میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس نے قیروان چھوڑ دیا اور ابراہیم نے ابن مقاتل کو بلا کر قیروان اس کے حوالے کر دیا، لیکن یہاں کی رعایا بھی ابن مقاتل کو ناپسند کرتی تھی۔ اس لیے تمام بن تمیم اس امید پر کہ قیروانی اس کی مدد کریں گے پھر قیروان پہنچا، لیکن ابراہیم اور مقاتل دونوں نے مل کر اس کو شکست دی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۴۷)

ابراہیم بن اغلب کی ولایت افریقہ: قیروانی ابن مقاتل کے خلاف تھے، چنانچہ تمام کی شکست کے بعد انہوں نے ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ خلیفہ سے افریقہ کی حکومت کی درخواست کرے۔ ابراہیم نے ان کے اصرار پر درخواست کی۔ ابراہیم بڑا مدبر تھا۔ افریقہ کے سابق والی ہرثمہ نے بھی ہارون سے اس کی تعریف کی، چنانچہ ۸۴ھ میں افریقہ کی ولایت پر اس کا تقرر ہو گیا۔ اس نے چند دنوں کے اندر تمام شورش پسندوں کا قلع قمع کر دیا اور جتنے مشتبہ لوگ تھے۔ سب کو پکڑ کر دارالخلافہ بھجوا دیا

میں پناہ گزریں ہو۔ باغیوں نے اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور سفیان کو طرابلس میں آنے کے کل ۲۷ دن کے بعد مجبور ہو کر طرابلس چھوڑ دینا پڑا۔ اس کو نکال دینے کے بعد باغیوں نے ابراہیم بن سفیان کو والی بنایا۔ اس کے درمیان میں اہل طرابلس اور بنی ابی کنانہ اور بنی یوسف میں جنگ چھڑ گئی اور سارے طرابلس میں اس کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ابراہیم نے فوجیں بھیج کر ان کے سرغنائوں کو پکڑ کر قیروان بلوایا۔ ان لوگوں نے معافی چاہی۔ ابراہیم نے درگزر سے کام لیا اور یہ سب معافی نامہ لے کر طرابلس واپس گئے۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۲۵) اس کے بعد پھر کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔

خسار جی حالات اور فتوحات: ہارون کا عہد بیرونی فتوحات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کے ساتھ خاص طور سے بکثرت معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ بعض مہموں میں خود ہارون شریک ہوتا تھا اور بعض میں خاندان شاہی کے معزز ارکان کو افسران بنا کر بھیجتا تھا۔ رومی ممالک پر تقریباً ہر سال فوج کشی ہوتی تھی۔ ۱۸۱ھ میں خود ہارون نے صفصاف کا قلعہ فتح کیا اور اسی سن میں عبدالملک بن صالح ایشیائے کوچک میں انقرہ تک بڑھتا چلا گیا اور مظمورہ فتح کیا۔ ۱۸۷ھ میں قاسم بن رشید نے قرہ کا محاصرہ کیا اور عباس بن جعفر نے حصن سنان کا یہاں کے باشندوں نے محاصرہ سے گھبرا کر تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو جو ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے رہا کر کے صالح کر لی۔ (ابن خلدون ج ۳، ص ۲۲۵)

اس سلسلہ کا سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی ملکہ رینی (ایرانی) ہارون رشید کی باجگزار تھی۔ رومیوں نے جب اس کو معزول کر کے نقفور (نسی فور) کو بادشاہ بنایا، تو اس نے ہارون کو لکھ بھیجا کہ ”ملکہ اپنے بچاؤ کے لیے تم کو رخ کی جگہ استعمال کرتی اور اپنی خلتی کمزوری اور ضعف عقل کی وجہ سے تم کو روپیہ دیتی تھی، حالانکہ تمہیں خود اسے خراج دینا چاہئے تھا۔ اس لیے میرا خط دیکھتے ہی جس قدر رقم تم وصول کر چکے ہو فوراً واپس کر دو۔ ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے

گی۔ یہ خط پڑھ کر ہارون جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور اسی کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا۔

﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ امیر المؤمنین ہارون الرشید کی طرف سے روم کے کتے نفقو کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ کا فریج کا خط پڑھا تو اس کا جواب آنکھوں سے دیکھے گا۔

یہ جواب بھیج کر اسی وقت فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا اور ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے ہر قلعہ فتح کیا اور بہت سی آبادیاں برباد کر ڈالیں۔ نیسی فور میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس کو خراج دے کر صلح کرنی پڑی۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ مسلمان ایشیائے کوچک کی سخت سردی نہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس لیے ہارون کے لوٹتے ہی وہ عہد و پیمان سے پھر گیا۔ ہارون کو راستہ میں اس کی خبر ملی۔ وہیں سے وہ پلٹ پڑا اور ایشیائے کوچک کو پوری طرح پامال کر کے واپس ہوا اور دوسرے سال ۸۸ھ میں ابراہیم بن جبرائیل کو بھیجا۔ نیسی فور نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ (ابن اثیر ج ۶، ص ۶۰، ۶۱، ابن خلدون ج ۳، ص ۲۲۶)

یورپین مورخین میں لبنان نے اس کا واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (تمدن عرب ص ۲۷۲، ۲۷۳)

نیسی فور کی اس بد عہدی کے انتقام میں ہارون نے رومی سلطنت کے مختلف حصوں پر عام یورش شروع کر دی۔ داؤد بن عیسیٰ نے متعدد مقامات فتح کیے۔ شرجیل بن معن نے حصن صقالیہ اور دلسہ، یزید بن مخلد نے صفصاف اور مفلونیہ کو فتح کیا اور حمید بن معیوف نے سواحل شام اور مصر میں فتوحات حاصل کیں اور سترہ ہزار رومی قید کیے۔ خود ہارون طوانہ کی طرف بڑھا اور اس پیہم یورش سے نیسی فور گھبرا گیا اور جزیرہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان فتوحات کے علاوہ قونیہ اور انطاولیہ کے بعض دوسرے مقامات بھی فتح کئے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۶۴)

شام رومیوں کا بڑا نازک مورچہ تھا۔ اسلامی تسلط کے بعد مسلمان اسی کو مرکز قرار دے کر براہ خنکی اناطولیہ کی طرف بڑھے تھے اور قونیہ و انگورہ پر بھی اسی راستہ سے قابض ہوئے تھے۔ اسی لیے رومیوں کو شام لینے کی فکر دامن گیر رہتی تھی، لیکن خنکی کے راستے سے حملہ کا دروازہ بالکل بند تھا، کیونکہ اناطولیہ میں قونیہ تک مسلمان قابض ہو چکے تھے۔ اسی لیے وہ بحر روم کے ذریعہ سے شام کے ساحل پر بحری حملے کرتے تھے۔ ہارون نے اس خطرہ کو مٹانے کے لیے سواحل شام پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ قلعے بنوائے اور طرطوس، عین زربہ اور ہارونیہ بسایا اور مصیضہ کو از سر نو مستحکم کر کے ان شہروں میں مسلمان آباد کیے اور دلسہ کے شورش پسندوں کو جلا وطن کیا۔ (فتوح البلدان ص ۷۷، ۷۸)

ولایت عہد: ہارون کے متعدد اولادیں تھیں۔ ان میں وہ امین اور مامون کو زیادہ مانتا تھا۔ امین کی تربیت فضل نے اور مامون کی جعفر نے کی تھی، لیکن مامون میں امین سے زیادہ صلاحیت تھی اور وہ ہر حیثیت سے امین سے ممتاز تھا۔ ہارون بھی اس کی ذہانت، طباعی اور علم کی وجہ سے اس کو بہت مانتا تھا، لیکن امین ہارون کی چیمپی بیوی زبیدہ کے لٹن سے تھا۔ اس لیے جب ولی عہد کے تقرر کا وقت آیا تو زبیدہ کی محبت نے قرعن انتخاب امین کے نام نکالا۔ مامون کے مقابلہ میں امین کی ولی عہدی نہ صرف نا انصافی بلکہ بڑی فاش غلطی تھی، جس کے مذموم نتائج ہارون کے بعد ظاہر ہوئے، لیکن زبیدہ کی محبت نے ہارون کو انجام سے غافل کر دیا۔ مامون کی اشک شوقی کے لیے اس نے اسے خراسان کا صوبہ مستقل دے دیا اور بہت سے امتیازات عطا کئے اور امین کے بعد اس کو اور اس کے بعد مومتمن کو ولی عہد بنایا اور دونوں بھائیوں سے ایفائے عہد کا تحریری معاہدہ لے کر اس کو عمائد سلطنت کے روبرو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۲۶۰ و ما بعد)

پھر ۱۸۹ھ میں مامون کی دلہی اور اس کے اطمینان کے لیے رے میں فوجیں

اسلمہ خزانہ اور خدم و حشم وغیرہ جملہ لوازم شاہی مامون کے نام علیحدہ نامزد کر کے
افسران فوج سے اس کی بیعت لی اور قضاۃ اور شہود کو اس پر گواہ بنایا۔ (ابن اثیر جلد ۶،
ص ۶۲)

خاندان براء مکہ: ہارون کا زمانہ خلافت عباسیہ کا عہد زریں تھا۔ گو اس کی درخشانی
میں خود ہارون کی ذاتی خصوصیات کو بھی بڑا دخل تھا۔ وہ بڑا مخیر فیاض، علم دوست اور
تمدن نواز تھا، لیکن عباسی عہد کی ترقیوں کا سہرا ہارون سے زیادہ اس کے نامور برکی
وزراء کے سر ہے۔ ان کی فیانیوں، زرباشیوں، علم نوازی اور تمدن پروری نے ہارونی
عہد کو نہ صرف عباسی دور بلکہ تاریخ اسلام کا درخشاں عہد بنایا۔ اس نامور خاندان نے
اس قدر عروج و اقتدار اور عظمت و شان حاصل کی جو بڑے بڑے فرماؤں کو
حاصل نہ ہوئی، لیکن یہ تاریخ کا نہایت المناک واقعہ ہے کہ ہارونی ہی عہد میں اس پر
ایسا زوال آیا کہ اس خاندان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس خاندان کا عروج و زوال
دونوں ہارونی عہد کے اہم واقعات ہیں۔ اس لیے اس کے ذکر کے بغیر اس عہد کی
تاریخ ناقص رہے گی۔ اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے:

براکہ کا جد اعلیٰ برک بلخ کے بدھ مند رنو بہار کا متولی اور پجاری تھا۔ اس لیے
خراسانی اس کو بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب ابو مسلم نے خراسان
میں عباسیہ کی دعوت شروع کی، تو برک کا لڑکا خالد بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ یہ بڑا
طالب علم، دانشمند، صائب الرائے، فصیح و بلیغ، عالی ہمت، شجاع اور بہادر تھا۔ اس لیے
دعوت عباسیہ کی تبلیغ میں اس سے بڑی مدد ملی اور بعض نازک مواقع پر اس کی فہم و
فراست نے ابو مسلم کی فوج کو دشمنوں سے بچالیا۔ عباسی حکومت کے قیام کے بعد
جب وزارت کا عہدہ قائم ہوا تو پہلے اس پر ابو سلمہ خلیل کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد سفاح
نے خالد کو اس کی عقل و فراست اور گزشتہ خدمات کے صلہ میں اس منصب پر ممتاز کیا۔
(ابن خلکان جلد ۲، ص ۲۴۳) سفاح کے بعد منصور کے ابتدائی عہد میں بھی وہ کچھ

دنوں تک وزیر رہا۔ پھر منصور نے ابوایوب کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا اور خالد فارس کی ولایت پر بھیج دیا گیا۔ ابوایوب کو خالد کی عقل و فرزانگی سے خطرہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن اس کو منصب وزارت سے ہٹا دے گا۔ اس لیے وہ ہمیشہ خالد کو منصور کی نگاہ سے گرانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ اس میں وہ کامیاب ہو گیا، چنانچہ ایک بے بنیاد اطلاع پر منصور نے اس کو فارس سے واپس بلالیا اور اس کے ذمہ خراج کی ایک خطیر رقم نکالی۔ خالد کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ وہ معمولی سی رقم ادا کر سکتا۔ اس کے ہوا خواہوں نے اپنے پاس سے یہ رقم جمع کی۔ ہارون کی ماں خیزران نے بھی ایک قیمتی ہیرا دیا۔ منصور کو اس کا علم ہوا تو اسے خالد کی برات کا یقین ہو گیا اور اس نے رقم کا مطالبہ چھوڑ دیا اور ابوایوب کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اس ناکامی کے بعد اس نے ایک نصرانی کو ایک بڑی رقم دے کر منصور کے سامنے پیش کر دیا کہ خالد نے اس کے پاس یہ روپیہ جمع کروایا تھا۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ منصور پھر متنبذب ہو گیا اور اس نے خالد سے دوبارہ باز پرس کی۔ اس نے حلفیہ لاعلمی ظاہر کی۔ اس قسم پر منصور کو شک ہوا۔ اس نے نصرانی سے کہا، اگر تم خالد کو دیکھو تو اس کو پہچان لو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ خالد اس کے سامنے ہی موجود تھا۔ منصور نے نصرانی سے کہا خالد تو تمہارے پاس موجود ہے۔ اس گرفت پر نصرانی نے گھبرا کر اصل واقعہ بیان کر دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی منصور نے خالد کے بارہ میں ابوایوب کی باتوں کا اعتبار نہ کیا۔ (کتاب الوزراء والکتاب جیشیاری ص ۱۰۴، ۱۰۵)

یحییٰ: ۱۶۳ھ میں خالد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا یحییٰ باپ کے تمام اوصاف و کمالات کا وارث اور عباسی دربار سے متوسل تھا۔ منصور کے عہد سے لے کر ہادی کے زمانہ تک مختلف اوقات میں متعدد دختیں اس کے سپرد ہوئیں۔ ان سب کو اس نے خوش اسلوبی سے انجام دیا اور اپنی کارگزاری سے دربار میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ مہدی نے اس کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ہادی کے زمانہ میں بھی وہ اس

خدمت پر مامور رہا۔ ہارون میں جو کمالات تھے، وہ سب اسی کے فیض تربیت کا نتیجہ تھے۔ ہارون نے فضل کی ماں یعنی یحییٰ کی بیوی کا دودھ پیا تھا اور ہارون کی ماں خیزراں نے فضل کو دودھ پلایا تھا۔ اس لیے یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ بھی تھا اور وہ اس کو باپ ہی کہتا تھا۔ یحییٰ بھی ہارون کو اپنے لڑکے کی جگہ سمجھتا تھا اور ہر موقع پر اس کا خیر خواہ رہا اور ہر طرح کے خطرات برداشت کر کے ہاوی کو ہارون کی ولی عہدی کی منسوخی سے باز رکھا۔ اس کی خاطر جیل بھی گیا۔ ہارون کو اس احسان کا پورا احساس تھا، چنانچہ جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے کہا! آپ ہی کی برکت، احسان اور حسن تدبیر نے آج مجھ کو اس مقام پر پہنچایا ہے۔ اس لیے میں اس صلہ میں آپ کو تمام سپید و سیاہ کا مالک بناتا ہوں اور قلمدان وزارت اس کے حوالہ کر دیا، چنانچہ ہارون کے ابتدائی عہد میں تمام امور مملکت اسی کے حکم سے انجام پاتے تھے۔ ہارون اس میں کچھ دخل نہ دیتا تھا۔ (ابن خاکن جلد ۲، ص ۲۴۳)

فضل: یحییٰ کے چار لڑکے تھے۔ فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ ان چاروں میں کچھ نہ کچھ خصوصیات تھیں، لیکن فضل اور جعفر نے اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے زیادہ ناموری حاصل کی۔ فضل سب میں بڑا اور خاندانی اوصاف کا حامل تھا۔ فیاضی اور سیر چشمی میں خاندان میں کوئی اس کے ہمسر نہ تھا، چونکہ ہارون اور فضل دونوں نے ایک دوسرے کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے ہارون کو اس سے زیادہ تعلق تھا اور وہ اسے بھائی کہتا تھا، چنانچہ اس نے اس کو مختلف مناصب پر مامور کیا اور وہ مختلف اوقات میں خراسان اور شروان وغیرہ کا حاکم رہا۔ ابتدائی زمانہ میں فضل کو سیر و شکار اور دوسرے تفریحی مشاغل سے زیادہ دلچسپی تھی۔ نامہ نگاروں نے ہارون الرشید کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے یہ خط یحییٰ کو دے دیا۔ یحییٰ نے اس کو نہایت بلوغ نصیحتیں لکھ بھیجیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ فضل نے بے کار مشاغل چھوڑ دیئے اور اس کا سارا وقت فتری کاموں میں صرف ہونے لگا اور اس کی توجہ سے خراسان کا نظام بہت بہتر ہو گیا۔ اسی زمانہ میں

اس نے وہاں بکثرت مساجد، حوض اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ ہارون اس کی اس خوشگوار تبدیلی سے بہت خوش ہوا اور جب عراق میں یہ دونوں ملے تو ہارون نے شعراء سے اس کی شان میں قصائد کہلائے۔ رفتہ رفتہ اپنے حسن خدمات کی وجہ سے وزارت میں دخیل ہو گیا اور اپنے باپ یحییٰ کی نیابت کرنے لگا۔ ہارون نے اس کو امین کا اتالیق بھی مقرر کیا۔ رفتہ رفتہ وزارت کے سارے کام اس کے ہاتھوں میں آ گئے اور یحییٰ برائے نام وزیر رہ گیا۔ اس نے اپنے زمانہ عروج میں ہزاروں انسانوں کو مالا مال کر دیا۔ کوئی سائل اس کے در سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ابو الہول حمیری نے اس کی جھوٹ لکھی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس کے پاس سائل کی حیثیت سے آیا۔ اس نے کہا کس منہ سے مجھ سے ملنے آئے ہو؟ اس نے کہا اسی منہ سے جس سے اللہ تعالیٰ سے ملوں گا، حالانکہ آپ کے گناہ اس کے گناہ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اس جواب پر فضل بے ساختہ ہنس پڑا اور اس کو انعام و اکرام دے کر واپس کیا۔

جعفر: یحییٰ کا دوسرا لڑکا جعفر تھا۔ یہ مجموعی حیثیت سے اپنے تمام بھائیوں پر فائق تھا۔ قاضی ابو یوسف کے دامن علم میں اس کی تعلیم ہوئی۔ خاندان براء مکہ میں اس سے زیادہ بلند مرتبہ، عالی ہمت اور دبدبہ و شکوہ کا کوئی شخص نہیں تھا۔ فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء میں اس کو اتنا کمال حاصل تھا کہ ایک ایک رات میں ہزار ہزار تو قیعات لکھ ڈالتا تھا۔ اپنی ذہانت طباعی اور خوش مزاجی سے ہارون کے مزاج میں بہت رسوخ حاصل کر لیا تھا اور وہ اس کو فضل سے بھی زیادہ ماننے لگا تھا۔ دربار میں اس سے زیادہ کسی کی عزت نہ تھی۔ فضل کو جو اپنے رسوخ کی وجہ سے وزارت پر حاوی ہو گیا تھا۔ آخر میں جعفر کے لیے جگہ خالی کرنی پڑی۔ ہارون کو جعفر سے غیر معمولی انس تھا۔ اسے کوئی صحبت اس کے بغیر پر لطف معلوم نہ ہوتی تھی اور یکجائی میں بھی اتنی قربت ہوتی تھی کہ مخصوص صحبتوں میں دونوں ایک ہی کپڑا اوڑھتے تھے۔ جس زمانہ میں فضل امین کا اتالیق مقرر ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں جعفر کو مامون کی اتالیقی سپرد ہوئی

تھی۔ گو مامون میں ترقی اور بڑائی کی فطری صلاحیت تھی، لیکن جعفر کی تربیت کو بھی اس کے سنوارنے میں بہت کچھ دخل تھا۔ جعفر ۱۸۶ھ میں افریقہ کی حکومت پر مامور ہوا اور ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدہ جلیلہ تک پہنچا۔ ہارون رشید چونکہ فضل کو بھی مانتا تھا اور فضل سب بھائیوں میں بڑا بھی تھا۔ اس لیے جب اس نے فضل سے جعفر کی طرف وزارت منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو صاف حکم نہیں دیا، بلکہ یچی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بھائی فضل کی انگوٹھی جعفر کو پہنا دوں۔ فضل کنایہ سمجھ گیا اور خود جعفر کے لیے مسند وزارت خالی کر دی۔ جعفر نے اپنے زمانہ وزارت میں اتنا عروج حاصل کر لیا کہ سلطنت کا مدار تمام تر اس پر ہو گیا تھا۔ ہارون رشید کو برائے نام دخل رہ گیا تھا۔ یہی غلبہ اور اقتدار برامکہ کی تباہی کا باعث ہوا۔ یچی کے باقی دولڑکوں محمد اور موسیٰ نے فضل اور جعفر کے مقابلہ میں کوئی خاص ناموری نہیں حاصل کی۔ البتہ موسیٰ شجاعت اور بہادری میں ممتاز تھا۔ (جعفر اور فضل کے تمام حالات ابن خلکان کتاب الوزراء والکتاب اور الفخری سے ماخوذ ہیں) ہارونی عہد کی تمام علمی و فنی اور تمدنی ترقیاں زیادہ تر برامکہ ہی کے فیض کا نتیجہ تھیں، لیکن یہ تاریخ کا نہایت افسوس ناک واقعہ ہے کہ وہ خاندان جس نے مدتوں اس شان کی وزارت کی جس کی مثال تاریخ اسلام میں مشکل سے ملے گی اور جس نے اپنے عہد وزارت میں عباسی تہذیب کو تماشا گاہ عالم بنا دیا۔ اس کے زوال کی داستان دوسروں کیلئے سامان عبرت ہے۔

زوال برامکہ کسی غلط روایات: مؤرخین نے برامکہ کے زوال کے اسباب مختلف لکھے ہیں اور متاخرین نے جعفر و عباسیہ کی لغو اور مہمل داستان کو افسانہ بنا کر اسے اور بدنما کر دیا ہے۔ اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اب اہل نظر کی نگاہ میں یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حشیت نہیں رکھتا۔ اس پر زیادہ لکھنا بے کار ہے۔ تاہم چونکہ ہارونی عہد کی تاریخ بغیر اس پر کچھ لکھے ہوئے ناقص رہ جاتی ہے۔ اس لیے اس کی تردید میں صرف چند شہادتیں پیش کی جائیں گی۔ قدیم تاریخوں

خصوصاً ان تاریخوں میں جو عباسیوں کے حالات میں زیادہ مستند ہیں۔ اس واقعہ کا کہیں اشارہ بھی نہیں ملتا، چنانچہ تاریخ اسلام کے سب سے قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے اپنی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ مہدی کی اولاد کی تفصیل کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ ہارون نے عباسیہ کی پہلی شادی محمد بن سلیمان عباسی سے کی تھی۔ اس کی موت کے بعد دوسرا عقد ابراہیم بن صالح بن علی سے کر دیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۳۰) اس کتاب کا مصنف زوالِ براء مکہ کے کل ۲۵ سال بعد پیدا ہوا۔ اس لیے اس کی شہادت اس باب میں سب سے زیادہ معتبر ہے۔ قریب قریب اسی زمانہ کا دوسرا مورخ محمد بن عبدوس جہشیری ہے۔ جس نے اپنی کتاب ”کتاب الوزراء والکتاب“ میں عباسی حکومت خصوصاً ہارونی عہد اور براء مکہ کے حالات نہایت وضاحت سے لکھے ہیں۔ یہ بھی اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ یہ نادر کتاب دینا میں عکسی چمپی ہے۔ محمد بن عبدوس کا زمانہ تیسری صدی کا آخر اور چوتھی صدی کا اول ہے۔

اس کے بعد اس عہد کے تیسرے نامور مورخ احمد بن داؤد دینوری المتوفی ۲۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب اخبار الطوال میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اسی عہد کا چوتھا مورخ احمد بن ابی یعقوب بن واضح جو عباسی کاتب بھی تھا۔ تاریخ یعقوبی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ قدیم مورخین میں سب سے پہلے طبری نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ گو طبری مستند مورخ ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ایک واقعہ کے متعلق جس قدر مستند اور غیر مستند روایتیں ہوتی ہیں بلا اظہار رائے سب کو نقل کر دیتا ہے۔ کسی پر نقد و تبصرہ نہیں کرتا، چنانچہ اس نے منجملہ اور واقعات کے جعفر و عباسیہ کا واقعہ بھی مختصر الفاظ میں نقل کر دیا ہے، لیکن اس میں کوئی حاشیہ آرائی اور فسانہ طرازی نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ طبری کا زمانہ اول الذکر مورخین کے مقابلہ میں براء مکہ کے بہت بعد میں ہے اور اتنی مدت میں ایک واقعہ کیا کیا شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔

طبری کے بعد ابن اثیر اور ابوالفداء کی تاریخوں میں یہ واقعہ ملتا ہے، لیکن ابن اثیر طبری کا اور ابوالفداء ابن اثیر کا خلاصہ ہے۔ اس لیے یہ بھی گویا طبری کا بیان ہے۔ سب سے آخر میں ابن خلدون کا نمبر آتا ہے۔ گویہ بھی اپنے پیش رو مورخین کا خوشہ چین ہے، لیکن محض مقلد نہیں ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق تحقیقی رائے رکھتا ہے اور ان کو فلسفہ تاریخ کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ اس لیے اس کی رائے مشتبہ واقعات کی تصدیق اور تردید میں زیادہ صائب مانی جاتی ہے۔ اس لیے اس واقعہ کے متعلق بھی اس کی رائے زیادہ صحیح اور محققانہ ہوگی۔ اس نے مقدمہ کے اس باب میں جہاں مورخین کے مغالطہ اور اوہام میں مبتلا ہونے کے اسباب پر بحث کی ہے۔ وہاں اس نے بے اصل مگر مشہور واقعات کے سلسلہ میں جعفر و عباسیہ کے افسانہ پر تنقید کر کے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے؛ چونکہ یہ بحث لمبی ہے۔ اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۶ تا ۱۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

زوال برامکہ کے حقیقی اسباب: شخصی حکومتوں کی تاریخ میں یہ نیا واقعہ نہیں ہے کہ بادشاہ وقت کو جس شخص پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس کو وہ ابتداء میں حکومت کے تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتا ہے اور جب وہ رفتہ رفتہ اپنے حدود سے بڑھ کر تمام امور سلطنت پر حاوی ہو جاتا ہے اور بادشاہ اس کے مقابلہ میں بے بس اور مسلوب الاختیار پاتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ برا مکہ بھی اس بے عنوانی کا شکار ہوئے۔ یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ تھا، اسی نے اس کو سلطنت دلوائی تھی۔ اس لیے ہارون نے اس کو مختار جزو کل بنا دیا تھا۔ فضل اور جعفر وزارت میں اس کے دست راست تھے، پھر جب یحییٰ بوڑھا ہوا تو پہلے فضل، پھر جعفر کے ہاتھ میں قلمدان وزارت آیا، تو ان کی زیرپاشیوں اور ارباب علم کی قدر دانیوں نے کل رعایا کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ ہارون محض نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔ عملاً بادشاہت برا مکہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس عروج نے اس کو اتنا خود سر بنا دیا تھا کہ ہارون کے احکام کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے

اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اگر ہارون کو خزانہ سے معمولی رقم کی ضرورت ہوتی تو آسانی سے ملنا مشکل ہو جاتا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۶، ص ۳۶۳ مطبوعہ یورپ) دراصل ایک خود برا مکہ محض نمود و نمائش کے لیے بے دریغ رو پیہ لٹاتے تھے۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو بڑے بڑے انعام دیتے تھے۔ شعراء اور سائلین پر خلعت اور انعام و اکرام کی بارش کرتے تھے۔ ممالک محروسہ کے تمام عمدہ علاقوں اور جاگیروں پر وہ قابض ہو گئے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳)

ہارون رشید کی برہمی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ برا مکہ عباسیوں کے حریف مقابل اور ان کے مخالف ائمہ اہل بیت کرام کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک سے پیش آتے تھے بلکہ ہارون کے علی الرغم ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ یحییٰ بن عبد اللہ نفس ذکیہ کے بھائی حکومت کے باغی تھے۔ رشید نے ان کو گرفتار کرا کے قید کرنے کے لیے جعفر کے حوالہ کیا۔ اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ فضل بن رافع کو جو برا مکہ کا سخت دشمن تھا۔ اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ہارون سے کہہ دیا۔ دوسرے دن جب جعفر دربار میں آیا تو ہارون نے پوچھا، یحییٰ کیا حال ہے؟ اس نے کہا امیر المؤمنین وہ اب تک قید خانہ میں بند ہے۔ اس نے کہا سچ کہتے ہو؟ اس مکرر سوال پر جعفر تاڑ گیا کہ ہارون کو اس کی خبر لگ گئی۔ عرض کی آقائے من وہ امیر المؤمنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ ہارون نے جواب دیا۔ اچھا کیا میں بھی ان کو چھوڑنا چاہتا تھا، لیکن جب جعفر چلا گیا تو ہارون نے کہا میں تجھ کو قتل کرا کے چھوڑوں گا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۶۷۰) صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے، بلکہ عمیت کی وجہ سے عام طور پر برا مکہ کا سلوک اہل بیت کے ساتھ ایسا ہی تھا، گو اخلاقی نقطہ نظر سے یہ کوئی قابل اعتراض فعل نہیں شمار کیا جاسکتا، بلکہ اسے مستحسن ہی کہا جائے گا، لیکن بنی عباس کی سیاست کے بالکل خلاف تھا۔ اس لیے اس سے ہارون کی برہشتگی میں اور اضافہ ہوا۔ برا مکہ کے اثر و اقتدار نے ہارون کو نہ صرف مسلوب الاختیار کر دیا تھا، بلکہ رعایا بھی انہی کو بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ سلطنت کے

تمام عمائد ہارون کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ سلاطین اور وزراء ہدایا و تحائف براہ راست برا مکہ کے پاس بھیجتے تھے۔ خراج کی کل رقم انہی کے قبضہ میں رہتی تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳) جسے وہ ہر طرح کے جائز و ناجائز اخراجات میں صرف کرتے تھے اور ہارون رشید کے ضروری اخراجات کے لیے بھی مشکل سے نکلتی تھی۔ برا مکہ کے ایک ایک محل پر دو دو کروڑ درہم صرف ہو جاتے تھے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۵۸) حکومت کے تمام بڑے اور معزز عہدوں کی کتابت، قیادت اور حجاب وغیرہ پر برا مکہ نے اپنے خاندان والوں کو بھردیا تھا۔ ان حالات نے ایک طرف ہارون رشید کے دل میں ان کی جانب سے بدگمانی پیدا کر دی۔ دوسری جانب دوسرے عباسی متوسلین میں ایک جماعت ان کے خلاف ہو گئی۔ جس نے ہارون رشید کو ان کے خلاف ورغلاما شروع کر دیا۔ جس میں خود جعفر کے نانہالی رشتہ دار بھی تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۶) لیکن ہارون رشید پر برا مکہ کا اثر غالب تھا کہ ابتداء میں اس نے ان شکایتوں کی جانب توجہ نہ کی، مگر پھر ان کی دوسری نے ہارون رشید کے دل میں بھی رفتہ رفتہ یہ بات جمادی کہ یہ سب اس کو عضو معطل بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ محض نقطہ نظر کے بدل جانے سے وہ شے جو کبھی مدوح معلوم ہوتی ہے مذموم نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا یہ عبرت انگیز واقعہ سننے کے لائق ہے کہ دجلہ کے ساحل پر قصر شاہی کے بالقابل برا مکہ کے محلات و قصور تھے۔ ہارون کے طبیب خاص خنیشوع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے پاس گیا۔ اس وقت برا مکہ کے محل کے سامنے سواریا پیادہ حاجتمندوں کا ہجوم تھا۔ ہارون رشید نے کہا۔ اللہ تعالیٰ یحییٰ کو جزائے خیر دے اس نے مجھ کو کتنی زحمتوں سے بچا کر عیش و آرام کا موقعہ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر جانے کا اتفاق ہوا تو پھر وہی منظر تھا، لیکن ہارون برا مکہ سے بدظن ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ یحییٰ سے سمجھے، حکومت کا مختار کل بن گیا ہے اور میرا صرف نام رہ گیا ہے۔ (الفخری ص ۱۹۰)

برامکہ کا قتل و حبس: غرض مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر برامکہ کے آفتاب پر زوال آ گیا اور ۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل کرادیا اور یحییٰ اور فضل قید و محن میں ڈلوا دیئے گئے۔ خاندان برامکہ میں محمد بن خالد کے سوا کوئی فرد قید کی مصیبت سے نہ بچا۔ ان کے محلات، باغات، جائیدادیں، نقد و جنس، غرض کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا۔ یحییٰ اور فضل دونوں باپ بیٹے جیل کے مصائب اور سختیاں جھیلنے جھیلنے بالترتیب ۹۰ھ اور ۹۳ھ میں نہایت بے کسی کے عالم میں مرے یا برامکہ کا وہ اقبال تھا کہ بڑے بڑے امراء و عمائد ان کی آستان بوسی کو نخر سمجھتے تھے۔ ان کی زیرپاشیوں نے دجلہ کے بائیں کنارے اور چاندی کا دریا بہا دیا تھا۔ ان کا محل فقیروں اور مسکینوں کا بلا و ماویٰ تھا۔ علماء اور شعراء اور دوسرے ارباب کمال ان کی فیاضیوں سے مالا مال تھے یا یہ ادب آ یا کہ جعفر کی ماں عبادہ جس کی خدمت میں چار چار سو کنیزیں رہتی تھیں، عین عید کے دن پھٹے پرانے کپڑوں میں محمد بن عبدالرحمن امام مسجد کوفہ کے گھر معمولی امداد کے لیے نظر آتی ہے اور اس کے پاس بکری کی دو کھالوں کے سوا جن میں سے ایک اوڑھتی اور ایک بچھاتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ (مروج الذهب جلد ۶، ص ۶۰۶) جعفر کے قتل کے بعد ہارون کی مسرتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کے چہرہ پر خوشی کی جھلک نظر نہ آئی اور وہ ہمیشہ ان کے غم میں سوگوار رہا۔

وفات: برامکہ خاندان کی تباہی کے چند ہی برسوں بعد اس کا بھی وقت آخر ہو گیا۔ ۹۳ھ میں اس نے ایک مہم میں خراسان کا سفر کیا۔ طبیعت پہلے سے کچھ ناساز تھی۔ جرجان پہنچ کر زیادہ خراب ہو گئی۔ اس لیے طوس لوٹ آیا۔ علاج معالجہ سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو خود اپنی قبر کھدوائی اور اس میں قرآن پڑھوایا اور جمادی الثانی ۹۳ھ میں طوس کے غربت کدہ میں انتقال کیا۔ اس وقت ۴۷ سال کی عمر تھی مدت خلافت ۲۳ سال۔

ہارونی عہد کی خصوصیات: ہارون رشید دولت عباسیہ کا گل سرسبد اور اس

کا عہد عباسی حکومت کا دور زریں تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم و فنون کا دروازہ کھلا، اسی کے زمانہ میں قائم ہوا۔ عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا دو آتشہ اور بولموند تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا۔ ابن طقطقی نے اس کے دور خلافت کی خصوصیات پر یہ مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے۔ اس کا دور حکومت بہترین تھا۔ اس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا۔ اس میں بڑی رونق اور بڑی بھلایاں تھیں۔ اس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا۔ دنیا کے بڑے حصہ سے خراج آتا تھا۔ والی مصر اس کا ایک عامل تھا۔ اس کے دربار میں جتنے علماء، شعراء، فقہاء، قضاة کا تہ، ندیم اور گویے جمع ہوئے، وہ کسی خلیفہ کے دربار میں نہ تھے۔ وہ ان میں سے ہر ایک کو انعام دیتا تھا اور بڑے بڑے مدارج پر پہنچاتا تھا۔ وہ خود بھی بڑا فاضل، شاعر، اخبار آثار و اشعار کا راوی اور صحیح المذاق تھا۔ خواص اور عوام سب کے دلوں میں اس کی بیبت تھی۔ (الفخری ص ۱۹۰)

ہارونی عہد میں سلطنت نہایت مضبوط، ملک شاد آباد، خزانہ معمور تھا اور رعایا مرفہ الحال اور فارغ البال تھی۔ اس کو رعایا کی اصلاح و بہبود کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ بہ نفس نفیس اس کے حالات کی جستجو کرتا تھا۔ اس کی جستجو کے واقعات نے افسانے کی شکل اختیار کر لی ہے، لیکن افسانے حقیقت سے خالی نہیں۔ اپنے زمانہ میں اس نے حکومت کے استحکام، عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی فلاح کے بہت سے کام انجام دیئے۔ گو اسلامی خلافت کے ضوابط اور اسلامی اصول حکمرانی قرآن مجید اور احادیث نبوی میں موجود ہیں اور عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان پر عمل ہوتا رہا، لیکن اموی دور سے ان میں بے عنوانی شروع ہو گئی تھی جو عباسی دور میں بھی قائم تھی۔ عموماً اعمال پر کوئی احتساب نہ تھا۔ خراج کی تحصیل و وصول میں سختی برتی جاتی تھی۔ شرعی محاصل کے علاوہ اور بہت سی ناجائز آمدنیاں لی جاتی تھیں۔ ہارون رشید نے اس کی اصلاح کے لیے قاضی ابو یوسف

سے خراج کا قانون مرتب کروایا، جو آج بھی کتاب الخراج کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، اگرچہ یہ کتاب دراصل خراج و صدقات و جزیہ وغیرہ محاصل حکومت کے قانون پر ہے، لیکن اس میں حکومت اور رعایا کے تعلقات کی نوعیت ذمی اور مسلمان رعایا کے حقوق و فرائض حکومت کے عمال اور عہدہ داروں کے اختیارات، ان کے فرائض، ان کی نگرانی وغیرہ اسلامی اصول حکمرانی کے متعلق بہت سی مفید ہدایات ہیں۔ اس کے جستہ جستہ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، جس سے ہارونی عہد کی اصلاحات کا اندازہ ہو گا۔ کتاب کا آغاز اسی تمہید کے ساتھ کیا گیا ہے۔ امیر المومنین نے رعایا سے ظلم کے ازالہ اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے خراج، عشور، صدقات اور جزیہ پر ایک جامع کتاب لکھنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو ان امور سے متعلق اس کے فرائض کی تکمیل کی توفیق دے۔ امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے اور عذاب بھی بہت بڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار بنایا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ کوئی عمارت جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بنانے والے پر گرا دیتا ہے۔ اس لیے اس امت اور رعایا کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی ہے، اس کو ضائع نہ کیجئے۔ عمل میں اللہ تعالیٰ قوت عطا فرماتا ہے اور آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھیے، اگر آپ نے ایسا کیا تو اس کو ضائع کر دیا۔ موت انسان کی آرزوؤں سے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے عمل میں جلدی کیجئے۔ موت کے بعد پھر عمل کا موقع نہیں ہے۔ بادشاہوں کو اپنے اللہ کے بارے میں وہی چیز پیش کرنا ہوگی جو چرواہا اپنے مالک کی خدمت میں واپس کرتا ہے یعنی (رعایا) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا والی بنایا ہے، اس میں حق و انصاف کو قائم کیجئے، اگرچہ تھوڑی دیر سی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ خوش قسمت وہ راعی ہوگا، جس کے ذریعہ اس کی رعایا کو خوش بختی حاصل ہوئی ہو۔ کج روی اختیار نہ کیجئے، ورنہ رعایا بھی سیدھی راہ سے ہٹ

چاہیے۔

والی خراج کی جانب سے جو ظلم و زیادتی بھی ہوگی وہ بالائی حکم (خلیفہ کا حکم) پر محمول کی جائے گی اور ماتخوں کے لیے سند جو اسے بھیجی جائے گی، اگر ان میں سے کسی ایک کو پوری سزا دی جائے گی تو دوسروں پر اس کا اثر پڑے گا اور وہ ڈریں گے، ورنہ سب جری ہو جائیں گے اور خراج دینے والوں پر زیادتی اور ان سے ناجائز مال وصول کریں گے۔ اس لیے جب کسی عامل یا والی پر ظلم، رعایا کے مال میں خیانت، نفی کے مال میں حرام خوری یا بدکرداری ثابت ہو جائے تو اس کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھنا، اس سے مدد لینا، رعایا کے کسی معاملہ میں اس کو مختار بنانا اور حکومت کے معاملات میں شریک کرنا حرام ہے۔ اس کو ایسی عبرتناک سزا دینی چاہیے جس سے دوسروں کو سبق ہو اور آئندہ ایسے کاموں کی جرات نہ کریں۔

مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سرکاری خبر رساں اور پرچہ نگار خبروں میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حکام اور رعایا کے جن حالات سے ان کو واقف اور باخبر ہونا چاہیے، اس سے بے توجہی کرتے ہیں۔ رعایا کے معاملات میں حکام کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور ان کی زیادتیاں اور صحیح خبریں چھپاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو والی اور عمال ان کو راضی نہیں رکھتے ہیں، ان کے متعلق غلط خبریں دیتے ہیں۔ ان امور کی پوری تحقیقات ضروری ہے۔ اس جگہ کے لیے ہر شہر اور آبادی کے عادل اور ثقہ لوگوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور بیت المال سے ان کو تنخواہ ملنی چاہیے۔ کسی غیر عادل خبر رساں کی اطلاع کو قبول نہ کرنا چاہیے۔ اس کا اہتمام ضروری ہے کہ خبر رساں رعایا اور حکام کی کوئی خبر نہ چھپانے پائیں اور نہ اس میں اپنی جانب سے کوئی اضافہ کریں۔ ایسا کرنے والوں کو سزا دی جائے۔ قضاۃ والیوں اور دوسرے عہدہ داروں پر خبر رساںوں کی نگرانی ضروری ہے، لیکن جب تک وہ عادل اور ثقہ نہ ہوں۔ ان کی بھیجی ہوئی اطلاعیں قبول نہ کی جائیں۔ (یہ نکلے کتاب الخراج میں متفرق مقامات پر ہیں۔ ہم

نے ان کو ایک جگہ نقل کر دیا ہے) ان اقتباسات سے اس کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ حکومت کے اظہم اور عدل و انصاف کے قیام کے تمام سیاسی اصول اس میں آ گئے ہیں۔ ہارون رشید نے ان اصولوں کو اپنا رہنما بنایا، چنانچہ خراج کی تحصیل و وصول میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا۔ (یعقوبی ص ۵۰۱) سواد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ لیا جاتا تھا، اس کو بند کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۳۹) عمال کے تقرر کے وقت ان کو عدل و انصاف کی ہدایت کرتا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۳۹) ظالم اور خائن عمال کو نہایت عبرت انگیز سزا دیتا۔ ایک نامور اور مقتدر عباسی امیر علی بن عیسیٰ کے جور و ظلم سے مسلمان اور ذمی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب عاجز تھے۔ وہ خراسان کے اعیان و عمائد تک کی تذلیل و تحقیر کرتا تھا اور سب سے ناجائز روپیہ وصول کرتا تھا، لیکن ہارون رشید کو خوش رکھتا تھا۔ اس لیے اس کو اس کی زیادتیوں کی خبر نہ ہونے پاتی تھی، لیکن جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور ہارون رشید کے پاس پیہم ان کی شکایتیں بھیجیں تو اس نے بڑی ذلت کے ساتھ علی بن عیسیٰ کو معزول کر کے اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کا تقرر کیا۔ (طبری میں اس کی پوری تفصیل ہے) (طبری جلد ۱۱، ص ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۱۳، ۷۱۴)

علی بن عیسیٰ کو معزولی اور ہرثمہ بن اعین کو تقرر کا جو پروانہ لکھا تھا۔ اس سے ہارون کی سیاست پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں نے تمہارا مرتبہ بڑھایا، تمہارا نام بلند کیا۔ سرداران عرب کو تمہارے نقش قدم پر چلایا، سلاطین عجم کی اولاد میں تمہارا رشتہ قائم کیا اور ان کو تمہارا تابع فرمان بنایا۔ اس کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ مجھ سے عہد شکنی کی۔ میرے احکام کو پس پشت ڈال کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا اور رعایا پر ظلم کیا اور اپنی بدکرداری، حرص و طمع اور خیانت سے اللہ اور اس کے خلیفہ کو ناراض کیا۔ اس لیے میں نے تم کو معزول کر کے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی بنایا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تم پر تمہاری اولاد، تمہارے کاتبوں اور ماتحت عہدہ

داروں پر سختی کر کے تم سے ایک ایک درہم وصول کر لیں اور مسلمانوں اور ذمیوں سے تم نے جس قدر مال ناجائز حاصل کیا ہے اس کو حاصل کر کے اس کے مستحقین کو واپس کر دیں اور اگر تم اور تمہارے متعلقین اس میں مزاحمت کریں تو تازیانہ کی سزا دی جائے۔ تم لوگ ان سب سزاؤں کے مستحق ہو جو عہد توڑنے اور ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے ہیں۔ تم اللہ خلیفہ مسلمان اور ذمی سب کے مجرم ہو۔

ہر ثمنہ کو لکھا: میں تم کو خراسان اور اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں۔ جملہ امور میں کتاب اللہ کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھو۔ مشتبہ امور میں خود فیصلہ نہ کرو بلکہ دین کے واقف کاروں اور کتاب اللہ کے عالموں سے پوچھو اور علی بن عیسیٰ اور اس کے متعلقین کے پاس حکومت عام مسلمانوں اور ذمیوں کا جس قدر ناجائز مال ہو اس کو وصول کر کے ان کے مستحقین کے پاس پہنچا دو اور مجرمین کو موٹے کپڑے پہنا کر میرے پاس بھیج دو۔ میں نے اس حکم میں اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں (ہارون رشید علی بن موسیٰ کو بہت ماننا تھا) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی حرمت کو بہت ترجیح دی ہے۔ اس لیے تم بھی اس کی تعمیل کرو اور جن جن اضلاع سے تمہارا گزر ہو وہاں کے حکام کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کرو کہ وہ تم سے متوحش، مشتبہ اور خوف زدہ نہ ہوں۔ خراسان کے سرحدی علاقہ کے باشندوں کی خواہش کو پورا کرو۔ ان کی معذرت قبول کر کے ان کو امان دو (سرحدی علاقے کے باشندے علی بن عیسیٰ کے ظلم و جور کی وجہ سے حکومت سے آمادہ بغاوت ہو گئے تھے) اور ایسا طرز عمل اختیار کرو جس سے اللہ تعالیٰ خلیفہ اور رعایا سب کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو۔ (طبری نے ان احکام کو مفصل لکھا ہے۔ ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھو جلد ۱۱، ص ۱۹۰، ۱۹۱)

علمی خدمات اور علماء و اصحاب علم کی قدر دانی: علم و فن اور علماء و اصحاب کمال کا قدردان اور سر پرست اور بے کسوں اور حاجتمندوں کا ملجی

وماوی تھا۔ فیاضی اور سیرچشمی میں وہ اپنے پیش روؤں سے بڑھ گیا تھا۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون کی فیاضی اور داد و دہش کے علاوہ اخلاق و عادات میں منصور کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا اور مانگنے پر اور بے مانگے دونوں حالتوں میں بڑے گراں قدر عطیے دیتا تھا۔ کوئی شخص جس کو اس سے ادنیٰ تعلق بھی تھا۔ اس کے در سے محروم نہیں رہا۔ علماء و اصحاب کمال سے رغبت، فقہ و فقہاء اور شعرو شعراء سے محبت رکھتا تھا اور ادب و ادباء کی عظمت کرتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۷) علماء کا جس قدر احترام رکھتا تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ ایک نابینا عالم ابو معاویہ ضریر کی دعوت کی اور خود ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ابو معاویہ سے پوچھا، آپ کو معلوم ہے کہ کون آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے؟ ابو معاویہ نابینا تھے، ان کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا، بولے نہیں۔ ہارون نے کہا میں نے خود یہ خدمت انجام دی ہے۔ اس دور کے علماء بھی علم کی اتنی عظمت کرتے تھے۔ ابو معاویہ نے اس پر کسی ممنونیت کا اظہار نہیں کیا، بلکہ یہ جواب دیا کہ ہاں آپ نے علم کی عزت کے لیے ایسا کیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۸) وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے امام مالکؒ سے سماع حدیث کے لیے مدینہ کا مخصوص سفر کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۷)

اس کی علماء نوازی اور علم پروری کے بہت سے واقعات ہیں۔ دولت عباسیہ میں علم و فن کا آغاز ابو جعفر منصور نے کیا۔ ہارون نے اس کو اور زیادہ ترقی دی اور بیت الحکمہ کے نام سے تالیف و تراجم کا ایک ادارہ قائم کیا اور اس میں بیش قراٹخو ہوں پر علماء و مترجمین مقرر کر کے ان سے یونانی، فارسی اور دوسری زبانوں کی متعدد مفید کتابیں ترجمہ کرائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الحکماء ص ۱۶۹ و طبقات الاطباء جلد اول ص ۱۷۵) اس کا دربار ہر صنف کے اصحاب کمال کا مرکز تھا۔ اس کے تمام وابستگان دولت اور متعلقین خاص اپنے اپنے اوصاف میں منتخب روزگار تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون کے پاس جیسا نورتن جمع تھا اور کسی فرمانروا کو میسر نہ آیا۔ اس کے

وزیرِ برآمدہ تھے۔ اس کے قاضی الیوسفؒ تھے۔ اس کا درباری شاعر مروان بن ابی حفصہ جیسا قادر الکلام تھا جو اپنے زمانہ کا جریر شمار کیا جاتا تھا۔ اس کا ندیم عباس بن محمد تھا۔ اس کا حاجب فضل بن عباس جیسا مرجع الخلق تھا۔ اس کا مغنی ابراہیم موصلی جیسا یگانہ روزگار گویا تھا۔ اس کی بیوی ام جعفر (زبیدہ) جیسی مخیر خاتون تھی، جس نے نیکی اور رفاه عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ (خطیب جلد ۱۴ ص)۔

ہارون کی خوش قسمتی سے اس کو وزراء بھی ایسے ملے تھے جو کسی فرمانروا کو مشکل سے میسر آ سکتے ہیں۔ برکلی خاندان نہ صرف عباسی وزارت میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں اپنے اوصاف و کمالات اور کارناموں میں ممتاز ہے۔ وہ ہارون سے بھی زیادہ علم دوست، علماء نواز، بلند نظر، خوش مذاق، مخیر اور فیاض تھے۔ ان کا آستانہ ہر صنف کے اصحاب کمال کا مرجع تھا۔ انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے اور عباسی حکومت کو علم و تمدن کے جس درجہ تک پہنچایا، اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب درکار ہے۔ ان کے دور وزارت کے متعلق ابن طباطبائیہ اجمالی تبصرہ بالکل صحیح ہے:

برآمدہ کا دور وزارت جبین دہر کا نور اور زمانہ کے سر کا تاج تھا۔ اس کے مکارم ضرب المثل تھے۔ وہ دنیا کا مرجع آمال تھے اور لوگ کھنچ کھنچ کر ان کے آستانہ پر آتے تھے۔ دنیا نے اپنی ساری نعمتیں ان کے سامنے سجا دی تھیں۔ یحییٰ اور اس کے لڑکے انجم تابان؛

اس لیے سیوطی کے بقول ہارون رشید کا پورا دور سر اسر خوبی تھا اور اس کا ہر روز عید اور ہر شب، شبِ برات معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دور کی تمام ترقیوں کا حال کتاب کے آخر میں آئے گا۔

اخلاق و سیرت: وہ مجموعہ اوصاف تھا۔ اس میں متضاد اوصاف جمع تھے۔ ایک طرف اس کی زندگی بڑی پر شکوہ و رنکین اور عیش پرستانہ تھی۔ اس کی رنگینیوں نے عباسی تہذیب کو تماشا گاہ عالم بنا دیا تھا۔ دوسری طرف وہ بڑا دین دار اور پابند شریعت، علم دوست اور علماء نواز تھا، لیکن اس کی رنگینی کی داستانوں میں اس کی زندگی کا مذہبی رخ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ خطیب اور طبری کا بیان ہے کہ وہ محرمات کی عظمت کرتا تھا۔ روزانہ سو رکعت نفلیں پڑھتا تھا۔ ایک ہزار درہم روزانہ خیرات کرتا تھا۔ اکثر حج

فضل تیرے ساتھ نہ ہوگا، اس لیے اللہ سے ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ۔ یہ سن کر ہارون پھر زار زار رویا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۴۵۰)

ایک مرتبہ فضیل بن عیاضؓ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے حسین چہرے والے تو اس امت کا ذمہ دار ہے۔ تجھی سے اس کی باز پرس ہوگی۔ یہ نصیحت سن کر ہارون زار و قطار رویا۔ منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں تین آدمی رفیق القلب تھے۔ خثیت الہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے جاتے تھے۔ فضیل بن عیاضؓ ابو عبد الرحمنؓ زہدؓ اور ہارون رشیدؓ۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴، ص ۸)

ایک مرتبہ ابن سماک کے سامنے ہارون نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ خادم نے حاضر کیا۔ ابن سماک نے ہارون سے پوچھا، اگر یہ پانی روک دیا جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے کتنی قیمت تک میں خریدو گے؟ اس نے کہا نصف سلطنت کے عوض۔ جب ہارون پانی پی چکا تو پھر پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن سے خارج نہ ہو سکے تو اس کے نکالنے میں کتنا خرچ کرو گے؟ ہارون رشید نے کہا کل سلطنت۔ ابن سماک بولے جس سلطنت کی قیمت ایک چلو بھر پانی ہو اس کے لیے جھگڑنا نہ چاہیے۔ یہ حکیمانہ نصیحت سن کر ہارون رو دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱۱، ص ۱۹۳) ہارون کے ان اوصاف کی وجہ سے فضیل بن عیاضؓ جیسا زہد اس سے محبت کرتا تھا، چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ لوگ اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن مجھے یہ بہت محبوب ہے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴، ص ۱۲)

محمد الامین بن ہارون

(۱۹۳ھ ۱۹۸۲ھ مطابق ۸۰۹ء ۸۱۳ء)

ہارون کے انتقال کے بعد اس کا ولی عہد محمد امین تخت نشین ہوا۔ یہ تاریخ اسلام کی نامور خاتون زبیدہ کے لطن سے تھا۔ زبیدہ ہاشمیہ تھی۔ اس لیے امین کی رگوں میں ماں باپ دونوں کی جانب سے خالص ہاشمی خون تھا۔ یہ خصوصیت اس کے علاوہ کسی

عباسی خلیفہ کو حاصل نہ تھی۔

ہارون نے طوس میں وفات پائی تھی، جو عمائد اور ارکان سلطنت اس کے ساتھ تھے، ان سے فضل بن ربيع نے امین کی بیعت لی اور اس کے اٹھارویں دن بغداد میں بیعت عام ہوئی اور جمادی الاول ۱۹۳ء میں امین تخت پر بیٹھا۔

رافع بن لیث کی شورش اور اس کی اطاعت: رافع بن لیث نے ہارون کے زمانہ میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی شورش اور بڑھ گئی اور اس نے بلخ، طخارستان، صغد اور ماوراء النہر کی غیر مسلم قوموں کو جو مسلمانوں کی دشمن تھیں، ساتھ ملا کر قتل و غارت سے بڑی شورش اور بد امنی پھیلا دی اور بہت سے علاقوں میں آگ لگا دی۔ ہارون اپنی وفات سے پہلے ہرثمہ بن اعین کو اس مہم پر مامور کر گیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد ہرثمہ نے بڑی خونریز جنگ کے بعد رافع کو شکست دی اور اسے بے بس ہو کر ہرثمہ کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۲۸)

امین و مامون میں اختلاف: ہارون نے ایک سلطنت کے دو فرماںروا بنا کر غلطی کی تھی۔ اس کے نتائج اس کی آنکھ بند ہوتے ہی نکلنے لگے۔ مامون خراسان کا مستقل فرمانروا تھا۔ صرف خطبہ کی حد تک اس کو بغداد کی مرکزی حکومت سے تعلق تھا۔ خراسان کی مہم میں ہارون کے ساتھ جو خزانہ، فوج اور خدم و حشم تھا۔ وہ سب مرنے سے پہلے مامون کو دے دیا گیا تھا۔ اس سے امین کے دل میں مامون کے ساتھ اور بنائے خصامت بڑھ گئی، لیکن باپ کی زندگی میں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے مرض الموت کی خبر سن کر فضل بن ربيع اور ان ارکان سلطنت کے پاس جو ہارون کے ہم رکاب تھے۔ خفیہ کہا، بھیجا کہ امیر المومنین کے انتقال کے بعد کل خزانہ، فوج اور خدم و حشم اس کے پاس بغداد بھجوا دیا جائے۔

فضل بن ربيع مامون کو ناپسند کرتا تھا۔ اس کا بڑا سبب تو یہ تھا کہ امین میں کوئی

صلاحیت نہ تھی۔ اس کے مقابلہ میں مامون مدبر اور دانشمند تھا۔ اس لیے فضل بن ریح امین پر آسانی کے ساتھ حاوی ہو سکتا تھا اور مامون کے یہاں اس کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ دوسرے برا مکہ کی تباہی میں فضل بن ریح کا بھی ہاتھ شامل تھا اور مامون پر اس خاندان کا بھی بڑا اثر تھا۔ اس لیے فضل کو اس کی جانب سے انتقام کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے وہ اندرونی طور سے مامون کے خلاف تھا۔ امین کے حکم سے اسے اعلانیہ مخالفت کا موقع مل گیا اور وہ ہارون کی وصیت کے خلاف جملہ سامان لے کر امین کے پاس بغداد روانہ ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۷۳)

مامون کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ارکان سلطنت سے مشورہ کیا۔ انہوں نے رائے دی کہ ابھی وہ لوگ زیادہ دور نہیں گئے ہیں۔ اس لیے آپ خود جا کر انہیں واپس لے آئیے، لیکن تجربہ کار ذوالریاستین فضل بن سہل نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ گئے تو وہ لوگ آپ کو پکڑ کر امین کے پاس سوغات میں پیش کریں گے۔ پہلے آپ امراء کو خط لکھ کر انہیں عہد شکنی سے روکیے، اگر وہ نہ رکیں گے تو پھر کوئی دوسری تدبیر کی جائے گی، چنانچہ مامون نے سہل بن سعد کو خط لکھ کر فضل بن ریح کے پاس بھیجا۔ وہ ان کو نیشاپور میں ملا۔ اس نے کہا۔ میری حیثیت تو ایک معمولی سپاہی کی ہے۔ میرے اختیار میں کیا ہے۔ ایک دوسرے شخص عبدالرحمن بن جلدانباری نے نیزہ تان کر کہا۔ اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو یہ نیزہ اس کے جسم میں پیوست ہوتا۔ قاصد نے واپس آ کر یہ صورت حال بیان کی۔ وہ سن کر بہت دل شکستہ ہوا۔ ذوالریاستین نے تسلی دی کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ خراسان میں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کو خلافت دلانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس کی اس حوصلہ افزائی پر مامون نے اسے مختار کل بنا دیا۔ (ابن اثیر ص ۷۵)

ذوالریاستین بڑا مدبر اور عالی دماغ تھا۔ پہلے اس نے خراسانی امراء کو ملانے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو مامون نے ذوالریاستین کے مشورہ سے قیام حق، عمل بالحق اور احیائے سنت کی عام دعوت دی اور خود عدل و انصاف میں خاص

اہتمام کرنے لگا۔ اس تدبیر سے چند ہی دنوں میں سارا خراسان اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ مامون نے چوتھائی خراج معاف کر دیا۔ اس کا اتنا اچھا اثر پڑا کہ سارا خراسان مامون کے ساتھ ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ مامون ہمارا بھانجا (مامون کی ماں عجمی تھی) اور ہمارے نبی ﷺ کا ابن عم ہے (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۷۴)

امین کا نقص عہد: دوسری طرف فضل بن ریح نے خراسان سے واپس آنے کے بعد امین اور مامون کے اختلاف کو پائیدار کرنے کے لیے امین کو آمادہ کیا کہ وہ مامون کو ولی عہد سے خارج کر کے اپنے لڑکے موسیٰ کو ولی عہد بنا دے۔ مامون کے دوسرے مخالفین نے بھی اس کی تائید کی، لیکن امین کے حقیقی خیر خواہوں نے مخالفت کی اور کہا نقص عہد کی مثال قائم ہو جانے کے بعد آپ کے ساتھ جو عہدو پیمان ہوں گے ان کے توڑنے میں بھی لوگوں کو تامل نہ ہو گا۔ اس لیے امین نے مامون کا نام خارج تو نہیں کیا، لیکن اس کے ساتھ عیسیٰ کا نام بھی خطبہ میں داخل کر دیا۔ مامون کو اطلاع ہوئی تو اس نے شاہی نشان سے امین کا نام خارج کر دیا اور بغداد سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا۔ اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد امین نے مامون کے پاس کہا ابھیجا کہ وہ عیسیٰ کی ولی عہدی منظور کرے اور فوراً بغداد حاضر ہو۔ مامون نے دونوں باتوں کو مسترد کر دیا۔ یہ گویا ایک طرح سے اعلان جنگ تھا۔ اس لیے ذوالریاستین نے حفاظتی تدبیریں شروع کر دیں اور امین کے ایک درباری عباس بن موسیٰ کو خفیہ بلا کر امین کے دربار میں اپنا جاسوس مقرر کر دیا جو برابر وہاں کی خبریں خراسان بھیجتا رہا۔ مامون کا جواب ملنے کے بعد امین نے اس سے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ وہ خراسان کے بعض حصے بغداد کی حکومت سے منسلک کر دے اور اس کے نامہ نگار کو خراسان میں رہنے کی اجازت دے، لیکن مامون نے ان دونوں مطالبوں کو ماننے سے بھی انکار کر دیا اور سرحدوں کی ناکہ بندی کر کے خبر رسانی اور جاسوسی کے دروازے بند کر دیئے۔ (ابن خلدون جلد ۴، ص ۲۳۳)

مخالف حکمرانوں سے صلح: امین سے اختلاف کے ساتھ مامون کے لیے دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ خراسان کے سرحدی علاقہ کے کئی فرمانروا اس کے خلاف ہو گئے، چنانچہ تبت کا بادشاہ مخالف ہو گیا۔ جنہو یہ کے فرمانروا نے علم بغاوت بلند کیا۔ ترکی حکمرانوں نے خراج دینا بند کر دیا، لیکن ذوالریاستین کی خوش تدبیری سے یہ گتھیاں آسانی کے ساتھ سلجھ گئیں۔ مامون نے شاہ تبت اور جنہو یہ کو آزاد حکمران تسلیم کر لیا۔ ترکی سلاطین کا خراج معاف کر دیا اور کابل سے صلح کر لی۔ شاہ تبت سے مصالحت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ کے لیے مامون کو تبت میں ایک جائے پناہ مل گئی۔ ان امور کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد مامون نے امین کو لکھ بھیجا کہ میں خراسانی سرحد کا محافظ ہوں۔ والد نے مجھ کو یہاں سے ہٹنے کی ممانعت کر دی تھی، اس لیے حاضری سے معذور ہوں۔ (ابن خلدون جلد ۴، ص ۲۳۱، ۲۳۲)

معاهدوں کا چائف کرنا: اس جواب کے بعد امین نے اس کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے صغیر السن بچہ موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ آئندہ سے خطبہ میں مامون کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے اور ہارون کے تمام معاہدے جو اس نے خانہ کعبہ میں محفوظ کروادیئے تھے، منگوا کر چاک کر ڈالے۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۷۹۵)

فوجوں کی روانگی: اور ۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ بن ہامان کو ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ مامون کے مقابلہ کے لیے خراسان بھیجا۔ امین کی ماں زبیدہ خاتون نے خود اس فوج کو روانہ کیا اور فوج کے افسر اعلیٰ علی بن عیسیٰ کو ہدایت کر دی کہ مامون کی گرفتاری کے بعد اس کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ کیا جائے۔ اس کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور ایک چاندی کی زنجیر دی کہ گرفتاری کے بعد اس سے باندھا جائے، لیکن تقدیر ان ہدایات پر پھنس رہی تھی۔ غرض شعبان ۹۵ھ میں فوج بغداد سے اس شان

سے روانہ ہوئی کہ اہل بغداد نے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۳ والفخری ص ۱۹۵)

جنگ اور شکست: مامون کو بغداد کی تمام خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس لیے وہ مدافعت کے پورے انتظامات کر چکا تھا اور اس کی فوجیں مقابلہ کے لیے روانہ ہو چکی تھیں، چنانچہ آگے بڑھ کر علی بن عیسیٰ کو اطلاع ملی کہ طاہر بن حسین خراسانی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے پہنچ چکا ہے۔ اس لیے علی بھی اسی سمت بڑھا۔ رے سے چند فرسخ کی مسافت پر دونوں کا سامنا ہوا۔ طاہر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے فوج میں امین کی فسخ بیعت اور مامون کی بیعت کا اعلان کر دیا، تا کہ علی بن عیسیٰ لوگوں کو امین کی بیعت کا فریب نہ دے سکے۔ بغدادی فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اس کے مقابلہ میں خراسانی ۴ ہزار سے بھی کم تھے۔ تاہم انہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ طاہر نے بغدادی فوج کا قلب توڑنے میں پورا زور صرف کر دیا اور اس کی فوج کے ایک سپاہی نے علی کو تیر کا نشانہ بنا دیا۔ علی کے قتل ہوتے ہی بغدادی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور خراسانیوں نے ان کی بڑی تعداد قتل کر ڈالی۔ طاہر نے مامون کو ان الفاظ میں فتح مندی کی بشارت دی۔ امیر المومنین کو مشرکہ ہو کر علی کا سر میرے سامنے ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کی فوج میرے قبضہ اقتدار میں ہے۔ ذوالریاستین نے یہ مشرکہ مامون کو سنایا اور رعایا نے آکر سلام خلافت پیش کیا۔ اس کے دو دن بعد علی بن عیسیٰ کا سر پہنچا۔ اس کی تشہیر کرائی گئی۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۳، ۲۳۴)

دوسری فوج کسی رواندگی اور شکست: امین کو جس وقت فوج کی شکست اور علی کے قتل کی اطلاع پہنچی اس وقت وہ اپنے غلام کوثر کے ساتھ حوض پر مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کے سر پر جوں تک نہ رہینگے۔ جواب دیا ٹھہر و کوثر نے دو مچھلیاں شکار کر لیں اور مجھے ابھی تک ایک بھی نہیں ملی۔ اس سے فرصت ملنے کے بعد عبدالرحمن بن جبلة انباری کو ہمدان کا والی بنایا اور بیس ہزار فوج کے

ساتھ طاہر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اس نے ہمدان کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں طاہر بھی پہنچ گیا۔ ہمدان کے باہر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبدالرحمن شکست کھا کر ہمدان میں داخل ہو گیا اور دوبارہ پھر سنبھل کر نکلا؛ لیکن پھر شکست کھائی اور ہمدان میں قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر نے ایسا سخت محاصرہ کیا کہ عبدالرحمن کے لیے طاہر کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا اور اس نے اپنے کو طاہر کے حوالہ کر دیا۔ قریب ہی قزوین میں امین کا دوسرا عامل کثیر بن قادرہ تھا۔ عقب سے اس کے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے عبدالرحمن سے فراغت کے بعد طاہر اس کی طرف بڑھا۔ کثیر قزوین چھوڑ کر بھاگ گیا اور ہمدان اور عراق عجم کا پورا علاقہ مامون کے زیر نگیں ہو گیا۔ عبدالرحمن بن جبہ طاہر کی امان میں آنے کے بعد کچھ دنوں تک اس کی نگرانی میں رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ طاہر اس کی طرف سے غافل اور مطمئن ہو گیا تو ایک دن دفعتاً اپنے آدمیوں کو لے کر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۷۰، ۷۱)

تیسری فوج کسی روانگی اور واپسی: اس شکست کے بعد امین نے ۹۶ھ میں اسد بن یزید، احمد بن مزید اور عبداللہ بن قحطبہ کی سرکردگی میں ۲۰ ہزار فوج کی تیسری مہم بھیجی۔ بغدادی فوج خائنین میں خیمہ زن ہوئی۔ اس مرتبہ طاہر نے مقابلہ کرنے کے بجائے جاسوسوں کے ذریعہ بغدادی فوج میں یہ خبر مشہور کرادی کہ تم لوگ یہاں ہو اور وہاں بغدادی فوجوں کی تنخواہیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ بغدادی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ جیسی آئی تھیں، ویسی ہی واپس گئیں۔ ان کی واپسی کے بعد طاہر آگے بڑھ کر حلوان میں مقیم ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۸۵)

عراق میں مامون کی بیعت: عراق میں ابواز سب سے اہم مورچہ تھا۔ بغدادی فوجوں کی واپسی کے بعد مامون نے طاہر کو ابواز کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے حسین بن عمر دشمی کو آگے بھیج دیا اور خود اس کے عقب سے روانہ

ہوا۔ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ امین کی جانب سے محمد بن یزید اہواز کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے۔ اس لیے طاہر نے محمد بن طاہر، محمد بن العلاء، عباس بن نجار اور قریش بن شبل کو حسین ابن عمرو کی مدد کے لیے بھیجا اور قریش بن شبل کو حکم دیا کہ محمد بن یزید کے اہواز پہنچنے سے پہلے کسی طرح پہنچ جائے اور خود مزید امدادی فوجوں کی فراہمی کے لیے لوٹ گیا۔ قریش طاہر کی ہدایت کے مطابق محمد بن یزید سے پہلے اہواز پہنچ گیا۔ اس کے بعد بغدادی فوجیں پہنچیں۔ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، محمد کی فوجیں پسپا ہو گئیں، لیکن اس نے خود لڑ کر جان دے دی اور اہواز اور اسی کے ساتھ یمامہ، بحرین اور عمان پر طاہر کا قبضہ ہو گیا۔ اہواز کے بعد واسط کا رخ کیا۔ یہاں کے حاکم سندھی بن یحییٰ اور یثیم بن شعبہ اس کا رخ دیکھ کر بھاگ گئے اور واسط پر بھی قبضہ ہو گیا۔ طاہر کی ان کامیابیوں اور بغدادیوں کی ناکامی سے اہل عراق کے حوصلے پست ہو گئے اور طاہر نے ایک فوجی افسر کو بھیج کر کوفہ، بصرہ اور موصل کے حکام سے امین کی بیعت منج کرا کے مامون کی تحریری بیعت لے لی اور حارث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو قصر ابن ہبیرہ کی طرف بھیجا۔ امین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے محمد بن سلیمان اور حماد بن بربری کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ حارث اور داؤد نے انہیں شکست دے کر قصر ابن ہبیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ کوفہ ان کا مرکز تھا۔ اس لیے امین نے اسے واپس لینے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ قصر ابن ہبیرہ کے بعد مدائن کا نمبر تھا۔ یہ گویا بغداد کا دروازہ تھا۔ اس لیے یہاں امین کی جانب سے حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات تھے اور بغداد سے فوجوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ اس لیے طاہر نے مدائن کا رخ کیا۔ قریش بھی راستہ میں مل گیا۔ مدائن کے حاکم برکی نے مقابلہ کی تیاریاں کیں، لیکن اس کی فوجوں میں ایسی ابتری پھیلی ہوئی تھی کہ وہ انہیں جنگ کے لیے آمادہ نہ کر سکا۔ اس لیے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کی فوجیں بغداد لوٹ گئیں۔ اس طرح مدائن پر بھی قبضہ ہو گیا۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۷) اب بغداد بالکل سامنے تھا۔ طاہر نے بڑھ کر نہر صرصر پر جو بغداد سے چار

فرسخ کی مسافت پر ہے، مورچہ قائم کیا۔

حرمین کی بیعت: خلافت کا فیصلہ ایک حد تک حرمین کی حکومت اور یہاں کے باشندوں کی بیعت پر تھا۔ یہ دونوں مقامات امین کے قبضہ میں تھے، لیکن امین کی بدعہدی خصوصاً ان معاہدوں کو جنہیں ہارون رشید خانہ کعبہ میں محفوظ کر گیا تھا، چاک کر دینے کا حرمین پر بہت برا اثر پڑا تھا اور مکہ کے حاکم داؤد بن عیسیٰ نے کعبہ کے خدام، علمائے مکہ اور عمائد قریش کو جمع کر کے امین کی بدعہدی اور معاہدہ چاک کرنے کا حال سنا کر کہا: ”ایسے شخص کی بیعت فسخ کر کے مامون کی بیعت کر لینی چاہئے۔ سب نے اس سے اتفاق کیا اور داؤد نے مجمع عام میں تقریر کر کے فسخ بیعت کا اعلان کیا اور اہل مکہ نے مامون کی بیعت کر لی۔ مکہ کے بعد داؤد نے اپنے لڑکے سلیمان حاکم مدینہ کو لکھا۔ اس نے وہاں مامون کی بیعت لی اور رجب ۹۶ھ میں حرمین میں مامون کی خلافت تسلیم کر لی گئی۔ مامون داؤد بن عیسیٰ کی اس کارگزاری سے بہت خوش ہوا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۸۹)

امین کسی نساکامی اور بغداد میں نشور شش: اوپر گزر چکا ہے کہ طاہر بغداد کے قریب نہر صرصر پر پہنچ چکا تھا۔ امین نے اس کو روکنے کے لیے فوجوں کا تار باندھ دیا، لیکن اس کی ساری کوششیں ناکام رہیں اور اس کی فوجوں کو شکست پر شکست اٹھانی پڑی۔ جب فوجی مقابلہ میں ناکامی ہوئی تو اس نے روپیہ کے زور سے مامون کو شکست دینے کی کوشش کی اور اس کی فوج کے ایک حصہ کو توڑ بھی لیا، لیکن طاہر نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور اس کے پاس جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اسی کو لے کر اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ بغدادی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بغداد لوٹ گئیں۔ امین نے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے افسروں میں روپیہ تقسیم کیا، لیکن عام سپاہیوں کو نظر انداز کر دیا۔ طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کو توڑ کر خود ان کے افسروں سے لڑا دیا۔ امین کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنے کے بجائے

ان کو سزا دینے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ اس وقت طاہر نے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ذی الحجہ ۹۶ھ میں باب الدینار سے آگے بڑھ کر بستان کی سمت خیمہ زن ہوا اور اپنی فوج کے افسروں، ان کے لڑکوں اور خواص کے وظائف دو چند کر دیئے۔ باب الدینار بغداد کا ایک دروازہ تھا۔ اس لیے خراسانی فوجوں کی قربت سے شہر میں شورش پیدا ہو گئی۔ اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ قیدی قید خانہ توڑ کر نکل گئے اور بغداد میں عام بد امنی پیدا ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۸۹)

بغداد کا محاصرہ: طاہر اور ہرثمہ بن اعین نے آغاز ۹۷ھ میں بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں پہلے سے شورش پیدا ہو چکی تھی۔ محاصرہ نے حالت اور زیادہ نازک کر دی۔ خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا۔ روپیہ کی قلت سے بغدادی فوجوں میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ امین نے سکے ڈھالنے کے لیے تمام نقرتی و طائنی سامان گلا دیا۔ بغداد کی حالت دیکھ کر امین کے بعض امراء طاہر سے مل گئے۔ بغداد اتنا عظیم الشان شہر تھا کہ اس کے مختلف حصے بجائے خود مختلف شہر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر تھے۔ ان میں سے جو افسر طاہر سے مل جاتا، اتنا حصہ اس کے قبضے میں آ جاتا تھا۔ طاہر نے یہ اعلان کروا دیا کہ بغدادی امراء بنی ہاشم اور افسران فوج میں سے جو اس کا ساتھ نہ دے گا بغداد پر قبضہ کے بعد اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ بغداد کی حالت چونکہ روز بروز نازک ہوتی جاتی تھی۔ اس لیے اس اعلان سے خوفزدہ ہو کر بہت سے امراء طاہر کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے دنوں میں امین کی فوج نے ہمت ہار دی اور شہر کے اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ بد امنی دیکھ کر بغداد کا شہنشاہ محمد بن عیسیٰ بھی طاہر سے مل گیا۔ اس کے ملنے کے بعد قیام امن کا یہ سہارا بھی جاتا رہا۔ شہر کے اوباشوں نے البتہ امین کی جانب سے خراسانی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن عوام کا بے نظام انبوہ باقاعدہ فوج کا کب تک مقابلہ کر سکتا تھا۔ امین کے ساتھ جو افسر باقی رہ گئے تھے، طاہر نے ان کو لکھا کہ اگر وہ

مامون کی بیعت کر لیں تو ان کی جان بخشی کی جائے گی۔ اس تحریر پر بہت سے امراء اور افسران فوج اس کے ساتھ ہو گئے اور امین کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور بغداد میں اتنی بد امنی پھیل گئی کہ وہاں کے باشندے گھر بار چھوڑ کر نکل گئے۔ قصر صالح میں اوباشوں نے خراسانی فوج کا مقابلہ کر کے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔ اس کے انتقام میں طاہر نے یہاں کی بہت سی عمارتیں مسمار کر ڈالیں اور ناکہ بندی کر کے رسد روک دی اور جو کشتیاں بغداد میں غلہ پہنچاتی تھیں، انہیں وجہ سے فرات میں منتقل کر دیا۔ اس سے بغداد میں سخت قحط پڑ گیا۔ اس موقع پر بغداد کے اوباشوں نے بڑی بہادری سے خراسانی فوجوں کا مقابلہ کیا اور متعدد افسروں کو جو بغداد کے مختلف حصوں میں قابض ہو گئے تھے، نکال دیا اور ان کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر ڈالا۔ یہ صورت دیکھ کر طاہر وجہ کو عبور کر کے آگے بڑھا اور بڑی مشکلوں سے ان کو شکست دے کر ہٹایا، لیکن بغداد کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ بہت سے امراء شہر چھوڑ کر طاہر سے مل گئے۔ امین کے حقیقی بھائی موتمن نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خزیمہ بن حازم اور محمد بن علی نے جو ہرثمہ کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھے، امین کی بیعت توڑ کر ہرثمہ کو عسکر کرم (بغداد کا ایک حصہ) میں داخل کر دیا۔ ان کے مل جانے سے بغداد میں کوئی مزاحم باقی نہ رہ گیا اور طاہر دوسرے دن شہر میں داخل ہو گیا اور یہاں امن عامہ کی منادی کرا دی۔

بغداد میں شاہی قصور و محلات کا ایک وسیع سلسلہ تھا۔ جن میں سے ہر ایک محل مستقل قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ طاہر نے ان سب کا محاصرہ کر کے قلعہ شکن آلات نصب کرا دیئے۔ اس سلسلہ میں مدینۃ المنصور کا بھی جس میں امین فروکش تھا، محاصرہ ہوا۔ گو بہت سے امراء امین کا ساتھ چھوڑ چکے تھے، پھر بھی ان کی تھوڑی تعداد اس کے ساتھ تھی۔ مدینۃ المنصور کے محاصرہ کے بعد ان میں سے اکثر امراء اور افسران فوج سے لے کر لونڈی تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ صرف چند مخصوص جان نثار باقی رہ گئے۔ اس وقت اس کے ہوا خواہ محمد بن حاتم اور محمد بن ابراہیم نے

اسے صلاح دی کہ ہمارے پاس سات ہزار سپاہ موجود ہے۔ ہم کو راتوں رات شام نکل جانا چاہیے۔ وہاں محفوظ جائے پناہ مل جائے گی اور آپ اطمینان سے اپنے لیے کوشش کیجئے گا۔ امین نے اسے منظور کر لیا۔ طاہر کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے امین کے بعض امراء کو جو اس سے مل گئے تھے، مجبور کیا کہ جس طرح ممکن ہو اس کو اس ارادہ سے روکو۔ ان لوگوں نے جا کر امین کو ڈرایا کہ محمد بن ابراہیم اور محمد بن حاتم طاہر سے سرخروئی حاصل کرنے کے لیے دھوکا دے کر آپ کو اس کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کہیں جانے کا قصد نہ کیجئے۔ آپ کی بھلائی اس میں ہے کہ ہرثمہ سے پناہ مانگ کر اپنے کو اس کے حوالہ کر دیجئے۔ ان لوگوں کے واپس جانے کے بعد ابن حاتم اور ابن ابراہیم نے امین کو بہت سمجھایا کہ اگر پناہ ہی لینا ہے تو طاہر سے لیجئے، لیکن اس پر وہ آمادہ نہ ہوا اور ہرثمہ سے پناہ کی درخواست کی، اگرچہ ہرثمہ مامونی افسر تھا، لیکن ہارون کا نمک خوار تھا اور عرب تھا۔ اس لیے وہ امین کے ساتھ بھی کوئی ناروا سلوک پسند نہ کرتا تھا، چنانچہ اس نے امین کو اپنی پناہ میں لے لیا اور وعدہ کیا کہ میں آپ کی حفاظت میں اپنی جان فدا کروں گا۔

طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت گھبرایا کہ اگر امین ہرثمہ کی پناہ میں چلا گیا تو اس مہم کی کامیابی کا سہرا اسی کے سر ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے امین کے محل کے گرد خفیہ پہرا لگا دیا کہ وہ جیسے ہی نکلے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ امین کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے جب دیکھا کہ پناہ مانگنے کے بعد بھی اس کی جان بخشی ہوتی نظر نہیں آتی تو اس نے نکل جانا چاہا اور ہرثمہ کو اس کی خبر کر دی۔ اس نے سمجھایا کہ تھوڑا توقف کیجئے میں آپ کی حفاظت کا سامان کر لوں تو چلے جائیے گا، مگر امین پر کچھ ایسا خوف و ہراس طاری تھا کہ وہ ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ہرثمہ نے مجبور ہو کر کشتیاں تیار کر دیں۔ امین نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور آخری مرتبہ ان سے رورہ کر جدا ہوا۔ امین کی گرفتاری اور قتل محل سے نکل کر کشتیوں پر بیٹھا۔ ہرثمہ نے اس کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا۔ طاہر کے آدمی پہلے سے

چھپے ہوئے تھے۔ جیسے ہی کشتیاں چلیں۔ انہوں نے دفعتاً حملہ کر کے ڈبو دیا۔ امین کو کسی نہ کسی طرح ملاح نے نکال لیا اور وہ پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ رات کو طاہر کے آدمیوں نے قید خانہ میں گھس کر قتل کر دیا اور اس کا سر قلم کر کے طاہر کے حضور میں پیش کیا۔ اس نے ان لوگوں کی عبرت کے لیے پہلے اسے نصب کرایا، پھر معہ عصا و خاتم اور روئے خلافت کے مامون کے پاس بھجوا دیا اور محرم ۹۸ھ میں بغداد پر مامون کا مکمل قبضہ ہو گیا اور جمعہ کے دن جامع بغداد میں بحیثیت خلیفہ اس کے نام کا پہلا خطبہ پڑھا گیا۔ (یہ تمام واقعات ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۳۸ تا ۲۴۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

عسام حالات: امین نہایت خوش رو، کشیدہ قامت اور شجاع و بہادر تھا۔ علمی استعداد بھی خاصی تھی۔ فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء میں مہارت رکھتا تھا، لیکن تدبیر و سیاست سے خالی اور عیش پرستی کا دلدادہ تھا، چنانچہ حکومت ملنے کے بعد لہو و لعب، سیر و تماشا، عیش و عشرت میں ایسا ڈوب کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ خوجہ سراؤں کو بڑی بڑی قیمتوں پر خرید کر ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ ان کو اپنا محرم راز اور امور سلطنت میں مشیر کار بنایا۔ تمام ممالک محروسہ سے مسخروں کو جمع کر کے ان کے بڑے بڑے مشاہرے مقرر کیے۔ ہر قسم کے جانوروں کو جمع کر کے عجائب خانہ قائم کیا۔ اپنے بھائیوں، خاندان شاہی کے ارکان اور افسران فوج کو دربار سے الگ کر دیا۔ ان کی تحقیر و تذلیل کی، بیت المال کا کل نقد و جنس خوجہ سراؤں اور اپنے ہم نشینوں میں تقسیم کر دیا۔ عیش پرستی اور تفریحی مشاغل کے لیے طرح طرح کی زہمت گاہیں بنوائیں۔ وجلہ کی سیر کے لیے شیر، ہاتھی، عقاب، سانپ اور گھوڑوں کی شکل کے قیمتی بجرے بنوائے، جن پر بیٹھ کر وجلہ کی سیر کا لطف اٹھاتا تھا۔ (طبری جلد ۱، ص ۹۵۲، ۹۵۳) شبانہ روز حسین عورتوں اور مسخروں کے ساتھ انہی رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا۔ فضل بن ربیع اس کے پردہ میں حکومت کرتا تھا اور وہ شراب و کباب اور رنگ رلیوں میں ڈوبا رہتا تھا۔ یہی غفلت اور لاپرواہی اس کی تباہی کا سبب بنی۔ اس کی غفلت کے علاوہ اس کے خود غرض

وزیر فضل بن رنج کے نا عاقبت اندیشانہ مشوروں نے اس کو اور زیادہ تباہ کیا۔ فضل بن رنج معمولی حالت سے ترقی کر کے وزارت کے درجہ تک پہنچا تھا۔ منصور کے زمانہ میں حاجب تھا۔ ہارون کے زمانہ میں برا مکہ کے قتل کے بعد وزیر بنا اور آخر تک اس عہدہ پر رہا۔ ہارون کی وفات کے بعد امین کا وزیر ہوا۔ گو یہ سلاطین کے آداب اور ان کے حالات کا واقف کار اور بڑا علم دوست تھا۔ وزارت ملنے کے بعد اس نے علماء و فضلاء کی مجلس قائم کر دی تھی۔ مشہور شاعر ابونواس اس کا درباری شاعر تھا، لیکن ان خوبیوں کے ساتھ حد درجہ حاسد اور کینہ پرور تھا۔ برا مکہ کے عروج پر حسد کر کے ہارون کو ان کے خلاف ورغایا۔ برا مکہ کے زوال کے اسباب میں ایک سبب اس کی کینہ پروری بھی تھی۔ پھر مامون سے نمک حرامی کر کے امین سے مل گیا اور دونوں بھائیوں کو لڑا کر حکومت بغداد کو کمزور کیا، پھر امین کی شکست کے بعد روپوش ہو گیا اور طاہر بن حسین کی سفارش پر مامون نے اس کی خطاؤں سے درگزر کیا۔ اس نے ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔

(ابن خلکان جلد ۱، ص ۴۱۲ و الفخری ص ۹۴، ۹۷)

عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون

(۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء)

امین کے قتل کے بعد محرم ۱۹۸ھ میں بغداد میں مامون کی بیعت ہوئی

طاہر کے خلاف فوج کی بغاوت: طاہر کے پاس دولت اور خزانہ نہ تھا۔ اس نے محض حسن تدبیر اور فوجوں کو آئندہ کے لیے سبز باغ دکھا کر امین کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی، چنانچہ مامون کی بیعت کے بعد جب فوج نے طاہر سے روپیہ کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو پورا نہ کر سکا، اس لیے وہ باغی ہو گئی۔ ابھی بغداد میں طاہر کے قدم پورے طور پر جمے نہ تھے۔ اس لیے اس کو عتقوب بھاگ جانا پڑا، جو افسران فوج اس کے ساتھ رہ گئے تھے۔ انہوں نے باغیوں سے مقابلہ کا ارادہ کیا، لیکن پھر خود باغی فوج کے سرداروں اور بغداد کے عمائد نے طاہر سے معذرت کر لی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

نصر بن شہبث عقیلی کی بغاوت: امین خالص ہاشمی تھا اور مامون میں ناہمال کی جانب سے عجمی خون کی بھی آمیزش تھی۔ اس لیے امین کے مقابلہ میں اہل عجم نے اس کی بڑی مدد کی تھی اور انہی کی مدد سے وہ کامیاب ہوا تھا۔ اس لیے امین کے قتل کے بعد عربی اور عجمی سوال پیدا ہو گیا اور ایک عرب سردار شہبث عقیلی نواح حلب میں مامون کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ بہت سے اعراب اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس نے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور دریائے فرات کو عبور کر کے مشرقی علاقے کی طرف بڑھا۔ مامون نے طاہر کو موصل، جزیرہ اور شام کا والی بنا کر نصر بن شہبث کے مقابلہ پر مامور کیا۔ اس نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ اس کو مطیع بنانے کی کوشش کی۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کیسوم کے قریب اس کا مقابلہ کیا۔ اس میں بھی ناکام رہا اور ابن شہبث مسلسل گیارہ سال تک باغی رہا۔ ۲۰۹ھ میں طاہر کے لڑکے عبداللہ نے بڑی مشکلوں سے اس کو قابو میں کیا اور کیسوم کا قلعہ مسمار کر دیا۔ (ابن اشیر جلد ۶، ص ۱۰۰، ۱۰۱) اس کی مزید تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

محمد بن ابراہیم کا خروج: ۱۹۹ھ میں خاندان اہل بیت کے ایک بزرگ محمد بن ابراہیم المعروف بن ابن طباطبای علوی نے عراق میں خلافت کا دعویٰ کیا اور ان کی قوت اتنی بڑھی کہ کچھ دنوں کے لیے اسلامی سلطنت کے بڑے حصہ سے مامون کی حکومت اٹھ گئی۔ ان کے خروج کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ صحیح تر روایت یہ ہے کہ ایک جرائم پیشہ آدمی ابوالسرایا اپنا جتھہ بنا کر ڈاکہ زنی کرتا تھا۔ امین و مامون کی جنگ میں وہ مامون کی فوج میں شامل ہو گیا۔

امین کے قتل کے بعد فوجی اخراجات کی تخفیف کے سلسلہ میں ابوالسرایا کی تنخواہ کم کر دی گئی۔ اس وقت وہ حکومت کے خلاف ہو گیا اور حج کے بہانہ سے رخصت لے کر الگ ہو گیا اور جتھہ بنا کر حکومت کے عمال پر چھاپا مارنے لگا، لیکن اس طریقہ سے جب اس کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی تو اس نے محمد بن طباطبای کی بیعت کر لی۔

(ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۳ ملخصاً)

یعقوبی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب مامون نے حسن بن سہل کو عراق وغیرہ کا عامل بنایا تو سری بن منصور شیبانی المعروف بابی السرایا نے کوفہ میں بغاوت کی اور محمد بن ابراہیم علوی المعروف بہ ابن طباطبا اس کے ساتھ تھے۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۴۰)

محمد بن ابراہیم کی موت اور محمد بن محمد کی بیعت: کوفہ ہمیشہ سے شیعان علی کا مرکز تھا۔ اس لیے ابن طباطبا کی دعوت بہت جلد مقبول ہو گئی اور کوفہ اور نواح کوفہ کے ہزاروں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی مدد سے ابوسرایا نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ کوفہ کے عامل سلیمان بن منصور نے زہیر بن مصیب نصی کو دس ہزار فوج کے ساتھ ابن طباطبا کے مقابلہ کے لیے بھیجا، لیکن ان کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ اس لیے زہیر کو شکست فاش ہوئی اور شکست خوردہ فوج کا ساز و سامان ابوسرایا نے بطور مال غنیمت اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔ ابن طباطبا نے اس کو روک دیا۔

عوام کی عقیدت محمد بن ابراہیم کے ساتھ تھی۔ ان کے مقابلہ میں ابوسرایا کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسے لوگ محض ان کے خادم کی حیثیت سے مانتے تھے۔ ابوسرایا نے جب دیکھا کہ ان کی موجودگی میں اس کا ذاتی اثر قائم نہیں ہو سکتا تو اس نے محمد بن ابراہیم کو زہر دے کر ہلاک کر دیا، لیکن بغیر کسی سہارے کے وہ خود کچھ بھی نہ تھا۔ اس لیے نام کے لیے اس نے اس خاندان کے ایک نو عمر لڑکے محمد بن محمد زید بن علی بن حسین کو محمد بن ابراہیم کا جانشین بنایا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۳)

عباسی اعمال کا اخراج اور ابوسرایا کا قبضہ: زہیر کی ناکامی کے بعد حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد کو ابوسرایا کے مقابلہ پر مامور کیا۔ اس نے بڑی فاش شکست کھائی اور اس کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا اور ابوسرایا نے کوفہ میں اپنا سکھ

رانج کر دیا اور عراق، عرب میں اپنے والی مقرر کیے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۳) یعقوبی کا بیان ہے کہ اس نے علاقہ جبل، کیسوم، دیار مضر، قنسرین، حلب، حماہ، بصرہ، واسط، یمن، حجاز، نصیبین، موصل، میافارقین، آرمینیا، آذربائیجان وغیرہ تمام مقاموں میں عمال مقرر کر کے بھیجے۔ جنہوں نے چند دنوں میں اکثر مقامات سے عباسی عمال کو نکال کر ان پر قبضہ کر لیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۴۰، ۵۴۱) یہ صورت دیکھ کر حسن بن اہل نے مشہور مامونی جنرل ہرثمہ بن اعین کو ابوالسرایا کے مقابلہ میں مامور کیا اور علی بن سعید کو واسط اور مدائن بھیجا۔ ابوالسرایا نے فوراً مدائن کی حفاظت کا انتظام کیا اور اس کی فوجیں علی بن سعید سے پہلے یہاں پہنچ گئیں، لیکن علی نے اسے یہاں سے نکال دیا۔ دوسری طرف قصر ابن ہبیرہ میں ابوالسرایا اور ہرثمہ کا مقابلہ ہوا۔ ابوالسرایا کے کچھ آدمی مارے گئے اور وہ ہٹ کر کوفہ چلا گیا اور یہاں کے عباسیوں اور ان کے متعلقین کی جائیدادیں تباہ کر کے انہیں کوفہ سے نکال دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۴)

مکہ پر حسین الافطس کا قبضہ: اس دوران میں حج کا موسم آ گیا۔ ابوالسرایا نے اپنی جانب سے بن حسن الافطس کو امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا۔ عباسی حکومت کی جانب سے داؤد بن عیسیٰ امیر الحج تھا۔ امیر مسرور نے اس سے کہا کہ تم تیار ہو جاؤ۔ میں حسین الافطس کو یہاں سے نکال دوں گا، لیکن انہوں نے حرم میں کشت و خون پسند نہ کیا اور مکہ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے بٹنے کے بعد حسین الافطس جو صرف میں مقیم تھے، مکہ میں داخل ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۵)

ابو السرایا کا قتل: ابوالسرایا کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد ہرثمہ نے کوفہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابوالسرایا محاصرہ کی سختیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور چند ہی دنوں میں یہاں سے خفیہ نکل گیا اور ہرثمہ کوفہ میں داخل ہو گیا۔ کوفہ سے نکلنے کے بعد ابوالسرایا نے راستہ میں ابو ازکاسر کاری مال لوٹ لیا اور یہاں کے عباسی حاکم حسین بن علی سے لڑ گیا۔ اس نے شکست دے کر اس کی جماعت منتشر کر دی اور وہ اس عین کی سمت

نکل گیا۔ نو عمر امام محمد اس کے ساتھ تھے۔ جلوہء میں حماد الکندغوش نے ابوالسرایا کو پکڑ کے حسن بن سہل کے پاس بھیج دیا۔ اس نے قتل کر کے اس کا سر مامون کے ملاحظہ کے لیے دارالخلافہ بھیج دیا اور جسم باغیوں کی عبرت کے لیے بغداد کے پل پر آویزاں کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۹)

ابوالسرایا کے قتل کے بعد اس کی جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ علی بن سعید نے اس کے بصری والی موسیٰ بن جعفر صادق سے بصرہ خالی کرالیا اور حجاز پر قبضہ کے لیے فوجیں روانہ کیں۔

محمد بن جعفر صادق کی بیعت: مکہ پر حسین الافطس کے قبضہ کے بعد ان کے آدمیوں نے حرم کی بڑی بے حرمتی کی۔ مکہ کے تمام عباسیوں کا مال و متاع لوٹ لیا۔ اس سلسلہ میں اور بہت سے بے گناہوں کا مال ضبط ہوا۔ حرم کے ستونوں سے سونے کے پتر چھڑا لیے اور خانہ کعبہ کا کل قیمتی سامان لے کر اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ حرم کی اس توہین پر اہل مکہ میں بڑی برہمی پھیل گئی، لیکن ابوالسرایا کی موجودگی میں وہ بے بسی کی وجہ سے خاموش رہے تھے۔ اس کے قتل کے بعد جب حسین الافطس کا بازو ٹوٹ گیا اور ان کو اہل حرم کی جانب سے انتقام کا خطرہ پیدا ہوا تو اہل بیت نبوی ﷺ کے ایک مقدس بزرگ حضرت محمد بن جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے اس منصب کو قبول فرمائیے۔ کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو گا۔ محمد ابن جعفر ایک گوشہ نشین آدمی تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا، مگر حسین الافطس نے ان کے صاحبزادے علی بن محمد کو درمیان میں ڈال کر آمادہ کر لیا اور اہل مکہ سے طوعاً کرہاً ان کی بیعت لے کر ان کو امیر المؤمنین کا لقب دیا اور ان کے نام کو آڑ بنا کر ان کے لڑکوں علی اور حسین نے اس تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اہل مکہ کی برہمی اور حسین الافطس کی شکست: محمد بن

جعفر کو خلیفہ بنانے کے بعد حسین الافطس نے اور کھل کھیل اور حرم محترم کے اندر فسق و فجور کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دن دیہاڑے عورتوں اور مردوں کو پکڑ لے جاتے تھے۔ بالاخر حرم کے باشندوں نے ان کی بدکاری سے عاجز آ کر محمد بن جعفر سے فریاد کی کہ آپ اس کو روکیے، ورنہ ہم آپ کی بیعت فسخ کر کے آپ کو قتل کر دیں گے۔ وہ ان باتوں سے بالکل بے خبر تھے اس لیے لاعلمی ظاہر کی اور اس کے تدارک کی مہلت مانگی اور اپنے لڑکے کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں اسحاق بن موسیٰ عباسی فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ علویوں نے مقابلہ کیا، لیکن اسحاق نے حرمی کی بے حرمتی کے خیال سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور معمولی جنگ کے بعد لوٹ گیا۔ راستہ میں دو اور افسر، جلو دی اور رجا، جنہیں ہرثمہ نے فوجیں دے کر بھیجا تھا۔ اسے ملے۔ یہ دونوں اسے مکہ واپس لے گئے اور سب نے مل کر حسین الافطس کو بڑی فاش شکست دی۔ محمد بن جعفر کو نا کردہ گناہ عباسی فوج کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔

جمادی الثانی ۲۰۰ھ میں مکہ پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا اور محمد بن جعفر جھپٹے چلے گئے۔ راستہ میں ان کو چند عباسی موالی نے لوٹ لیا۔ اس لیے وہ آدمی جمع کر کے مدینہ کے والی ہارون ابن میثب کے مقابلہ میں آ گئے، لیکن شکست کھائی۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ خود ان کی ایک آنکھ ضائع ہوئی اور رجا اور جلو دی کی پناہ میں جا کر آخری ذوالحجہ ۲۰۰ھ میں اہل مکہ کے سامنے اپنی برات ظاہر کی کہ مجھے مامون کی موت کی غلط اطلاع ملی تھی۔ اس لیے لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے، اس لیے مجھے ندامت ہے اور میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ یہ تقریر کر کے وہ عراق چلے گئے اور حجاز و عراق میں امن قائم ہو گیا۔ (یہ واقعات طبری سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ ص ۹۸۸ تا ۹۹۴) یمن کے علوی عامل ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر تھے۔ جس زمانہ میں یمن ان کے متعلق کیا گیا تھا، اس زمانہ میں یہاں کا عباسی عامل اسحاق بن موسیٰ مکہ کی مہم میں مصروف تھا۔ اس لیے انہیں یمن کے

داخلہ میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی اور یمن کے قبضہ کے بعد انہوں نے ایک عقلی کو یمن کے قافلہ کا امیر لُج بنا کر مکہ بھیجا، مگر یہاں معتمد مع افسران فوج کے موجود تھا۔ اس لیے مکہ کے باہر ہی بستان ابن عامر میں ٹھہرنا پڑا۔ اسی درمیان میں غلاف کعبہ اور عطریات حرم کا قافلہ ادھر سے گزرا۔ اس قافلہ کے ساتھ تجارت بھی تھی۔ عقلی نے ان کا کل ساز و سامان اور غلاف کعبہ و عطریات حرم سب لوٹ لیے۔ معتمد نے جلودی کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس نے کل سامان اس سے چھینا اور کوڑوں سے پیٹ کر ان سب کو بھگادیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۷)

ہرثمہ بن اعین کا قتل: اسی ۲۰۰ھ میں ہرثمہ بن اعین جس کے کارنامے اوپر گزر چکے ہیں۔ عربی اور عجمی رقابت کا شکار ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح سفاح اور منصور کے زمانہ میں ابو مسلم خراسانی اور رشید کے زمانہ میں برا مکہ حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ اسی طرح مامون کے زمانہ میں وزیر اعظم فضل بن سہل المقتلب بہ ذوالریاستین اور اس کے بھائی حسن بن سہل کی کارگزاریوں کی وجہ سے ان کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ حکومت کا کل سیاہ و سپید ان کے ہاتھ میں ہو گیا تھا اور وہ ملک کی خبریں تک مامون کے کانوں تک نہ پہنچنے دیتے تھے۔ یہ دونوں عجمی تھے اور ہرثمہ عرب تھا۔ اسے ان کا اقتدار پسند نہ تھا۔ اس نے مامون کو اس خطرہ سے آگاہ کرنا چاہا، چنانچہ ابوالسرایا کا فتنہ دبانے کے بعد اس نے مامون کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ راستہ میں اس کو مامون کا یہ حکم ملا کہ: ”اس کی خدمت کے صلہ میں حجاز و شام میں سے جس کو وہ پسند کرے وہاں کا اس کو حاکم بنا دیا گیا اور وہ حکم ملتے ہی فوراً روانہ ہو جائے، لیکن ہرثمہ فضل کے استبداد کی جانب اسے متوجہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اس لیے اس حکم کی فوری تعمیل نہ کی۔ فضل بن سہل کو ہرثمہ کے خیالات اور اس کے اندرونی ارادے کا پورا اندازہ تھا۔ اس لیے اس نے مامون کو بھڑکا دیا کہ ہرثمہ ابوالسرایا کا خاص آدمی ہے اور اس کی بغاوت میں اس کا ہاتھ بھی شامل تھا، اگر وہ نہ چاہتا تو یہ

ہنگامہ نہ ہوتا۔ اس کی سرکشی کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ وہ امیر المومنین کے حکم کے باوجود واپس نہیں گیا، اگر اس وقت درگزر سے کام لیا گیا تو دوسروں پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ مامون پر فضل کا بڑا اثر تھا، اس لیے وہ اس کے بھڑکانے میں آ گیا۔ ہرثمہ نے قریب پہنچ کر اس خیال سے کہ ذوالریاستین اس کی آمد کو مامون سے چھپا نہ سکے۔ طبل و دمامہ بجواتا ہوا داخل ہوا۔ مامون نے آواز سنی تو پوچھا یہ کیا ہے؟ فضل کے آدمیوں نے کہا ہرثمہ کڑکٹا اور چمکتا ہوا آ رہا ہے۔ مامون پہلے ہی سے اس سے برگشتہ ہو چکا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اور برہم کر دیا۔ چنانچہ ہرثمہ مامون کی خدمت میں جب باریاب ہوا تو اس نے اس سے کہا: تم نے کوفہ میں علویوں کو بڑھنے کا موقع دیا اور ابو اسریا کو بھڑکایا، اگر تم چاہتے تو ان سب کو پکڑ سکتے تھے۔ ہرثمہ نے ہر چند معذرت کی، لیکن مامون نے شنوائی نہ کی اور اس کو پٹوا کر قید کر دیا اور قید ہی میں قتل کر دیا گیا اور مامون ایک بڑے اور خیر خواہ عرب سردار سے محروم ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۷)

فوج کی بغاوت: ہرثمہ کی فوج میں جو عرب تھے وہ بھی قدرتا ذوالریاستین اور اس کے بھائی حسن کے خلاف تھے۔ ہرثمہ جس زمانہ میں خراسان کی مہم میں مصروف تھا۔ اس زمانہ میں اس کی فوج نے حسن بن سہل اور اس کے تمام افسروں کو بغداد سے نکلوا دیا تھا اور حسن کو مدائن بھیج دیا تھا۔ ہرثمہ کے قتل پر حسن بن سہل کو فوج کے بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس نے امیر علی بن ہشام کے پاس کہا کہ فوج کی تنخواہ رکوا دی۔ اس پر وہ بگڑ گئی اور ایک عرب سردار محمد بن ابی خالد جو علی بن ہشام کے خلاف تھا، فوج کا رہنما بن گیا۔ بنی ہاشم اور بغداد کے عربوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور محمد بن ابی نے علی بن ہشام کو بغداد سے نکال دیا۔ اسے نکالنے کے بعد ۲۰۱ھ میں منصور بن مہدی کو خلیفہ بنانا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ اس کے انکار پر اس کو مامون کا نائب بنا دیا۔ حسن بن سہل اس وقت مدائن میں تھا۔ اسے یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے واسطہ چلا گیا محمد بن ابی خالد نے اس کا تعاقب کیا اور راستہ میں اس کی فوجوں کو شکست دیتا ہوا واسطہ

پہنچا۔ یہاں حسن کی فوجوں سے بڑا زبردست مقابلہ ہوا۔ ابن ابی خالد بڑا سخت زخمی ہوا۔ اس کی فوج پسپا ہو گئی، لیکن اس حالت میں بھی وہ برابر لڑتا رہا، تا آنکہ حسن کی فوجوں کو شکست دے کر اس کا مکمل سامان چھین لیا۔ یہ صورت دیکھ کر حسن خود مقابلہ پر آیا۔ دونوں میں بڑی پر زور جنگ ہوئی، لیکن محمد زخمی ہو چکا تھا۔ تازہ دم فوجوں کا مقابلہ دشوار تھا، اس لیے بغداد لوٹ گیا۔ یہاں پہنچ کر زخموں کے صدمہ سے مر گیا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے ابو زبیل نے اس کی جگہ لی۔ اسے حسن بن سہل نے مغلوب کر لیا اور وہ شکست کھا کر اپنے بھائی ہارون کے پاس نیل چلا گیا۔ حسن کی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ہارون کو شکست دی اور وہ مدائن چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۶) اس بغاوت میں وہ تمام بنی ہاشم اور عرب افسران فوج جو حسن بن سہل کے خلاف تھے۔ محمد بن ابی خالد کے ساتھ تھے، اس کی موت کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم مجوسی بن مجوسی حسن بن سہل کی حکومت برداشت نہیں کریں گے اور مامون کی بیعت فسخ کر کے منصور بن مہدی کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ اس نے انکار کیا، البتہ اس شرط پر اس کی نیابت قبول کر لی کہ اگر مامون خود آ جائے (مامون اب تک خراسان میں تھا) یا کسی کو اپنی جانب سے حاکم بنا کر بھیج دے تو وہ ہٹ جائے گا۔

بغداد میں شورش اور اس کا تدارک: اس بغاوت کی وجہ سے بغداد میں سخت بد امنی پھیل گئی۔ یہاں کے اوباشوں اور لٹیروں نے دن دیہاڑے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ رہ گئی۔ عورتوں کو اعلانیہ چھین لے جاتے تھے اور دیہاتوں کو لوٹتے پھرتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا۔ لوٹا ہوا مال اعلانیہ بازاروں میں بیچتے تھے اور کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا۔ یہ صورت دیکھ کر ایک شخص خالد بن درویش نے اہل بغداد کو ساتھ لے کر لٹیروں کا مقابلہ کیا اور ایک خراسانی سہل بن سلامہ انصاری نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ذریعہ اس بد امنی کو روکنے کی کوشش کی اور بڑی مشکلوں سے یہ شورش رفع ہوئی۔ (ابو الفداء

جلد ۲، ص ۲۲) بغداد کے اکثر اوباش منصور بن مہدی اور عیسیٰ بن ابی خالد کے جتھے کے تھے۔ اس لیے قیام امن کے بعد ان دونوں کی قوت کمزور ہو گئی۔ عیسیٰ بن محمد عرصہ سے حسن بن سہل سے خفیہ امان کی درخواست کر رہا تھا۔ حسن بھی اس فتنہ و فساد سے گھبرا گیا تھا۔ اس لیے چند شرائط پر دونوں میں صلح ہو گئی اور حسن نے عفو عام کا اعلان کر دیا اور شوال ۲۰۱ھ میں باغی فوجیں منتشر ہو گئیں اور اہل بغداد کو سکون حاصل ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۱۰)

علی بن موسیٰ رضا کی ولی عہدی: ابھی یہ شورش فرو ہوئی تھی کہ اس سے بھی بڑا انقلاب پھا ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مامون اپنے اسلاف کے برعکس اہل بیت نبوی ﷺ سے محبت رکھتا تھا اور حضرت علی بن موسیٰ رضا سے اس کو اتنی محبت تھی کہ ۲۰۱ھ میں اس نے ان کو ولی عہد بنا کر تمام ممالک محروسہ میں اس کا اعلان کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ فوج میں عباسی حکومت کے سیاہ رنگ کے بجائے آئندہ سے سبز فاطمی رنگ کی وردیاں استعمال کی جائیں اور فوج اور بنی ہاشم سے علی بن موسیٰ رضا کی بیعت لی جائے۔ اس حکم پر کچھ وابستگان دولت تو راضی ہو گئے، لیکن اکثروں نے اسے بھی حسن بن سہل کا جو محبان اہل بیت میں تھا، شعبدہ سمجھا۔ بنی عباس میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہو گئی اور انہوں نے مامون کی بیعت توڑ کر اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا۔ مہدی عباسی کے لڑکوں منصور اور ابراہیم نے خاص طور سے اس کی مخالفت کی اور جب بغداد میں علی رضا کی بیعت لی جانے لگی، تو عباسیوں نے اعلان کیا کہ وہ مامون کی بیعت فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر چکے ہیں اور ایک شخص کو سکھا دیا کہ جب مؤذن جمعہ کی اذان دے تو وہ کہے کہ ہم لوگ خطبہ میں مامون کے بعد ابراہیم کا نام چاہتے ہیں اور بعضوں کو ہدایت کی کہ وہ صاف کہہ دیں کہ ہم مامون کو مطلق نہیں چاہتے۔ اس کی بجائے ابراہیم کی بیعت کی جائے اور ان کے بعد ان کا بھتیجا اسحاق نامزد کیا جائے۔ غرض جمعہ کے دن عباسیوں

نے مامون سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا۔ (تفصیل کے لیے طبری جلد ۱۱، ص ۱۰۱۲ تا ۱۰۱۴)

ابراہیم کی بیعت: اور آغاز ۲۰۲ھ میں اہل بغداد نے بھی ابراہیم کی بیعت کر کے اس کو المبارک لقب دیا اور جمعہ کے دن بنی ہاشم اور افسران فوج نے بھی درجہ بدرجہ بیعت کر لی۔ فوج کو دو درہم فی کس تقسیم کیے گئے، جن کو نقد نہ مل سکا انہیں سواد کے علاقہ سے غلہ دلایا گیا اور ابراہیم نے بغداد میں اپنے حکام مقرر کیے اور کوفہ اور سواد پر قبضہ کر کے مدائن میں فوجیں اتار دیں۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۱۰۱۵ تا ۱۰۱۶) اس انقلاب میں ابراہیم کے نقیب مطلب بن عبد اللہ اس میں پیش پیش تھے۔

مامون کسی بے خبری اور انکشاف حقیقت: بغداد میں اتنا عظیم الشان انقلاب ہو گیا، لیکن ذوالریاستین نے اپنے مصالح کی بنا پر مامون کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔ امام علی رضا کو اس کی اطلاع مل چکی تھی۔ انہوں نے صحیح واقعات اس کے گوش گزار کیے اور اسے بتایا کہ اہل بغداد نے آپ کی بیعت توڑ کر ابراہیم کو خلیفہ بنالیا ہے۔ مامون نے کہا کہ فضل کی اطلاع تو یہ ہے کہ خلیفہ نہیں بلکہ امیر بنالیا ہے۔ امام موصوف نے اس کی تردید کی اور متعدد فوجی افسروں نے شہادت دی کہ فضل آپ سے اصل واقعات چھپاتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت کر لی ہے اور اس کو ”سنی“ خلیفہ کا لقب دیا ہے اور امام رضا کی ولی عہدی کی وجہ سے آپ پر فرض کا اتہام لگاتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ظاہر کی کہ گزشتہ انقلاب میں صرف ہرثمہ نے آپ کی خلافت بچائی تھی اور آپ کے پاس خیر خواہانہ مشورہ دینے کے لیے آیا تھا، لیکن فضل نے اس کو قتل کر دیا۔ طاہر جس کے دست و بازو نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا، اس کو فضل نے رقتہ کے ایک گمنام گوشہ میں ڈال دیا ہے اور اس کی بے مثال شجاعت سے حکومت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو یہ واقعات رونمانہ ہونے دیتا۔ ان واقعات کے سنانے کے بعد افسروں نے درخواست کی کہ آپ بغداد چلیے۔ بغدادی آپ کو دیکھ کر اب بھی سراطاعت خم کر دیں

گے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۰۸)

مامون کا سفر بغداد اور وزیر اعظم کا قتل: اصل واقعات کے بے نقاب ہونے کے بعد رجب ۲۰۲ھ میں مامون مرو روانہ ہوا۔ فضل کو ان افسروں کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے مامون کی جان بخشی کے باوجود ان کو سخت سزائیں دیں۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا نے مامون کو اس کی جانب توجہ دلائی۔ اس نے کہا میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ ابھی مامون سرخس پہنچا تھا کہ ۲/ شعبان ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین فضل بن سہل ایک حمام میں خفیہ قتل کر دیا گیا اور قاتل روپوش ہو گئے۔ مامون نے ان کا پتہ چلانے والے کے لیے دس ہزار انعام مقرر کیا۔ عباس بن جشم دینوری نے ان کو گرفتار کیا۔ ان میں سے ایک غالب مسعودی، دوسرا قسطنطین رومی، تیسرا فرج دیلمی اور چوتھا موفق حقلی تھا۔ یہ سب مامون کے سامنے پیش ہوئے اور کہا کہ آپ ہی نے ہمیں قتل کا حکم دیا تھا۔ مامون اس پر بہت برہم ہوا اور اسی وقت سب کے سر قلم کر کے فضل کے بھائی حسن کے پاس بھجوا دیئے اور تعزیت میں لکھا کہ فضل کے قتل سے تم لوگوں پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا مجھے اندازہ ہے اور اس کی تلافی کے لیے فضل کی جگہ حسن کو وزارت عظمیٰ پر ممتاز کیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کی۔ اس حسن تلافی سے بڑی حد تک حسن کی تسلی ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۱۸)

مطلب بن عبد اللہ کی علیحدگی: مامون کی خراسان سے روانگی کے بعد ابراہیم کے سب سے بڑے حامی مطلب ابن عبد اللہ کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ ابراہیم کی خلافت چند روزہ ہے، تو ان کا ساتھ چھوڑ کر مامون کے طرفدار بن گئے اور بیماری کے بہانہ سے مدائن کو چھوڑ کر بغداد چلے آئے اور ابراہیم کی بیعت فسخ کر کے مامون کی خلافت اور منصور بن مہدی کی ولی عہدی کی خفیہ کوشش شروع کر دی۔ منصور بن مہدی، خزیمہ بن خازم اور متعدد فوجی افسر اس کام میں ان کے مددگار بن گئے۔ مطلب نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ علی بن ہشام اور حمید کو ابراہیم کے مقابلہ کا

حکم دیا۔ ابراہیم کو اس کی خبر ہوئی تو وہ مدائن سے زندہ رو دپہنچے اور منصور اور خزیمہ کو گرفتار کرالیا، لیکن مطلب بچ گئے۔ منصور نے ان کا گھر لٹوا دیا۔ علی بن ہشام اور حمید کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے پلٹ کر مدائن پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۰)

امام عسلی بن موسیٰ رضا کی وفات: مامون کو امام علی رضا سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنی ایک لڑکی ام حبیب ان سے بیاہ دی تھی اور دوسری ام فضل محمد بن علی رضا سے۔ شادی کے چند ہی دنوں بعد علی رضا دفعۃً انتقال کر گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ یہ موت انکو رکھانے سے ہوئی۔ اسی لیے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ان انگوڑوں میں خود مامون نے زہر ملوایا تھا، لیکن یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

عیسیٰ بن محمد کی علیحدگی: مامون جس دن خراسان سے بغداد روانہ ہوا تھا، اسی دن سے ابراہیم کے حامی ان کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ علی رضا کی موت کے بعد جب مخالفت کا اصل سبب جاتا رہا تو ان کے بہت سے حامی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ ۲۰۳ھ میں ان کا سب سے بڑا حامی عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد بھی خفیہ ان کے خلاف ہو گیا اور انہیں گرفتار کر دینے کی سازش کی۔ ابراہیم بار بار جنگ کرنے کا حکم دیتے تھے، لیکن وہ کسی نہ کسی بہانہ سے ٹال دیتا تھا۔ عیسیٰ کے بھائی ہارون نے جو عیسیٰ کے خلاف تھا، ابراہیم کو اس سازش کی خبر دی۔ انہوں نے عیسیٰ کو بلا بھیجا۔ پہلے اس نے حیلہ کیا، مگر پھر ابراہیم کے اصرار پر اسے آنا پڑا۔ ابراہیم نے اس کو کوڑوں سے پٹوایا اور اس کے ساتھیوں سمیت قید کر دیا۔ ان میں سے بعض آدمی جن میں ایک عباس بھی تھا، قید سے نکل گئے اور لوگوں کو ابراہیم کے خلاف ورغلا کر ان کے بعض عہدہ داروں کو بغداد سے نکال دیا اور حمید کو بغداد حوالہ کرنے کے لیے بلا بھیجا۔ اس لیے پھر بغداد میں ہنگامہ مچا ہوا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۰)

مامون اور ابراہیم کے حامیوں کی جنگ: عیسیٰ بن محمد کا اہل بغداد پر بڑا اثر تھا۔ اس لیے اس کی گرفتاری سے وہ سب ابراہیم کے خلاف ہو گئے اور

ان کی بیعت توڑ دی۔ اسی دوران میں حمید جسے عباس نے بغداد حوالہ کرنے کے لیے بلایا تھا، پہنچ گیا۔ عباس اور بغدادی افسران فوج آ کر اس سے مل گئے اور یہ طے پایا کہ فوج بھی ابراہیم کی بیعت منسوخ کر دے اور جمعہ کے دن خطبہ میں ابراہیم کے بجائے مامون کا نام لیا جائے اور اس کے صلہ میں فی سپاہی پچاس دینار انعام دیا جائے گا۔ ابراہیم کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بغدادیوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے عیسیٰ کو قید سے نکال کر بحال کرنا چاہا، لیکن اس نے انکار کر دیا اور بغداد میں قرارداد کے مطابق جمعہ کے دن خطبہ میں ابراہیم کے بجائے مامون کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ حمید نے اس کے صلہ میں سپاہیوں کو مقررہ رقم سے دس دس درہم زیادہ دیئے۔

مامون کی فوجوں کا بغداد میں داخلہ اور ابراہیم کا فرار: بغداد میں مامون کی بیعت کا عام رجحان دیکھ کر ابراہیم کے اکثر اعوان و انصار اور افسران فوج ان کا ساتھ چھوڑ کر حمید سے آ کر مل گئے اور مدائن پر جو ابراہیم کے قبضہ میں تھا، حمید کا قبضہ کر دیا۔ ابراہیم نے اپنے باقی ماندہ آدمیوں کو حمید سے لڑنے کا جبری حکم دیا۔ یہ لوگ چارونا چار بے دلی سے نکلے اور شکست کھائی اور حمید کی فوج بغداد میں داخل ہو گئی۔ اس کے داخلہ کے بعد بنی ہاشم افسران فوج اور عمائد شہر سب یکے بعد دیگرے حمید سے مل گئے۔ بغداد پر قبضہ کے بعد ابراہیم کی گرفتاری کی تدبیر ہو رہی تھی کہ ان کو اس کی خبر ہو گئی اور وہ راتوں رات بھاگ نکلے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا اور ایک سال گیارہ مہینے کے بعد ان کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۱، ۱۲۲)

بغداد میں مامون کا داخلہ: بغداد پر قبضہ اور قیام امن کے بعد مامون عراق کا دورہ کرتا ہوا صفر ۲۰۴ھ میں مع خدم و حشم بغداد آیا۔ مامون کا بدلا ہوا سبز رنگ جو اہل بیت کا نشان تھا، ابھی تک باقی تھا، لیکن اہل بغداد کو اس رنگ سے اتنی نفرت تھی کہ جہاں اس رنگ کا لباس دیکھتے پھاڑ ڈالتے، چنانچہ بنی عباس اور خراسانی فوج نے مامون سے

کہہ کر یہ رنگ بدلوایا اور پھر قدیم عباسی سیاہ رنگ جاری ہو گیا۔ سب سے پہلے طاہر بن حسین نے اپنے لیے سیاہ رنگ کی اجازت لی۔ اس کے بعد تمام عمال حکومت کو سیاہ خلعیں ملیں اور پھر سیاہ رنگ حکومت کا رنگ قرار پایا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۱، ۱۲۲)

فضل بن ریح جو مامون و امین کے اختلاف کی بنیاد تھا۔ روپوش ہو گیا تھا۔ مامون کو معلوم ہوا کہ وہ مر گیا۔ اس لیے اس نے اس کا کل مال و متاع ضبط کر لیا، لیکن ایک دن دفعۃً طالب امن کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مامون کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس نے کہا:

”جب وہ دوسری دنیا سے دوبارہ لوٹا ہے تو ہارون بھی اس کے ساتھ ہو گا۔ اور باپ کی یادگار کی حیثیت سے اس کو امان دے کر اس کا کل مال و متاع واپس کر دیا۔

خراسان کی ولایت پر طاہر بن حسین کا نفوذ: ۲۰۵ھ میں مامون نے اپنے مشہور و معروف جنرل طاہر بن حسین کو تمام مشرقی ممالک یعنی خراسان سے لے کر سندھ تک کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن مامون اپنی نبیذ پی رہا تھا کہ طاہر آیا۔ مامون نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ طاہر نے دست بستہ عرض کی خادم کو آقا کے سامنے بیٹھنے کی مجال نہیں۔ مامون نے کہا یہ آداب درباری ہیں۔ نجی صحبتوں میں اس کے برتنے کی ضرورت نہیں۔ اثنائے گفتگو میں طاہر کی نظر مامون کی آنکھوں پر پڑی، دیکھا کہ ڈبڈبائی ہوئی ہیں۔ عرض کی ایسے وقت میں جبکہ پورا ملک حضور کے زیر فرمان ہے، رعایا مطیع اور ان کے دلوں میں حضور کی محبت ہے، رونے کا کیا موقع ہے؟ مامون نے کہا اس راز کو افشا کرنا ذلت اور چھپانا تکلیف دہ ہے۔ اس کے بعد طاہر چلا گیا، لیکن اس کے دل میں برابر یہ راز کھلتا رہا اور اس نے مامون کے ساقی اور ندیم خاص حسین کو دو لاکھ درہم دیئے کہ وہ کسی موقع پر اس معمر کو حمل کرے، چنانچہ دوسرے دن جب مامون نے نبیذ مانگی تو حسین نے اصرار سے پوچھا کہ گزشتہ شب کو طاہر کے آنے پر حضور کی آنکھیں کیوں ڈبڈبائی تھیں؟ مامون نے کہا تم اس راز کو کیوں پوچھتے ہو؟ اس نے کہا اس واقعہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ مامون نے کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں

لیکن اگر تم نے اس کو اپنی زبان سے نکالا تو سر قلم کر دوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب طاہر کو دیکھتا ہوں تو بھائی امین کی ذلت اور بے کسی کی موت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی دن طاہر کو میرے ہاتھ سے نقصان پہنچ جائے۔ طاہر کو یہ راز معلوم ہوا تو وہ بہت گھبرایا۔ اس نے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح مامون سے دور کسی مقام پر بھجوا دے۔ اس نے وعدہ کیا، چنانچہ دوسرے دن جب وزیر مذکور دربار گیا تو اس نے مامون سے کہا کہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ اس نے پوچھا کیوں؟ کہا آپ نے غسان کو خراسان کا والی بنایا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر کسی دن ترک اٹھ کھڑے ہوئے تو اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ مامون نے کہا میں بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔ تمہاری نظر میں کون اس عہدے کا اہل ہے؟ اس نے طاہر کا نام لیا۔ مامون نے کہا مجھ کو اس کی طرف سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ احمد بن ابی خالد نے کہا، میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ احمد کی سفارش پر مامون نے ذیقعدہ ۲۰۶ھ میں طاہر کو کل مشرقی صوبہ جات کا والی بنایا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۲، ۱۲۳) اسی طاہر کی نسبت سے خراسان میں طاہریہ خاندان پیدا ہو کر حکمران رہا۔ طاہر کے بعد اس کا بیٹا گورنر ہوا اور دولت عباسیہ کے تحت یہ پہلی نیم خود مختار حکومت قائم ہوئی۔ ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک رہی اور یعقوب صفا کے ہاتھ سے اس کا خاتمہ ہو گیا (مامون کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ طاہر تقریباً دو ہی سال بعد باغی ہو گیا اور خطبہ میں اس کا نام نہیں لیا۔ مامون کو خبر ہوئی تو اس نے احمد بن ابی خالد کو بلا کر کہا تمہاری ذمہ داری پر اس کا تقرر ہوا تھا۔ اس لیے اس کو فوراً حاضر کرو، لیکن بغاوت کی خبر کے بعد اس کی موت کی خبر آ گئی۔ اس لیے احمد بن ابی خالد مواخذہ سے بچ گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

نصر بن سیار پر فوج کشی اور گرفتاری: اوپر گزر چکا ہے کہ امین کے قتل کے بعد اس کے ایک عرب سردار نصر بن شیبہ ابن سیار عقیلی نے کیسوم میں علم بغاوت بلند کیا تھا، لیکن اس وقت مامون اس سے بڑی مہموں میں مشغول تھا۔ اس

لیے ادھر توجہ نہ کر سکا اور نصر نے رفتہ رفتہ بڑی قوت حاصل کر لی۔

بغداد پر قبضہ کے بعد جب مامون کو اطمینان ہوا تو ۲۰۶ھ میں اس نے طاہر کے لڑکے عبداللہ کو رقبہ سے مصر تک کا والی بنا کر نصر کے مقابلہ پر مامور کیا۔ اس موقع پر اس کے باپ طاہر (یہ واقعہ طاہر کی موت سے پہلے کا ہے) نے اس کو اصول سیاست و جہان بانی کے متعلق ایک مفصل دستور العمل لکھ کر دیا، جو اپنی جامعیت اور خوبی کے اعتبار سے عدیم المثال تھا۔ طبری اور ابن اثیر نے اس کو پورا نقل کیا ہے۔ مامون نے اس کی نقلیں تمام ممالک محروسہ کے عمال کے پاس بھجوائیں۔ عبداللہ اس دستور العمل کو لے کر روانہ ہوا اور ۲۰۹ھ میں نصر کا محاصرہ کر لیا اور وہ چند شرائط پر امان لینے پر مجبور ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۱) مامون نے محمد بن جعفر عامری کو نصر سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ نصر نے اور تمام باتیں منظور کر لیں، لیکن دربار کی حاضری سے معافی چاہی۔ مامون نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے اتنا کیوں گھبراتا ہے؟ محمد بن جعفر عامری نے کہا اپنے جرم کی وجہ سے شرمندہ ہے۔ مامون نے کہا وہ فضل بن ربیع اور عیسیٰ بن محمد سے بڑا مجرم نہیں ہے۔ جنہوں نے میری حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ میں نے انہیں معاف کر دیا۔ محمد نے کہا یہ ارشاد بجا ہے، لیکن ان کے آباؤ اجداد کی خدمات ان کی سفارشی تھیں اور نصر کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ چند دنوں تک تو اپنی ضد پر قائم رہا، لیکن عبداللہ بن طاہر نے اس کو اس قدر تنگ کیا کہ آخر میں اس نے غیر مشروط طور پر اپنے کو عبداللہ کے حوالہ کر دیا۔ اس نے اس کو مامون کے پاس بھجوایا اور اس کا قلعہ سمار کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴)

افریقہ کی بغاوت: مامون کے زمانہ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن اب یہاں اغلیوں کی نیم خود مختار حکومت قائم ہو گئی تھی، جن کا عباسیہ سے محض برائے نام تعلق تھا۔ اس لیے ان کے حالات قلم انداز کئے جاتے ہیں۔

عبدالرحمن بن احمد علوی کا خروج: مامون نے اپنے اسلاف

کے مقابلہ میں علویوں کے ساتھ اپنا طرز عمل بدل دیا تھا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ امام رضا کی محبت میں اس نے اپنی خلافت تک خطرہ میں ڈال دی تھی، لیکن علویوں کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ آیا اور انہوں نے اس کے ساتھ بھی اپنی قدیم مخالفانہ روشن قائم رکھی، چنانچہ ۲۰۷ھ میں عبدالرحمن بن احمد بن عبداللہ ابن محمد بن عمر بن علی نے یمن میں اہل بیت کی دعوت شروع کی۔ یمنی عباسی عمال کے خلاف تھے۔ اس لیے بہت سے یمنی عبدالرحمن کے ساتھ ہو گئے۔ مامون کو یہ حالات معلوم ہوئے تو ۲۰۷ھ میں اس نے دینار بن عبداللہ کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا، لیکن اتنا لحاظ اس وقت بھی رکھا ہے کہ عبدالرحمن کے لیے امان نامہ لکھ کر دے دیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے، چنانچہ دینار نے یمن پہنچ کر پہلے یہ امان نامہ بھجوایا۔ عبدالرحمن نے اسے قبول کر لیا اور عبداللہ کے ساتھ مامون کے پاس چلے آئے۔ مامون انہیں امان دے چکا تھا۔ اس لیے ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، لیکن علویوں سے بد دل ہو کر انہیں دربار میں داخلہ کی ممانعت کر دی اور ان کے خاندانی سبز رنگ کی بجائے سیاہ عباسی رنگ استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۹)

ابراہیم کسے حامیوں کی سازش: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد میں مامون کے داخلہ کے وقت ابراہیم ابن مہدی روپوش ہو گئے تھے۔ گواب ان میں کوئی دم خم نہ رہ گیا تھا، لیکن ان کے بعض حامی و خواہ ابراہیم بن محمد المعروف بابن عائشہ، محمد بن ابراہیم افریقی اور مالک بن شاہی وغیرہ خفیہ ان کی بیعت کے لیے کوشاں تھے، چنانچہ ۲۱۰ھ میں انہوں نے یہ سازش کی کہ جب بغدادی فوج نصر بن شیبہ عقیلی کی مہم سے فراغت کے بعد واپس آئے اور بغداد کے پل کو عبور کرنے لگے تو پل توڑ دیا جائے۔ عمران القطر بلبی کو اس کا علم ہو گیا، اس نے حکام کو اطلاع دے دی اور سب سازشی گرفتار کر لیے گئے۔ انہوں نے چند دوسرے آدمیوں کو شریک جرم بتا کر پھنسانا

چاہا لیکن مامون نے اس کو باور نہ کیا اور صرف ابن عائشہ اور ابن شامی کو جن پر قید خانہ میں نقب لگانے کا بھی الزام تھا، قتل کرا دیا۔

عبداللہ بن سری کی بغاوت اور اسکندریہ سے اندلسیوں کا اخراج: بغداد کے انقلاب نے بعض عمال میں خود سری کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا، چنانچہ ۲۰۵ھ میں سری بن محمد والی مصر کے لڑکے عبداللہ نے جو اپنے باپ کی موت کے بعد ۲۰۵ھ میں اس جگہ والی ہوا۔ علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور اہل اندلس کے ایک جرگہ نے جنہیں حکم بن ہشام نے وہاں سے نکال دیا تھا، اسکندریہ پر قبضہ کر کے ابو حفص بلوطی کو اپنا سردار بنالیا تھا اور مصر و اسکندریہ دونوں خطرے میں پڑ گئے تھے۔

اوپر گزر چکا ہے، مامون نے عبداللہ بن طاہر کو مصر کا والی بنا کر نصر بن شیبہ کے مقابلہ پر مامور کیا تھا۔ اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے ۲۱۰ھ میں عبداللہ بن سری ابن محمد کی طرف توجہ کی اور اسے شکست دے کر مطیع بنایا۔ اس کے بعد اندلسیوں کو اسکندریہ سے نکلانے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ ان میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اس شرط پر خود چھوڑ دیا کہ انہیں کسی قریبی جزیرہ میں نکل جانے دیا جائے، چنانچہ یہاں سے نکل کر کریٹ میں آباد ہو گئے۔ ان کی اولاد مدتوں اس جزیرہ کی حکمران رہی، تا آنکہ فرنگیوں نے ان کو یہاں سے نکالا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۶، ۱۳۸)

قسم کسی بغاوت: اسی سن میں قم میں بغاوت رونما ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مامون نے عراق کے دورے کے سلسلہ میں رے کا خراج گٹھا دیا تھا۔ قم کے باشندے بھی اس رعایت کے طالب ہوئے، لیکن مامون نے ان کی درخواست نہ سنی۔ انہوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ مامون نے علی بن ہشام کو بھیجا۔ اس نے انہیں زیر کر کے سرکشی کی سزائیں مقررہ رقم سے کئی گنا زیادہ وصول کیا۔

زریق بن علی کی بغاوت: اسی زمانہ میں موصل کے ایک عرب زریق بن

علی ازدی نے کردستان اور آذربائیجان کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ سید بن انس ازدی والی موصل نے اس کو ہٹانے کی کوشش کی۔ دونوں میں کئی معرکے ہوئے۔ ۲۲۱ھ میں زریق چالیس ہزار فوج لے کر چڑھ آیا۔ ابن انس نے مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں کام آ گیا۔ مامون کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید کو اس سے انتقام لینے اور بابک خرمی کی شورش (اس کا حال آئندہ آتا ہے) دبانے کے لیے بھیجا۔ زاب میں دونوں کا سامنا ہوا۔ محمد بن حمید نے اس کو اطاعت کی دعوت دی۔ اس نے مسترد کر دی۔ اس کے انکار پر محمد بن حمید اور محمد بن سید نے مل کر زریق کو شکست دی اور اس نے جان بخشی کرا کے اپنے کو حوالہ کر دیا۔ محمد بن حمید نے اسے مامون کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے اس کی کل املاک ضبط کرنے کا حکم دیا۔ زریق کے لڑکوں نے اس حکم کی تعمیل میں کوئی تا مل نہیں کیا۔ اس لیے محمد نے ان کی اطاعت کیشی کے صلہ میں جائیداد انہیں واپس کر دی۔ زریق سے فراغت کے بعد محمد بن حمید آذربائیجان جس پر بعض مخالفین قابض ہو گئے تھے، روانہ ہو گیا، لیکن اس کے پہنچنے سے پیشتر یعلیٰ بن مرہ نے انہیں نکال کر آذربائیجان واپس لے لیا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۶، ۱۳۸)

بابک خرمی کا خروج: ۲۰۱ھ میں ایک باطنی عجمی بابک خرمی ایک نئی تحریک جو اس کی نسبت سے خرمی مشہور ہے، لے کر اٹھا۔ یہ تحریک ایران کے پرانے مذہب مزدکی کی پیدوار ہے۔ مزدکی مذہب کے ایران سے مٹنے کے بعد سب سے پہلے ایک مجوسی جاویدان نے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوسرے عجمی مذاہب کی طرح تناخ اس کا بنیادی عقیدہ تھا اور چونکہ اس عقیدہ میں فنا نہیں ہے، بلکہ محض قالب بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے اس نے اپنا لقب جاویدان یعنی ہمیشہ رہنے والا رکھا۔ اسلامی عہد میں بابک نے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور دعویٰ کیا کہ تناخ کے ذریعہ جاویدان کی روح اس میں منتقل ہو گئی ہے اور وہ اس کا جانشین ہے۔ مزدکی مذہب میں ابا حیت

یعنی جنسی تمتع کے لیے بلا کسی قید کے مطلق آزادی کی خاص تعلیم تھی۔ اس لیے بابک نے خرمی یعنی شادمانی اپنا لقب رکھا۔ اس آزادی کی وجہ سے ہزاروں آدمی اس میں شریک ہو گئے۔ (کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۵۱ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۱)

یہ تحریک مذہبی رنگ میں تھی، لیکن درحقیقت مسلمانوں کے خلاف ایک سیاسی تحریک تھی، چنانچہ بابک نے اسلامی آبادیوں پر حملہ کر کے ہزاروں مسلمان تہ تیغ کر دیئے۔ مامون نے کئی فوجیں اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیں، لیکن سب ناکام واپس ہوئیں۔ ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید اس مہم پر مامور ہوا، چنانچہ وہ زریق کو مطیع بنانے کے بعد بڑے اہتمام سے بابک کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ بابک نے ایک دشوار گزار کوہستان کو اپنا مرکز بنایا تھا۔ محمد بن حمید اس کو طے کر کے مقام ہشتادہ پہنچا اور فوجوں کو از سر نو مرتب کر کے آگے روانہ کر دیا اور خود ان کی حفاظت کے لیے پیچھے رہا۔ بابک پہاڑی کے اوپر دروں میں چھپا ہوا تھا۔ جیسے ہی مسلمان اس کی زد پر پہنچے، بابک دفعۃً کمین گاہ سے نکل کر ٹوٹ پڑا۔ محمد بن حمید نے ہر چند مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن بابک کا حملہ ایسا ناگہانی اور سخت تھا کہ وہ سنبھل نہ سکے اور خرمیوں نے محمد بن حمید کو قتل کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۹، ۱۴۰) مامونی عہد میں ان ہنگاموں کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوئے، لیکن وہ چند اہل لائق ذکر نہیں ہیں۔

فتوحات: اگرچہ مامون کا قریب قریب پورا عہد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے فرو کرنے اور حکومت کے بگڑتے ہوئے نظام کو درست کرنے میں گزرا، لیکن اس کے باوجود فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد نہایت کامیاب رہا اور اس پر شور عہد میں بعض اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔ یہ فتوحات مختلف سنوں میں ہوتی رہیں، لیکن تسلسل کے خیال سے ان سب کو متفرق طور پر لکھنے کے بجائے شورش اور ہنگاموں کے بعد ایک جگہ لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

شہادہ کما بیل کسی اطاعت: ٹھیک بغداد کی شورش کے زمانہ میں جب کہ ایک

طرف اس کی فوجیں بغداد کے محاصرہ میں مصروف تھیں۔ دوسری طرف اس کا ایک حصہ کوہستان کابل میں برسر پیکار تھا؛ چنانچہ اسی زمانہ میں کابل کے بادشاہ نے اطاعت قبول کر کے اسلام قبول کیا اور تاج شاہی مامون کی پیش کش کے لیے بھیجا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۹ تا ۴۳۶)

بادشاہ اشروسنہ کی اطاعت اور اسلام: عین اسی زمانہ میں ترکستان کے فرمانرواؤں سے بھی مقابلہ جاری رہا اور یہاں بعض فتوحات بھی ہوئیں۔ چنانچہ اشروسنہ کے بادشاہ کاؤس نے ذوالریاستین فضل بن سہل سے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اگر ہمارے حدود سلطنت میں مداخلت نہ کی جائے تو ہم اس کے بدلہ میں ایک مقررہ رقم پیش کرتے رہیں گے۔ ذوالریاستین نے یہ درخواست قبول کر لی تھی، لیکن جب مامون بغداد آیا تو کاؤس معاہدہ پر قائم نہ رہا۔ اس لیے مامون نے اس کی تادیب کے لیے فوجیں روانہ کیں اور کاؤس کو نقض عہد کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنا پڑا۔ کاؤس کے دو لڑکے تھے، فضل و حیدر (حیدر کا ترکی نام انشین تھا) کاؤس نے فضل کی شادی اپنے ایک مقرب قہرمان کی لڑکی سے کر دی تھی۔ اس تعلق سے قہرمان فضل کی تعریف اور حیدر کی مذمت کیا کرتا تھا۔ حیدر نے غصہ میں آ کر قہرمان کو قتل کر دیا، لیکن پھر باپ کے خوف سے گھبرایا اور اس کے مواخذہ سے بچنے کے لیے مامون کی خدمت میں جا کر اس سے کہا کہ اشروسنہ نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ بھی بتا دیا۔ مامون کاؤس کے نقض عہد کی وجہ سے پہلے سے برہم تھا۔ اس لیے فوراً احمد بن ابی خالد کو اشروسنہ پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ کاؤس کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ترک سلاطین سے مدد مانگی۔ ان میں ایک شخص وہم نے امداد دینے کا وعدہ کیا، لیکن اس کی مدد آنے سے پہلے ہی احمد اشروسنہ پہنچ گیا۔ کاؤس اس وقت اشروسنہ سے دور تھا۔ اس لیے احمد کی فوج کشی کی خبر سن کر گھبرایا۔ اس کے دوسرے لڑکے حیدر پر بھی جو وہم کی مدد کے لیے آ رہا تھا، ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بھی امدادی فوج کو راستہ میں چھوڑ

کرباپ کے پاس چلا گیا اور ترکی دستہ میں پانی کی قلت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور کاؤس کے لیے اطاعت قبول کرنے کے سوا چارہ کار نہ رہ گیا، چنانچہ اس نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ مامون نے اس صلہ میں اس کی حکومت قائم رکھی اور اس کے بعد اس کے لڑکے حیدر کو اس کا قائم مقام بنایا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۶ تا ۱۳۷)

طبرستان کے پہاڑی امراء کسی اطاعت: ۲۰۱ھ میں عبداللہ بن خروازنہ والی طبرستان نے دہلم پر چڑھائی کی اور بلاذری، شیراز اور طبرستان کے بعض کوہستانی علاقوں کو فتح کر کے ابو لیلیٰ بادشاہ دہلم اور کوہستانی علاقے کے بعض فرمانرواؤں کو مامون کی خدمت میں بھیجا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۱۱)

ایشیائے کوچک کی فتوحات: محرم ۲۱۵ھ میں مامون نے بہ نفس نفیس ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور منج، وابق، اٹھاک، مصیصہ اور طرسوس ہوتا ہوا ایشیائے کوچک میں داخل ہوا اور حسن ماجد کو صلحا اور حسن قرہ کو بزور شمشیر فتح کر کے برباد کر ڈالا اور امیر شناس کو حصن سندس اور جعفر کو حصن ستاذ پر مامور کیا۔ شناس کے قلعہ دار کو گرفتار کر لیا اور ستاذ کے قلعہ دار نے اطاعت قبول کر لی اور مامون ظافرو غانم و شوق واپس گیا۔ اس کے ایک سال بعد رومیوں نے طرسوس اور مصیصہ کے کئی ہزار مسلمان قتل کر ڈالے۔ مامون کو اس کی خبر ہوئی تو ۲۱۷ھ میں پھر روم پر فوج کشی کی اور اطیعو کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اور مامون نے ہر قلعہ کارخ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی مصالحت کر لی اور مامون نے معتمد کو رومی قلعوں کی تسخیر پر مامور کیا۔ اس نے تیس قلعے اور مضمورہ کو فتح کیا اور قاضی یحییٰ بن اکثم نے بہت سے رومی گرفتار کیے اور مامون کیسوم ہوتا ہوا و شوق لوٹ آیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۴۱)

۲۱۷ھ میں پھر نکلا اور لولہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس لیے عجیف کو متعین کر کے خود لوٹ گیا۔ واپسی میں وہ مرض الموت میں مبتلا

ہو گیا۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

مامون کی واپسی کے بعد قیصر روم توفیل مدافعت کے لیے پہنچا۔ اس دوران میں مامون کی بھیجی ہوئی تازہ دم کمک آگئی تھی۔ اس لیے توفیل کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور لولہ کے باشندے اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۵۶) اور مامون نے ان مقامات کی حفاظت کے لیے طوانہ میں قلعہ تعمیر کر کے یہاں مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔

کریٹ کی فتح: جزیرہ کریٹ کا کچھ حصہ ولید اموی اور اس کے بعد ہارون کے زمانہ میں فتح ہوا تھا۔ مامون کے زمانہ میں ابو حفص عمر بن عیسیٰ اندلسی نے یہاں ایک اور قلعہ فتح کیا اور رفتہ رفتہ پورا جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (فتح البلدان ص ۲۴۵)

صقلیہ کی فتح: مامونی دور کی ایک بڑی یادگار صقلیہ کی فتح ہے، گواس کا عباسی حکومت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا سہرا شمالی افریقہ کے حکمران غلبیون کے سر ہے، لیکن وہ عباسی حکومت کے باجگزار تھے اور صقلیہ کی فتح نہایت اہم ہے۔ اس لیے اس کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

صقلیہ پر حملہ کی ابتداء اموی دور میں ہو چکی تھی، لیکن اس کی تسخیر مامونی دور میں عمل میں آئی۔ اس زمانہ میں صقلیہ حکومت قسطنطنیہ کا ایک ماتحت علاقہ تھا اور یہاں کے حکمرانوں کا عزل و نصب قیصر کے اختیار میں تھا۔ صقلیہ کی فتح کے زمانہ میں شہنشاہ روم کی جانب سے قسطنطین یہاں کا حکمران تھا۔ اس نے فینی نامی شخص کو امیر البحر بنایا۔ فینی نے افریقہ کے ساحل پر تاخت کر کے بہت سے تاجروں کو لوٹ لیا اور مدتوں یہاں مقیم رہا۔ ایک مرتبہ قیصر اس سے ناراض ہو گیا اور والی صقلیہ کو اسے گرفتار کر کے سزا دینے کا حکم دیا۔ فینی کے حامی یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور فینی کو قسطنطین کی مخالفت پر آمادہ کیا، چنانچہ افریقہ سے صقلیہ پہنچا اور سر قوسہ پر مخالفانہ قبضہ کر

لیا۔ قسطنطین نے اسے ہٹانے کی کوشش کی مگر خود شکست کھائی۔ فینی نے تعاقب کیا۔ قسطنطین گرفتار ہو کر مارا گیا اور فینی صقلیہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ صقلیہ کی حکومت حاصل کرنے کے بعد اس نے ایک شخص بلاطہ کو جزیرہ کے ایک حصہ کا حاکم بنایا۔ کچھ دنوں کے بعد اس میں اور فینی میں مخالفت ہو گئی اور بلاطہ نے اپنے بھائی میخائل والی بلرم کی مدد سے فینی کو شکست دے کر سر قوسہ پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت افریقہ میں اعلیٰ حکومت کے فرمانروا امیر زیادہ اللہ کا بڑا شہرہ تھا۔ فینی نے بلاطہ سے بدلہ لینے کے لیے زیادہ اللہ کی جانب رجوع کیا اور افریقہ کا سفر کر کے زیادہ اللہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس وقت میری مدد کریں تو صقلیہ کا تاج و تخت آپ کے لیے حاضر ہے۔ جزیرہ صقلیہ مدت سے مسلمانوں کی نگاہ میں تھا۔ اس لیے زیادہ اللہ نے ۲۱۲ھ میں قیروان کے قاضی اسد بن فرات کی ماتحتی میں ایک فوج روانہ کر دی۔ اسد بن فرات ماز پینچ کر یہاں سے بلاطہ کے مقابلہ کے لیے بڑھے۔ راستہ میں رومیوں کی ایک جماعت ملی۔ مسلمانوں نے فینی کی مدد کے بغیر تنہا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی۔ بلاطہ بھاگ کر قلویریہ پہنچا اور وہاں مارا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے متعدد قلعے فتح کیے اور اسد بن فرات نے ایک مشہور قلعہ کا رخ کیا۔ یہاں کے رومیوں نے جمع ہو کر اسد سے کہا کہ ہم جزیرہ دیں گے۔ آپ مہربانی کر کے یہاں کا رخ نہ کیجئے۔ اسد نے منظور کر لیا۔ رومیوں نے اس کو یہ فریب دے کر خفیہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فینی نے بھی جس کا کام اس کے حریف بلاطہ کے خاتمہ کے بعد پورا ہو چکا تھا اور صقلیہ میں مسلمانوں کی مزید فتوحات اس کے مفاد کے خلاف تھیں، رومیوں کو ملک کی حفاظت پر ابھارا، لیکن ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ رہا، چنانچہ مدافعت کی تیاری مکمل کرنے کے بعد انہوں نے جزیرہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس لیے اسد نے ہر طرف فوجیں پھیلا کر سر قومہ کے قرب و جوار کی بہت سی آبادیاں فتح کر لیں اور اس کے بحری اور بری دونوں ناکے گھیر لیے۔ اسی دوران میں افریقہ سے تازہ دم امداد پہنچ

گئی۔ اسی دوران میں بلرم کا حاکم مسلمانوں کی طرف بڑھا۔ انہوں نے بھی مقابلہ کا پورا انتظام کیا۔ فوج کے گرد خندقیں کھود کر دور دور تک گڑھے کھود دیئے۔ رومیوں نے پہنچتے ہی پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور زور میں بہت سے رومی گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوئے۔ مسلمانوں نے سر قومہ کا محاصرہ اور سخت کر دیا۔ اسی دوران میں رومیوں کی مدد کے لیے قسطنطنیہ سے جنگی جہاز پہنچ گئے۔ دوسری طرف اسلامی فوج میں وباء پھیل گئی اور بہت سے مسلمانوں کی جانیں اس میں ضائع ہو گئیں۔ اسد بن فرات بھی اس کا شکار ہو گئے۔ ان کے بعد محمد بن ابی الجواری نے ان کی جگہ لی، لیکن وباء کی ہلاکت آفرینی نے مسلمانوں کی قوت کمزور کر دی تھی۔ اس لیے انہوں نے لوٹ جانے کا عزم کیا، مگر رومیوں نے راستہ روک دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے، چنانچہ انہوں نے لوٹنے کا ارادہ ترک کر کے جہازوں میں آگ لگا دی اور شہر بلنا کو فتح کر کے جہنم کو مکرز قرار دیا۔ ان فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور انہوں نے قسریانہ کا رخ کیا۔ فیمنی بھی ساتھ ساتھ تھا۔ قسریانہ والوں نے اس کے سامنے زمین بوس ہو کر اطاعت کا اظہار کیا اور کہا تاج و تخت آپ کے لیے حاضر ہے اور اطاعت کا فریب دے کر قتل کر دیا۔ قسطنطنیہ سے رومیوں کی امداد کا تار بندھا ہوا تھا، لیکن مسلمانوں نے ان سب کو قتل کر دیا، جو باقی رہ گئے وہ قسریانہ میں داخل ہو گئے۔ اسی دوران میں محمد بن ابی الجواری کا انتقال ہو گیا اور ان کی بجائے زبیر بن غوث امیر قرار پائے۔

ان پیہم فتوحات نے مسلمانوں کی توجہ اصل مقصد سے ہٹا دی اور وہ فتوحات میں زور صرف کرنے کے بجائے لوٹ میں مصروف ہو گئے اور ان کے مختلف جتھے مختلف سمتوں میں چھاپے مارنے لگے۔ ان کو منتشر دیکھ کر رومی ہر طرف سے نکل پڑے اور مختلف مقامات پر ان کو شکست دینے کے بعد ان پر متحدہ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی قوت منتشر ہو چکی تھی، اس لیے فاش شکست کھائی اور ایک ہزار مسلمان قتل ہوئے، جو باقی بچے

وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے، لیکن یہاں بھی رومیوں نے ان کو گھیر لیا اور جنگ کا سلسلہ اتنا بڑھا کہ مسلمانوں کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ رومی خیموں کو چھوڑ کر قریب ہی چھپ گئے تھے۔ اس لیے جیسے ہی مسلمان آگے بڑھے وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ باقی ماندہ لوگ مینا میں داخل ہو گئے۔ رومیوں نے ان کا بہت سخت محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کو جانور کھانے کی نوبت آ گئی اور رومیوں کا زور اتنا بڑھ گیا کہ قلعہ جرجنت کے مسلمان بھی ان کی مدد نہ کر سکے اور یہ لوگ ۲۱۴ھ تک اس پریشانی میں دن کاٹتے رہے۔ ۲۱۴ھ میں اتفاق سے کئی اندلسی اسلامی بیڑے جو جنگ کے لیے نکلے تھے، پہنچ گئے اور افریقہ سے بھی مدد آ گئی۔ ان سب نے رومیوں پر متفقہ حملہ کر کے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دلائی اور انہوں نے ۲۱۶ھ میں دوبارہ بلرم پر قبضہ کر لیا۔ پھر بد قسمتی سے ان میں اور اندلسی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے مستقلیہ کی فتوحات رک گئیں اور پھر مقتسم کے عہد میں ۲۱۹ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا جس کا ذکر اس کے حالات میں آئے گا۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر اور ابن خلدون سے ماخوذ ہیں)

فضل بن سہل کسی وزارت: مامون کا سب سے پہلا وزیر فضل بن سہل تھا۔ اس کا باپ سہل سلاطین فارس کی اولاد میں تھا۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مہدی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سہل نہیں بلکہ اس کے لڑکے فضل نے اسلام قبول کیا۔ فضل علم نجوم کا بڑا ماہر تھا اور اسی کی روشنی میں امور مملکت کو انجام دیتا تھا۔ ابن خلکان نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ بڑا فصیح و بلیغ بڑا سیاستدان اور آداب سلاطین کا واقف کار تھا۔ علم، فیاضی اور سیاست میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ برا مکہ بڑے جوہر شناس تھے، چنانچہ جعفر برکی نے مامون کی خدمت کے لیے ہارون سے فضل کی سفارش کی۔ ہارون نے اس کو جانچنے کے بعد مامون کی خدمت پر مامور

کیا۔ فضل کی عاقبت بین نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن مامون کے ہاتھوں میں خلافت آئے گی۔ اس لیے وہ شروع ہی سے بڑی توقعات رکھتا تھا اور آئندہ کی امید پر مامون پر اپنی کارگزاری اور حسن تدبیر کا سکہ بٹھاتا رہا۔ جب مامون اور امین میں اختلافات شروع ہوئے، اس وقت فضل کو اپنی دیرینہ آرزوؤں کے پورا کرنے کا موقع ملا اور اس نے اپنے حسن تدبیر سے مامون کو مسند خلافت پر بٹھایا۔ خلافت ملنے کے بعد مامون نے اسے وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز اور ذوالریاستین کے لقب سے ملقب کیا کہ تلوار اور قلم دونوں اس کے تابع فرمان تھے۔ اس نے اس شان و شکوہ کی وزارت کی کہ برا مکہ کے سوا اس کی دوسری مثال نہیں مل سکتی، لیکن اس کی خوہری اور استبداد کی وجہ سے اس کا انجام بھی اچھا نہ ہوا۔ اس کے قتل کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ قتل کے وقت بروایت طبری اس کی عمر ۶۲ سال تھی۔ (تفصیل دیکھو ابن خلیکان جلد ۱، ص ۴۱۳، ۴۱۴ و الفخری ص ۲۰۲)

حسن بن سہل: مامون کا دوسرا وزیر فضل کا چھوٹا بھائی سہل تھا۔ گویہ فضل جیسا عالی دماغ نہ تھا، تاہم اس میں بہت سے اوصاف و خصوصیات تھے۔ فیاضی میں فضل سے بڑھا ہوا تھا۔ فضل کے قتل کے بعد مامون نے اس کی دلدہی کے لیے اس کو وزیر بنایا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کی۔ حسن میں فیاضی اور اولوالعزمی کا وصف زیادہ نمایاں تھا۔ بوران کی شادی میں اس نے جس فیاضی کا مظاہرہ کیا، اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ مورخین کا بیان ہے کہ تاریخ اسلام میں اس شان کی شادی کی دوسری مثال نہیں ملتی اور اس عہد مامونی کے اہم واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شادی فم صلح میں ہوئی تھی۔ بارات میں مامون کا سارا خدم و حشم فوج اور جملہ عمائد شامل تھے۔ انیس دن تک بارات مقیم رہی۔ حسن نے بڑی اولوالعزمی سے بارات کی مدارت کی۔ یہ واقعہ خاص طور سے لائق ذکر ہے کہ شادی کے دن کاغذ کے پرزوں پر نقدی، جائیداد اور غلام اور ہر قسم کا نقد و جنس اور ساز و سامان لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر لٹائیں۔ جس کو جو

گولی ملی، فوراً اس کی مرقومہ چیز اس کے حوالہ کی گئی۔ ان گولیوں کے علاوہ طلائی اور نفرتی سکے براتوں پر لٹائے گئے۔ مامون کے بیٹھنے کے لیے خالص سونے کا فرش تھا۔ جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا اوپر سے سچے موتی نچھاور کیے گئے اور جب پہلی مرتبہ مامون بوران سے ملا تو بوران کی دادی نے دو لہا کے اوپر سے ایک ہزار بیش قیمت درہم نچھاور کئے۔ مورخین اس شادی کے اخراجات کا اندازہ پانچ کروڑ کرتے ہیں۔ (الفخری ص ۳۹، ۹۴ و ایضاً ۲۰۳) حسن وزارت سے پہلے طاہر کے مفتوحہ ممالک کا والی تھا۔ فضل کے بعد وزیر اعظم ہوا، لیکن اس کو فضل کے قتل کا ایسا شدید قلق اور اس کے دماغ پر اس کا اتنا اثر تھا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد جنون ہو گیا اور اسی حال میں ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

احمد بن ابی خالد: تیسرا وزیر ابو احمد بن ابی خالد الاحول تھا۔ یہ نہایت عاقل و فرزانہ امور جہاں بانی کا ماہر فصیح و بلیغ اور بڑا انشا پرداز تھا۔ حسن بن سہل کی وزارت کے زمانہ میں مامون نے احمد کو وزیر بنانا چاہا۔ اس نے کہا میں اس عہدہ کے جملہ فرائض انجام دینے کے لیے حاضر ہوں، لیکن امیر المؤمنین مجھے وزارت کے لقب سے ملقب نہ فرمائیں۔ مامون نے اسے نہ قبول کیا اور باقاعدہ اسے وزیر بنا دیا۔ ۲۱۶ھ میں اس نے وفات پائی۔ (الفخری ص ۲۰۵)

احمد بن یوسف: احمد بن ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف بن قسم کو قلم دان وزارت سپرد ہوا۔ یہ بھی فضل و کمال اور ادب و شاعری میں نہایت ممتاز تھا۔ امور جہان بانی اور آداب سلطانی میں مہارت حاصل تھی۔ احمد بن ابی خالد کے بعد حسن بن سہل کی رائے سے وزارت کا عہدہ اس کے متعلق کیا گیا۔ یہ بھی چند دنوں کے بعد مر گیا۔ اس کی موت کے بارہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو مامون نے ایک گستاخی پر سزا دی، اس کے صدمہ سے کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی کسی اغزش کے صدمہ سے مرا۔ (الفخری ص ۲۰۶، ۲۰۷)

ثابت بن یحییٰ: اس کے بعد ابو عبید ثابت بن یحییٰ بن یسار رازی کو منصب وزارت تفویض ہوا۔ یہ ایک اچھا کاتب تھا۔ حساب میں بڑی مہارت رکھتا تھا، لیکن سخت تند مزاج اور سرِ بے غضب تھا۔ غصہ کی حالت میں بالکل قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید: مامون کا سب سے آخری وزیر عبد اللہ محمد بن یزید بن سوید تھا۔ یہ خراسان کا باشندہ تھا۔ اس کے آباؤ اجداد مجوسی تھے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے سوید نے اسلام قبول کیا۔ سوید کے بچپن میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی ماں نے اس کو ایک عجمی کاتب کے حوالہ کر دیا تھا۔ کتاب نے بڑی توجہ سے اس کو تعلیم و تربیت دی۔ خصوصاً فارسی آداب کی نہایت عمدہ تعلیم دی۔ حصول تعلیم کے بعد مرو کے دفتر محاسبی ملازم ہو گیا۔ ایک دن پانی برس رہا تھا، اس لیے دفتر کے مخرور اور بعض دوسرے عہدیدار نہ آ سکے تھے، مگر ان کا میرمنشی آ گیا تھا۔ اس کو کچھ ضروری حساب و کتاب کرنا تھا۔ دفتر بالکل خالی تھا۔ اس لیے خود کام کرنے لگا۔ کام کرتے کرتے اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ کاغذات سوید کے سپرد کر کے سو گیا۔ سوید اس کام سے واقف تھا۔ اس نے اس کو بحسن و خوبی پورا کر دیا۔ میرمنشی کی آنکھ کھلی تو اس نے کاغذات مانگے۔ سوید نے لا کر حاضر کیے، اس نے دیکھا کہ بقیہ کام نہایت خوش اسلوبی اور صفائی سے پورا کر دیا گیا ہے۔ پوچھا کس نے کیا؟ سوید نے کہا میں نے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور اپنے خاص دفتر میں ملازم رکھ لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ ثابت بن یحییٰ کے بعد مامون نے وزارت کے لیے اس کو منتخب کیا اور جملہ امور مملکت اس کے سپرد کر دیئے۔ مامون کی وفات تک وہ اس عہدہ پر رہا۔ (الفخری ص ۲۰۸)

وفات: اوپر گزر چکا ہے کہ مامون نے ارض روم پر فوج کشی کی تھی۔ واپسی میں ایک مقام پر منزل ہوئی۔ قریب ہی دریا بے بدندون تھا۔ اس کی سیر کو گیا اور تفریحاً دریا میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور پانی کی ٹھنڈک اور صفائی کی تعریف کرنے لگا۔ اسی دوران میں

سرکاری ہرکارہ پہنچا اور عراق کے تازہ تازہ کھجور لایا۔ مامون اور اس کے ساتھیوں نے یہیں بیٹھے بیٹھے کھجور کھائے اور دریا کا پانی پیا۔ معلوم نہیں اس میں کیا اثر تھا کہ یہاں سے اٹھتے اٹھتے سب کو بخار آ گیا۔ مامون کو ایسا سخت آیا کہ پھر نہ اترا۔ شاہی طبیب خشوع اور ابن ماسویہ ہرکاب تھے۔ ہر طرح کی تدبیر کی مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا اور بہت جلد معمولی بخار نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتمد ساتھ تھے۔ فقہاء اور قضاة کے روبرو معتمد کو ولی عہد نامزد کر کے ضروری وصیتیں کیں۔ یہ وصیت بہت طویل ہے، اس کے بعض ٹکڑے یہ ہیں:

”میری حالت سے سبق حاصل کرو۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں میرا طریقہ اختیار کرنا، جب تم پر خلافت کی ذمہ داری آئے تو اللہ کے طالب اور اس کے عذاب و عتاب سے خائف کی طرح عمل کرنا۔ اس کی ڈھیل سے دھوکے میں نہ آنا اور یہ سمجھتے رہنا کہ موت سر پر سوار ہے۔ رعایا کے امور سے کبھی غافل نہ رہنا۔ رعایا، عوام، حکومت انہیں سے عبارت ہے۔ مسلمانوں کی نگرانی اور ان کے فائدے سے غفلت نہ کرنا۔ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرنا، اپنی خواہشات کے مقابلہ میں ہمیشہ ان کے مفاد اور صلاح و فلاح کو ترجیح دینا۔ زبردستوں سے زبردستوں کا حق دلانا۔ ان پر بار نہ ڈالنا۔ ان میں باہم انصاف سے کام لینا، انہیں مانوس کرنا، قریب لانا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۱۳۷)

(۱۳۸)

اس سے فراغت کے بعد حالت اور بگڑ گئی۔ لوگوں نے کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ ابن ماسویہ طبیب نے روکا کہ اس وقت ان میں ”معافی“ اور اللہ میں امتیازی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ سن کر مامون نے آنکھیں کھول دیں اور ابن ماسویہ کو پکڑنے کا قصد کیا، مگر طاقت جواب دے چکی تھی۔ کچھ بولنا چاہا، لیکن زبان نے یاری نہ دی۔ بمشکل اتنا کہا کہ ”اے وہ جسے کبھی موت نہ آئے گی، اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے۔ یہ کہہ

طلب کیں؛ چنانچہ ان کے پاس افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلمیوس وغیرہ کی جو کتابیں موجود تھیں، بھیج دیں اور مامون نے ماہرین مترجموں کو ان کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا؛ چنانچہ ان لوگوں نے جہاں تک ممکن تھا، ان کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ ہونے کے بعد پھر مامون نے ان لوگوں کو ان کتابوں کے پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق دلایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے زمانہ میں بغداد میں علم کا بازار گرم ہو گیا اور سلطنت حکمت قائم ہو گئی اور جب علماء اور صاحب و جاہت لوگوں نے دیکھا کہ مامون وابستگان علم و فن کو اپنا مقرب خاص بناتا ہے اور ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر ان کے مناظروں اور ان کے علمی مباحث سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان کو بڑے بلند مراتب پر پہنچاتا ہے تو ان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا شوق پیدا ہو گیا۔ علماء، فقہاء، محدثین، متکلمین، اہل لغت، مورخین، شعراء، ماہرین اور نسابین سب کے ساتھ یہی طرز عمل تھا۔ اس قدر دانی اور علماء کی مسابقت فی العلم سے اسی زمانہ میں اکابر علماء کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جس نے اپنے بعد کے آنے والوں کے لیے طب کا راستہ بنایا اور ادب کے آئین و اصول وضع کیے، تا آنکہ عباسی حکومت رومیوں کے عہد کمال کا مقابلہ کرنے لگی۔

(طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۴۸، ۴۹)

ملاکاتب چلپی لکھتے ہیں کہ جب خلافت مامون کے پاس آئی تو اس نے اپنے دادا ابو جعفر منصور کے کام کو تکمیل تک پہنچایا اور علوم و فنون کو ان کے مرکزوں اور معدنوں سے نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ سلاطین روم سے فلسفہ کی کتابیں مانگ بھیجیں؛ چنانچہ ان لوگوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلمیوس وغیرہ کی کتابیں بھیجیں اور مامون نے ماہر مترجمین سے ان کا ترجمہ کرا کے لوگوں کو ان کی تعلیم کی ترغیب دلائی اور چند دن کے اندر اندر ایک معتد بہ جماعت علوم و فنون سے آراستہ ہو گئی۔ (کشن الطنون ص ۲۶) اس سلسلہ میں ملاکاتب چلپی نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا، پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا ارسطو! پوچھا

بھلائی کیا ہے؟ جواب ملا جسے عقل اچھا کہے۔ پوچھا اس کے بعد؟ کہا جس کو شرع اچھا بتائے۔ اس خواب نے اس کے علمی شوق کو اور تیز کر دیا اور اسی وقت اس نے رومی کتب خانوں کی قدیم کتابوں کی فرمائش میں سلاطین روم کے پاس خطوط لکھے اور حجاج ابن مطر، ابن ابطلہ اور بیت الحکمت کے ناظر کو بھیجا کہ یہ لوگ خود جا کر کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ ان کے آنے کے بعد یوحنا بن ماسویہ ان کے ترجمہ پر مامور ہوا۔ (کشن الفنون ص ۴۴۷) یہ وہ زمانہ تھا کہ عقلی علوم روم میں ایک مصیبت سمجھے جاتے تھے اور یہاں سے علم و فن کا چرچا اٹھ چکا تھا چنانچہ جب مامون کا خط قیصر کے پاس پہنچا اور اس نے کتابوں کی تلاش شروع کی تو ایک خانقاہ نشین راہب نے پتہ بتایا کہ فلاں مقام پر ایک مقفل مکان ہے جس میں قسطنطین نے تمام یونانی کتابیں بند کرادی تھیں۔ اس وقت سے جو بادشاہ ہوتا ہے وہ اس پر ایک قفل کا اور اضافہ کرتا ہے۔ قیصر نے اعیان سلطنت سے مشورہ کیا۔ سب نے کھولنے کا مشورہ دیا، پھر راہب سے پوچھا کہ اگر یہ کتابیں اسلامی ملک میں بھیج دی جائیں تو مجھ پر دنیا میں کوئی وبال یا آخرت میں مواخذہ تو نہ ہوگا۔ تجربہ کار راہب نے جواب دیا، وبال و مواخذہ نہیں بلکہ ثواب ملے گا، کیونکہ یہ چیزیں جس مذہب میں داخل ہوئیں اس کی بنیادیں ہلادیں، چنانچہ مقفل خزانہ کھولا گیا اور اس میں سے بے شمار قدیم یونانی کتابیں نکلیں اور وہ سب مسلمانوں کے ملک میں روانہ کی گئیں۔ مامون نے ان سب کا ترجمہ کرایا۔ اخبارالحکماء ص ۲۳)

بعض مترجمین کے نام یہ ہیں:

یعقوب بن اسحاق کندی، یہ مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے فیلسوف عرب کا معزز لقب حاصل کیا۔ اس کی چھوٹی بڑی تالیفات و تراجم کی تعداد پچاس سے اوپر ہے۔ (طبقات الامم اندلسی ص ۵۲)

حنین بن اسحاق عبادی یہ اپنے عہد کا بڑا صاحب کمال نصرانی طبیب تھا۔ اس کو یونانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اس نے یونانی کتابوں

کے بکثرت عربی اور سریانی تراجم کیے۔ اس کی تالیفات و تراجم بے شمار ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الحکماء ص ۱۱۸ تا ۱۲۲) قسطا بن لوقا بعلبکی نصرانی یہ دولت عباسیہ کا مشہور مترجم ہے۔ اس کو ریاضی، ہندسہ، ہیئت، منطق، طب اور علوم طبعیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ عباسیہ کے زمانہ میں روم گیا اور وہاں سے بہت سی رومی تصانیف ساتھ لایا۔ مترجم کی حیثیت سے بغداد و طلب کیا گیا، چنانچہ یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ (اخبار الحکماء ص ۱۷۳) عمر بن فرخان طبری، یہ علم ہیئت کا بڑا زبردست ماہر تھا۔ مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اس کو بلا کر مترجمین کے زمرہ میں منسلک کیا۔ اس نے بہت سی نجوم کی کتابیں مامون کے لیے ترجمہ کیں۔ نجوم کے علاوہ اس نے فلسفہ کی بعض کتابیں بھی مامون کے لیے لکھیں۔ (طبقات الامم ص ۵۵)

مامون کو یونانی علوم کے ساتھ فارسی علوم سے بھی دلچسپی تھی۔ برا مکہ نے اپنے زمانہ عروج میں فارسی لٹریچر کا بڑا کافی ذخیرہ عربی میں منتقل کرایا تھا۔ مامون کے زمانہ میں یہ عالی شان خاندان تباہ ہو چکا تھا۔ اس لیے فارسی لٹریچر کی قومی سرپرستی ختم ہو گئی تھی۔ تاہم مامون کے ہمہ گیر ذوق سے یہ زبان بھی محروم نہ رہی تھی اور اس نے یونانی زبان کی طرح اس کے لیے بھی ماہر عجی مترجمین فراہم کیے تھے۔ ان میں ایک مجوسی سہل بن ہارون ایرانی علوم کے ساتھ عربی زبان کا بھی بڑا ماہر تھا۔ بڑے بڑے ادیب اس کی انشاء پر دازی کے معترف تھے۔ اس نے کلیلہ و منہ کے طرز پر ایک کتاب الثبلہ و عفراء لکھی۔ اس کا بھائی سعید بھی نہایت لائق تھا۔ مامون نے اس کو بھی مترجم بنایا تھا۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۲۰) مامون ان مترجموں کو بیش قرار معاوضہ دیتا تھا، چنانچہ علاوہ انعام و اکرام کے مترجمہ کتاب کو تول کر اس کے ہم وزن سونا دیتا تھا۔

مامونی عہد میں علم ہیئت میں بھی بڑی ترقی ہوئی، چنانچہ کرہ ارض کی پیمائش اور رصد خانہ کا قیام تاریخ اسلام میں سب سے پہلے اسی عہد میں ہوا۔ اس وقت علمائے ہیئت محسبی کی وجہ سے آلات رصد سے کافی طور پر واقف ہو چکے تھے۔ مامون نے

جب تک فضل بن سہل مامون پر حاوی رہا۔ اس وقت تک اس کو بذات خود امور مملکت کی جانب توجہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ فضل اس کو یہاں تک حالات سے بے خبر رکھتا تھا کہ امام علی رضا کی ولی عہدی کے بعد بغداد سے مامون کی حکومت اٹھ گئی، لیکن اس کو خبر نہ ہونے پائی۔ اس واقعہ نے مامون کو بہت ہوشیار کر دیا تھا، چنانچہ اس انقلاب کے بعد جب اس نے خراسان سے بغداد کا سفر کیا تو راستہ میں جن جن مقامات سے اس کا گزر ہوا، سب میں قیام کر کے وہاں کے حالات سے پوری واقفیت حاصل کی اور وہاں کے باشندوں کی بہتری اور فلاح کی تدبیریں کیں۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۵) اس کے فیض سے سلطنت کے مغربی حصے بھی محروم نہ رہے۔ بغداد آنے کے بعد شام اور مصر وغیرہ کا بھی دور کیا۔ عباسی خلفاء میں یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے قدم سے مصر کو نوازا۔ مقررین نے مصر کے دورے کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ (خطاط مقررین) شام کے دورے کے زیادہ حالات معلوم نہیں، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تفصیلی دورہ تھا اور غیر قوموں سے جو پرانے معاہدے ہوئے تھے ان کی بھی جانچ پڑتال کی تھی، چنانچہ دمشق میں اس کے سامنے آنحضرت ﷺ کا ایک معاہدہ پیش کیا گیا، جس کو اس نے قائم رکھا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۵) بعض علاقوں کے محاصل پر نظر ثانی کر کے خراج گھٹایا۔ رے کے خراج میں تخفیف کی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۵) خبر رسانی اور پرچہ نگار مقرر کیے، ملک کے معمولی سے واقعہ سے بے خبر نہ رہتا تھا۔ اس کی وسعت اطلاع کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ (ابن خلکان تذکرہ مامون)

عدالت: عدل کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد میں بڑا اہتمام تھا۔ اتوار کے دن صبح سے ظہر تک رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے خود بیٹھتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۹)

اس کے ایوان عدالت میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب یکساں تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی شاہزادوں تک سے اپنا حق لے سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شکستہ حال بوڑھی عورت نے استغاثہ دائر کیا کہ مامون کے لڑکے عباس نے اس کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا

ہے۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو مامون نے عباس کو بڈھی کے پاس کھڑا کر کے دونوں کے بیانات لیے۔ شہزادہ فرط ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا اور بڈھی کی آواز بلند تھی۔ وزیر دولت احمد بن ابی خالد نے روکا کہ امیر المؤمنین کے سامنے بلند آواز سے باتیں کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے منع کیا کہ جس طرح کہتی ہے کہنے دو۔ حق نے اس کی آواز بلند کر دی ہے اور عباس کو گونگا کر دیا ہے۔ دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا اور موکل کو لکھ کر اس کی جائیداد واپس کرا دی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ (عقد الفرید ص ۹) جب کبھی خود اسے فریق کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تو اس کے ساتھ بھی کوئی امتیازی برتاؤ نہ کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اس پر بیس ہزار کا دعویٰ کیا۔ مامون کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے اس کے لیے قالین بچھایا۔ قاضی القضاۃ نے روک دیا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہیں۔ کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں کیا جاسکتا۔ مامون نے قاضی کی اس حق پرستی کے صلہ میں تنخواہ بڑھا دی۔ (المستطرف جلد ۱ ص ۱۱۰) عمال کے ظلم و زیادتی کی پوری نگرانی تھی اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا۔ اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آ گیا۔ مامون کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فوراً اس آدمی کو طلب کر کے پوچھا تم کو عمرؓ کا عدل یاد آیا؟ اس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا اللہ کی قسم! اگر میری رعایا عمرؓ کی رعایا جیسی ہوتی تو میں ان سے زیادہ عادل ہوتا اور اس آدمی کو انعام دے کر سپاہی کو موقوف کر دیا۔ (عقد الفرید جلد ۶ ص ۱۶)

اس کا قول تھا کہ بغاوت ہمیشہ عمال کی زیادتیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لیے عمال کو ہمیشہ قیام عدل اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی ہدایت کرتا تھا۔ اس کا اندازہ ان توقیعات یعنی مختصر احکام سے ہوتا ہے جو اس نے عمال کے خلاف دادخواہوں کی

عرضیوں پر لکھے اور جنہیں تاریخ کے اوراق نے محفوظ رکھا ہے۔ چند نمونے یہ ہیں۔ ہشام کو لکھا:

”جب تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تمہارا شنا کی ہوگا۔ میرے دربار میں تمہاری رسائی نہ ہوگی۔“ ہشام کے لڑکے کو لکھا: ”شریف کی پہچان یہ ہے کہ اپنے سے اونچے کو دبائے اور زیر دست سے خوب دب جائے۔ ابو عباد کو لکھا: ”حق و باطل میں کوئی رشتہ نہیں ہے، اپنے ماموں زاد بھائی ابوعیسیٰ کو لکھا: ”جب نفع صور ہوگا تو نسب کام نہ آئے گا۔ حمید طوسی کو لکھا: ”تقرب پر نہ پھولنا، حق میں تم اور ادنیٰ غلام دونوں برابر ہیں۔ ابن فضل طوسی کو لکھا: ”تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا، لیکن رعایا پر ظلم نہیں برداشت کر سکتا۔“ عمر بن مسعدہ کو لکھا: ”اپنی دولت کو عدل سے آباد کرو کہ ظلم اس کو ڈھا دینے والا ہے۔“ (عقد الفرید جلد ۶، ص ۱۶)

حلم و عفو: لیکن اپنی ذات کا جہاں تک تعلق ہے، حد سے زیادہ حلیم و بردبار تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درشتی اور انتقام کا اس میں مادہ ہی نہ تھا۔ اپنے دشمنوں تک سے عفو درگزر سے کام لیتا تھا۔ ابراہیم بن مہدی عباسی جس نے بغداد کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا، جب گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوا اور یہ معذرت کی کہ اگر آپ مواخذہ کریں تو حق بجانب ہیں اور اگر آپ معاف کر دیں تو مہربانی ہے، تو مامون نے اس دشمن کے مقابلہ میں بھی عفو سے کام لیا اور کہا جاؤ میں نے تم کو معاف کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۳)

امین کے درباری شاعر حسین بن ضحاک نے اس کا نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا تھا۔ اس میں مامون کے متعلق بھی بہت سی ناروا باتیں تھیں اور اس کو بدنام کرنے کے لیے اس کے ظلم کی جھوٹی داستانیں بیان کی تھیں۔ جب مامون کے ہاتھوں میں زمام خلافت آئی تو اس نے حسین سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ صرف دربار میں آنے کی

ممانعت کر دی، پھر چند دنوں کے بعد خود ہی اس کو بلا کر پوچھا کہ فلاں فلاں واقعات جو تم نے لکھے ہیں، کہاں تک صحیح ہیں؟ اس نے کہا امیر المومنین میں امین کے قتل پر اپنے جذبات دبانا نہ سکا، فوغم میں غلط اور صحیح کی تمیز کس کو ہوتی ہے۔ میں نے مرحوم کے ماتم کا حق جن لفظوں میں ہو سکا ادا کر دیا، اگر آپ مواخذہ کریں تو آپ کا حق ہے اور بخش دیں تو آپ کی فیاضی ہے۔ یہ سن کر خود مامون کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۳۳)

اس تخل اور عدل کی یہ آخری حد ہے کہ اپنے نوکروں تک کی باتیں سن کر چشم پوشی کر جاتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۱۸۷) اسے عفو میں مزا ملتا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے عفو میں اتنی لذت ملتی ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی امید نہیں، اگر لوگوں کو میرے عفو کا اندازہ ہو جائے تو وہ میرے جرائم کو میرے تقرب کا ذریعہ بنائیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۷) وہ آرزو کرتا تھا کہ ”کاش مجرم میرے عفو سے واقف ہو جاتے تاکہ ان کے دلوں سے مواخذہ کا خوف دور ہو جاتا اور وہ سکون کی مسرت سے لطف اندوز ہوتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۵) مامون کے ایک درباری عبداللہ بن بواب کا بیان ہے کہ بعض اوقات مامون کے حکم پر ہم لوگوں کو غصہ آ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ وجلہ کے کنارے بیٹھا تھا۔ سامنے قنات کھچی ہوئی تھی کہ ایک فلاح ادھر سے گزرا اور یہ اہتمام دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ مامون اپنے بھائی کو قتل کر کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر مامون مسکرا دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا، تم لوگ کوئی ایسی تدبیر بتا سکتے ہو کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۱۸۹)

تواضع اور بے تکلفی: مزاج میں حد سے زیادہ تواضع و انکساری اور سادگی و بے تکلفی تھی۔ خودی اور تمکنت کا نام نہ تھا۔ اپنے خواص اور حاشیہ نشینوں میں نہایت سادگی اور بے تکلفی سے رہتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ بادشاہوں کے لیے پہلا انصاف یہ

ہے کہ وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے ساتھ عدل کریں۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ نیچے طبقتوں تک۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۱۸۹) اپنے کام میں ملازمین کی راحت میں خلل ڈالنا پسند نہ کرتا تھا اور خود کر لیتا تھا۔ دوسروں تک کا کام کر دینے میں کوئی تکلف نہ تھا۔ اس کی اس بے تکلفی اور سادگی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔ قاضی التضاۃ یحییٰ بن اٹم کا جنہیں اس کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا اور اکثر حریم خلافت میں رہنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ بیان ہے کہ میں نے مامون سے زیادہ شریف الطبع نہیں دیکھا۔ ایک شب کو مجھے اس کے پاس سونے کا اتفاق ہوا۔ آدھی رات گئے مجھے پیاس معلوم ہوئی۔ میں پانی پینے کے لیے اٹھا۔ مامون کی نظر پڑ گئی، پوچھا قاضی صاحب کیا بات ہے؟ سوتے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا، امیر المومنین پیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس نے مجھے واپس کر دیا اور خود جا کر آبدار خانہ سے پانی لے آیا۔ میں نے عرض کی کہ امیر المومنین خادم یا خادمہ کو کیوں نہیں جگالیا۔ کہا سب سو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو میں خود ہی پی لیتا۔ بولا انسان کے لیے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰، ص ۱۸۸)

ان ہی قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شام میں شب کو مامون کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ رات کو مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ مامون کو کھانسی آتی ہے اور وہ میری نیند کے خیال سے منہ میں آستین ٹھونس کر کھانسی کو روک رہا ہے۔ آخر شب میں میری آنکھ لگ گئی اور دیر تک نہ کھلی۔ مامون صبح صادق کے وقت مسواک کیا کرتا تھا، لیکن میری نیند ٹوٹ جانے کے خیال سے نہ اٹھا۔ جب وقت بالکل آخر ہونے لگا تو میں نے کروٹ لی، اس وقت اس نے تکبیر کہی اور ملازم کو آواز دی کہ قاضی صاحب کے جوتے لاؤ۔ ایک شب کو اسے پیاس محسوس ہوئی، بہت سے لوگ سو رہے تھے۔ مامون نے ان کی نیند میں خلل پڑنے کے خیال سے ملازم کو آواز

دینا مناسب نہ سمجھا اور خود اٹھ کر پانی پی آیا۔ عبدالسلام بن صالح کا بیان ہے کہ ایک شب کو مامون نے مجھے روک لیا۔ ہم دونوں اتنی رات تک باتیں کرتے رہے کہ چراغ جھلملانے لگے۔ مامون نے روشنی کے محافظ کو آواز دی مگر وہ سو چکا تھا۔ میں نے چاہا کہ اٹھ کر درست کر دوں، لیکن مامون نے روک دیا اور خود اٹھ کر درست کر دیا۔ اس کے بعد ملازم بیدار ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ اس وقت اس پر ضرور ڈانٹ پڑے گی، لیکن مامون نے کچھ نہیں کہا۔ (یہ اور اس قسم کے واقعات خطیب نے نقل کیے ہیں۔ دیکھو جلد ۱۰، ص ۱۸۷ تا ۱۸۹)

فیاضی: فیاضی اور سخاوت اسے باپ سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس کی فیاضی کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ آج شائد ان کے صحیح ماننے میں بھی تاثر ہوگا۔ اس کے نزدیک دولت کا مصرف یہی تھا کہ اس کو لٹایا جائے۔ شعراء، ادباء، اہل کمال، حاجتمند اس کی فیاضیوں سے مالا مال تھے۔ کوئی حاجتمند اس کے دربار سے کبھی ناکام نہ واپس ہوا۔ شعراء کو ایک ایک مشمت پچاس پچاس ہزار دے ڈالتا تھا۔ سیوطی اور ابن اثیر وغیرہ نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ مفلس اور نادار بے بضاعتی کا تحفہ لاتے تھے اور دولت مند ہو کر واپس جاتے تھے۔ بوران اور مامون کی شادی کے موقع پر تمام وابستگان دولت نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفے پیش کیے تھے۔ ایک مفلس نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں پیش کیں اور لکھا کہ اگر چنانچہ داری سے ہمت نہ ہوتی تھی، لیکن مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ اہل کرم کی فہرست میں میرا نام نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت آپ کے حضور میں نذر پیش کرنے کے لیے کافی ہیں۔ حسن بن سہل نے اسے مامون کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے دونوں تھیلیوں کو اشرفیوں سے بھر کے واپس کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۷) اس کی غلط بخششوں کے لیے خزانہ کی آمدنی نا کافی ثابت ہوتی تھی، لیکن مامون کا ہاتھ نہ رکنا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دمشق میں تھا، روپیہ کی تنگی تھی، مگر اتفاق سے جلد ہی خراج کی تین کروڑ کی رقم آ گئی۔ مامون نے اس کا

معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو روپیہ لے کر واپس جائیں اور ہمارے ساتھی محروم رہیں اور اسی وقت کل رقم تقسیم کرا دی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۴۶)

اس کا اصول زندگی یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے اہل حاجت کی حاجات پوری کی جائیں۔ یحییٰ بن خالد برکی سے کہا کرتا تھا کہ لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کا موقع غنیمت جانو۔ آسمان کی گردش اور زمانہ کا ظلم کسی کو اس حالت میں نہیں رہنے دیتا اور نہ کسی کی حیثیت ہمیشہ یکساں قائم رہتی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۶)

پیرائیں ویسٹ زندگی: مامون کا عمل ’’در کفہ جام شریعت در کفہ سندان عشق‘‘ پر تھا۔ اس کی زندگی کے دور رخ تھے۔ ایک بڑا رنگین تھا۔ نبیز چاہتا تھا، موسیقی کا شائق تھا۔ خود بھی اس کا ماہر تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے صاحب کمال مغنی جمع تھے۔ رقص و سرود کی محفلیں ہوتی تھیں۔

مذہبسی حالت: دوسرا رخ مذہبی زندگی کا تھا۔ اس میں وہ معجون مرکب تھا۔ اس کے بعض عقائد شیعہ تھے۔ بعض اہل سنت کے اور بعض فلسفیانہ حافظ قرآن تھا۔ خلفائے راشدین کو چھوڑ کر یہ دولت اور کسی خلیفہ کے حصہ میں نہ آئی تھی۔ خلفائے راشدین میں بھی صرف حضرت عثمان ؓ کے حفظ قرآن پر اتفاق ہے۔ بعض رمضان میں اس نے پورے تیس قرآن ختم کئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱) صبح صادق سے عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے بڑی شیفنگی تھی۔ ذائق کے دورہ کے زمانہ میں آپ کا ایک فرمان مبارک جو غالباً کسی قوم سے معاہدہ پر مشتمل تھا۔ اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے آنکھوں سے لگا کر رویا اور اس میں جو معاہدہ تھا اسے قائم رکھا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے جو عہد کیا تھا اس کو میں نہیں توڑ سکتا۔ واثق کی آنکھ میں کچھ شکایت تھی اسے دیا کہ اس کو آنکھوں سے لگاؤ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۴۸) عقائد میں مجموعہ اضداد تھا۔ فلسفہ کے مطالعہ اور غیر قوموں کے علماء کی صحبت کے اثر سے وہ خلق قرآن کا قائل

تھا اور اس میں اس کو اتنا غلو تھا کہ علماء سے بالجبر خلق قرآن کا اقرار کر کے اسے سارے مسلمانوں کا عقیدہ بنانے کی کوشش کی۔ جن علماء کو اس کے ماننے میں تامل ہوا، انہیں سخت سزائیں دیں۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا، چنانچہ حضرت علیؓ کو شیخینؓ سے افضل مانتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۳) سیوطی کے بیان کے مطابق اس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص عزت و احترام کے ساتھ معاویہؓ کا نام لے گا اور ان کو کسی صحابی پر فضیلت دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ (ابن اثیر جلد ۱ ص ۱۳۷) لیکن یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔

متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس کی عام منادی کرادی تھی۔ اس سے ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھلتا تھا۔ اس لیے اہل سنت پر یہ منادی بہت شاق گزری، لیکن کسی میں اس کی مخالفت کی جرات نہ تھی۔ بعض درباریوں نے قاضی یحییٰ بن اٹھم کو آمادہ کیا کہ وہ اس بارہ میں مامون سے گفتگو کریں، چنانچہ دوسرے دن جب وہ دربار میں گئے تو اتفاق سے اس وقت مامون نہایت برہمی کے ساتھ حضرت عمرؓ کا یہ قول ”رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں دو متعے تھے، میں ان کو روکتا ہوں“ نقل کر کے کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں اجازت تھی اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے۔ قاضی صاحب بیٹھ گئے، ان کا چہرہ متغیر تھا۔ مامون نے پوچھا، ”یہی! چہرہ کیوں متغیر ہے؟“ انہوں نے کہا، ”امیر المؤمنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟“ ”یہی“ نے کہا، ”زنا کی حلت کا اعلان۔ اس نے تعجب سے پوچھا، ”زنا؟“ ”یہی“ نے کہا، ”ہاں زنا۔ متعہ زنا ہی تو ہے۔ مامون نے کہا، ”وہ کس طرح؟“ ”یہی“ نے کہا، ”کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ سے اور کلام اللہ کی یہ آیت ﴿الاعلیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم﴾ یعنی ”تمتع صرف دو طرح کی عورتوں سے جائز ہے۔ بیوی یا لونڈی۔“ پڑھ کر پوچھا، ”کیا معنوعہ عورت لونڈی ہے؟“ مامون نے کہا، ”نہیں۔ پوچھا تو پھر کیا بیوی ہے؟“ اور اس کو شوہر

کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے؟ اور اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں؟ مامون نے کہا نہیں۔ یحییٰ نے کہا جب متوعد ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے تو پھر قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے۔ اس استدلال کے ساتھ حضرت علیؓ کی یہ روایت سنائی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں متعہ کی حرمت کی جس کی پہلے آپ نے اجازت دی تھی منادی کرا دوں۔“ اس گفتگو کے بعد مامون نے اپنے فعل پر استغفار کیا اور متعہ کی حرمت کی منادی کرا دی۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۱۹۹ تا ۲۰۰)

ان واقعات کی بنا پر سنی مورخین اسے شیعہ لکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں نہ سنی تھا نہ شیعہ بلکہ ایک آزاد شرب شخص تھا۔ فلسفہ کے مطالعہ اور مختلف قوموں کے علماء کی صحبت نے اس کے خیالات کو آزاد کر دیا تھا۔ خلق قرآن کا عقیدہ اسی آزاد خیالی کا نتیجہ تھا۔ شیعہ وہ اس لیے نہ تھا کہ گو وہ حضرت علیؓ کو شیخینؓ سے افضل مانتا تھا، لیکن اور خلفاء سے سوئے ظن نہ رکھتا تھا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ سے حسن عقیدت کے ثبوت میں اس کے اشعار موجود ہیں۔

البتہ شیعیت کا اثر اس پر ضرور تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ شیعوں کے ماحول میں رہا۔ اس کی تربیت برا مکہ کے زیر نگرانی ہوئی تھی۔ اس کا وزیر اعظم فضل بن سہل اس پر بہت حاوی تھا۔ فضل کا بھائی حسن بن سہل اس کا خسر تھا اور یہ سب کے سب شیعہ عقائد و خیالات رکھتے تھے، اگرچہ حکومت کے خوف سے ان میں غلو نہ تھا، یا اس کا اعلان نہ کر سکتے تھے۔ اس صورت میں مامون کا ان کے خیالات سے متاثر ہو جانا کچھ تعجب انگیز نہیں ہے۔ انہی اثرات کے ماتحت وہ اپنے اسلاف کے برعکس اہل بیت کے ساتھ بڑی محبت و عقیدت رکھتا تھا۔ امام علی رضا کو ولی عہد تک نامزد کر دیا تھا۔ یہ محبت امام علی رضا کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ وہ اہل بیت نبویؐ کے ہر فرد کے ساتھ خوش عقیدہ تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک بزرگ یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن

حسین علوی کا انتقال ہوا۔ مامون کو ان کی موت کا سخت قلق ہوا اور خلفاء کے دستور کے خلاف خود ان کے جنازہ میں شرکت کی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں ایک معزز عباسیہ خاتون منصور کی پچھیری بہن کے لڑکے کا انتقال ہوا تو مامون نے خود شرکت نہیں کی اور جنازہ میں شرکت اور تعزیت کے لیے اپنے بجائے اپنے بھائی صالح کو بھیج دیا۔ ان خاتون کو مامون کی اس کوتاہی سے بڑی تکلیف پہنچی اور انہوں نے صالح سے کہا۔ جا کر مراجل (مامون کی ماں جو لونڈی تھی) کے لونڈے سے کہہ دینا کہ اگر یحییٰ بن حسین ہوتے تو وہ منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے ان کے جنازہ میں دوڑتا ہوا جاتا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۴۸) اموی اور عباسی دونوں زمانوں میں علویوں پر حکومت کے عہدوں کے دروازے بند تھے۔ مامون نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا۔ اس کے خاندان کی ایک خاتون نے اس پر اعتراض کیا۔ مامون نے جواب دیا کہ میں گزشتہ خلفاء کی فروگزاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۲) اس کی اس عقیدت کو دیکھ کر اہل بیت کے چند افراد نے مامون سے فدک کی واپسی کی درخواست کی۔ اس کے بارہ میں تحقیقات اور علماء سے استصواب کے بعد فدک یحییٰ بن حسین کے لڑکے محمد کے حوالہ کر دیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۷۳)

اپنے متعلق مامون کا تبصرہ: یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے مشرقی سلاطین کے پردے میں دوسرے دماغوں کی کارفرمائی رہتی تھی، لیکن مامون کی عظمت ذاتی تھی۔ وہ کسی سہارے کا محتاج نہ تھا۔ وہ خود کہتا تھا کہ معاویہ کی قوت عمرو بن العاص کے بل پر تھی۔ عبدالملک کا سہارا حجاج تھا، لیکن میری قوت و عظمت خود میری ذات سے ہے۔ اسی لیے مورخین اس کو عباسی سلسلہ کا درمیانی گوہر کہتے ہیں۔ افتتاحی سفاح، اختتامی معتضد اور درمیانی مامون۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱)

ابو اسحاق محمد بن ہارون الملقب بہ معتمد باللہ

محمد المعتمد ہارون کا منجھلا لڑکا ایک لونڈی ماروہ کے بطن سے تھا۔ مامون صاحب اولاد تھا، لیکن اس نے انتہائی عاقبت اندیشی سے کام لیا اور اپنی اولاد کے بجائے اپنے بھائی معتمد کو جو حکومت کا زیادہ اہل تھا۔ اپنے مرض الموت میں ولی عہد بنا کر اس کا اعلان عام کر دیا تھا، پھر بھی مامون کے بعد فوج نے عباس بن مامون کو خلیفہ بنانا چاہا، لیکن اس نے باپ کی وصیت کا لحاظ کر کے خود معتمد کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور کوئی اختیاتی صورت پیش نہیں آئی۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مامون کی عجم نوازی کی وجہ سے ایرانیوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا اور ان میں اور عربوں میں چشمک پیدا ہو گئی تھی۔ معتمد نے اپنے زمانہ میں ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھایا اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ آگے چل کر حکومت کے لیے وبال جان بن گئے اور عربی و عجمی چشمک ترکوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

محمدرہ کی فتنہ انگیزی: معتمد کی مسند نشینی کے بعد ہی خبر آئی کہ خراسان کے پہاڑی علاقہ میں حمزہ (حمزہ سے مراد خرمی فرقہ ہے۔ یہ لوگ سرخ پوش تھے اس لیے بعض عربی مورخین انہیں حمزہ بھی کہتے ہیں) نے ڈاکہ زنی شروع کر دی ہے اور بہت سے خراسانی حجاج کو قتل کر ڈالا ہے۔ معتمد نے ایک ترکی سردار ہاشم بن باتیجور کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا، مگر وہ ناکام رہا۔ دوبارہ اسحاق بن ابراہیم کو بھیجا گیا۔ اس نے حمزہ کو تنبیہ کر کے امن وامان قائم کر دیا۔

محمد بن قاسم علوی کا خروج: محمد بن قاسم بن علی بن حسین بن علی ایک خاموش بزرگ تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں گوشہ گیر تھے۔ ایک فتنہ پرست خراسانی انہیں میدان میں کھینچ لایا اور خراسانی حجاج کو لا کر ان سے بیعت کرانے لگا۔ جب ان کے ارادت مندوں کا حلقہ بڑھا تو ان کو خروج کے ارادہ سے مدینہ سے جوزجان لے گیا۔ یہاں کے والی عبداللہ بن طاہر کو ان کی خبر ہو گئی۔ اس نے ان کے ارادتمندوں کو منتشر کر دیا اور محمد بن قاسم جان بچا کر نساء چلے گئے۔ ایک شخص نے یہاں کے حاکم

کیا۔ ابن بعیث نے معتم کو لکھ بھیجا کہ بدستور بارگاہ خلافت کا اطاعت گزار ہوں اور
 بابک اور اس کی جماعت کو زیر کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں، چنانچہ عصمہ کو اپنے ہاں مدعو
 کیا اور شراب پلا کر بد مستی میں گرفتار کر کے معتم کے پاس بھجوا دیا۔ معتم اس کی اس
 کارگزاری پر بہت خوش ہوا۔ عصمہ کی گرفتاری کے بعد معتم نے ترکی افسر اشین بن
 حیدر اشروسی کو بابک کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ وہ راستہ میں پہاڑی علاقہ کے
 آدمیوں کو لینا ہوا برزند پہنچا اور کامل ایک سال تک بابک کا مقابلہ کرتا رہا، پھر برف
 باری کی وجہ سے جنگ روک دینا پڑی۔ سردی ختم ہونے کے بعد پھر بڑھا اور مختلف
 سمتوں میں فوجیں پھیلا دیں اور یدالروز میں جنگی استحکامات درست کر کے کمین گاہوں
 میں فوجیں چھپا کر رمضان ۲۲۲ھ میں بابک کے مستقر بذ کی کی طرف بڑھا۔ بابک
 مسلسل جنگ سے پریشان ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے اشین سے گفتگو کی خواہش
 کی۔ اشین نے منظور کر لیا اور دونوں ایک نہر پر ملے۔ ایک جانب اشین تھا اور دوسری
 سمت بابک۔ اشین نے اس کے سامنے امان پیش کی۔ اس نے ایک دن کی مہلت
 مانگی۔ اشین نے کہا ایک دن کی مہلت میں تم اپنے استحکامات درست کرنا چاہتے ہو، اگر
 تم کو امان منظور ہے تو فوراً وادی کو عبور کر کے چلے آؤ۔ بابک یہ فیصلہ سن کر واپس چلا گیا
 اور ایک شدید معرکہ کے بعد مسلمان بذ میں داخل ہو گئے۔ بابک شہر چھوڑ کر بھاگ
 گیا۔ یہاں ۶۰۰ مسلمان قید تھے۔ اشین نے ان کو چھڑایا۔ بابک خنجر پر سوار ہو کر نکل
 گیا۔ اشین نے آرمینہ اور آذربائیجان کے علاقہ کے بطارقہ کو اطلاع دے دی اور
 بابک کی گرفتاری پر دس لاکھ درہم کے انعام کا اعلان کر دیا۔ بابک بذ سے نکل کر ایک
 بطریق سہل بن سباط کے پاس پہنچا۔ اس نے اس کو گرفتار کر کے اشین کو اطلاع دے
 دی۔ اشین نے آدمی بھیج کر اس کو بلوایا۔ خرمی تحریک نہ صرف حکومت بلکہ اسلام اور
 مسلمانوں کے خلاف تھی اور اس سے ساری دنیائے اسلام میں ہنگامہ برپا ہو گیا
 تھا۔ اس لیے تمام ممالک محروسہ میں گرفتاری کا اعلان کرایا گیا اور اشین بابک کو لے کر

معتصم کے پاس سرمن رای روانہ ہوا۔ بابک پر فتح یابی انشین کا نہایت اہم کارنامہ تھا۔ اس لیے افسران فوج نے کئی میل باہر نکل کر انشین کا استقبال کیا اور ۲۲۳ھ میں وہ سرمن رای میں داخل ہوا۔ معتصم نے بابک کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرادیا اور اس کی لاش سولی پر لٹکانی۔ اس کا بھائی عبداللہ بغداد میں سولی پر چڑھایا گیا۔ (یعقوبی جلد ۳، ص ۵۷۸، ۵۷۹، طبری اور ابن اثیر نے ان واقعات کو نہایت مطول لکھا ہے۔ ہم نے اختصار کے خیال سے یعقوبی کا بیان نقل کیا ہے) آرمینہ میں بے چینی نے بابک کی شورش کی وجہ سے سارے آرمینہ اور آذربائیجان میں بد نظمی پیدا ہو گئی تھی؛ چنانچہ اسی زمانہ میں اہل بن سہباط نے ران پر قبضہ کر لیا تھا۔ محمد بن سلیمان ازدی نے شب خون مار کر اس کو یہاں سے نکالا۔

ورثان میں محمد بن عبید اللہ نے بغاوت برپا کی۔ انشین نے منگور کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، لیکن علی بن یحییٰ ارمی نے معتصم سے سفارش کر کے ورثان کا قصور معاف کرادیا اور آرمینہ کی حکومت پر محمد بن خالد کا تقرر ہوا، لیکن یہ بھی یہاں بگڑا ہوا نظام نہ سنبھال سکا اور یکے بعد دیگرے کئی حکام بدلے۔ آخر میں حمدویہ بن علی کا تقرر ہوا۔ اس نے امن وامان قائم کیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۸۰ ملخصاً)

مازیار والسی طبرستان کی بغاوت: طبرستان کا حاکم مازیار بن قارن عباسی حکومت کا باجگوار تھا اور خراسان کے دیوان کو خراج ادا کیا کرتا تھا، لیکن موجودہ والی عبداللہ بن طاہر اور اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ اس لیے معتصم خود خراج وصول کر کے عبداللہ بن طاہر کے پاس بھجوا دیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان دونوں کی کشیدگی اتنی بڑھی کہ دونوں معتصم کے پاس ایک دوسرے کی شکایتیں پہنچانے لگے اور عبداللہ بن طاہر کی مسلسل شکایتوں سے معتصم مازیار سے بدگمان ہو گیا۔ عبداللہ بن طاہر اور انشین دونوں ممتاز امیر تھے اور ان میں باہم چشمک رہا کرتی تھی۔ یہ چشمک اتنی بڑھی کہ مخالفت بن گئی اور انشین نے عبداللہ بن طاہر کے عہدہ خراسان کی ولایت پر قبضہ کرنے کی کوشش

شروع کی اور اس کے لیے مازیار کو عبداللہ کے خلاف بھڑکایا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مازیار باغی ہو گیا تو اس کی سرکوبی اسی کے متعلق کی جائے گی۔ اس طرح اسے خراسان کی حکومت مل جائے گی۔ مسعودی کا بیان ہے کہ مازیار انشین کا ہم مذہب تھا۔ اس لیے اس نے ہمدردی میں اس کو عباسی حکومت سے آزادی پر آمادہ کیا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۶، ص ۱۳۸)

انشین اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور مازیار نے علم بغاوت بلند کر دیا اور دو مہینے کے اندر ایک سال کا پورا خراج وصول کر لیا اور آمل، ساریہ اور طبرستان کے باشندوں کو ہرمز آباد منتقل کر کے یہاں مقابلہ کے لیے تین میل لمبی ایک شہر پناہ تعمیر کرائی اور ایک بڑی خندق کھدوائی۔ یہ تیاریاں دیکھ کر جرجان کی آبادی نے جو عباسی حکومت کے رقبہ میں تھا، شہر خالی کر دیا۔ معتمد اور عبداللہ بن طاہر کو ان حالات کا علم ہو چکا تھا، چنانچہ بروقت ان کی فوجیں پہنچ گئیں اور مازیار کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ایک سپاہی کی راہنمائی میں ٹو تعمیر شہر پناہ کے اندر گھس کر دشمن کی فوجوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کا افسر سرخستان حمام کر رہا تھا۔ اسے خبر ہوئی تو وہ حمام ہی سے بھاگ نکلا اور اس کا بھائی شہریار گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ سرخستان کو بھی اس کے ایک آدمی نے پکڑ کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

مازیار کی گرفتاری اور اس کا قتل: مازیار کی تند خوئی اور سخت گیری کی وجہ سے خود اس کے آدمی اس کے خلاف تھے۔ اس کا بھائی فوہیار بھی اس کا دشمن تھا۔ مازیار کی شکست سے اسے بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس نے امان دلانے کے بہانہ سے اس کو لے جا کر گرفتار کر دیا اور وہ معتمد کے پاس بھجوا دیا گیا۔ معتمد نے اسے کوڑوں سے پٹوایا۔ جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ اس کے انتقام میں اس کے آدمیوں نے فوہیار کا خاتمہ کر دیا اور طبرستان کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ (ابن اثیر میں اس کی تفصیل طویل ہے۔ ہم نے فتوح البلدان کا خلاصہ لکھا

ہے کہ بابک کے مقابلہ کے زمانہ میں انشین کے پاس آرمینہ سے جو تحائف وغیرہ آتے تھے انہیں وہ دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے اپنے وطن اشروسنہ بھیج دیا کرتا تھا۔ عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے جس کے تعلقات انشین سے خراب تھے، معتم کو اس کی اطلاع دی۔ معتم نے جاسوس مقرر کر دیئے، چنانچہ ایک مرتبہ انشین کا بھیجا ہوا روپیہ پکڑ لیا گیا اور عبداللہ بن طاہر نے اسے لے کر فوج میں تقسیم کر دیا اور لے جانے والوں کو قید کر دیا اور انشین کو لکھ بھیجا کہ میں نے ایک رقم پکڑی ہے، جس کے متعلق لے جانے والوں کا بیان ہے کہ وہ تمہاری بھیجی ہوئی ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بغیر مجھے بتائے ہوئے اس قسم کی رقم اشروسنہ نہ بھیجتے۔ میں نے وہ رقم ان لوگوں سے لے کر فوج میں تقسیم کر دی، اگر یہ رقم واقعی تمہاری تھی تو جب بغداد سے روپیہ آئے گا تو ادا کر دیا جائے گا اور اگر تمہاری نہیں تھی تو اس قسم کی رقمیں بحق امیر المومنین ضبط کی جاسکتی ہیں۔ انشین نے جواب دیا کہ میرا اور امیر المومنین کا مال ایک ہے اور جن لوگوں کو تم نے گرفتار کیا ہے، انہیں چھوڑ دو۔ عبداللہ اور انشین میں پہلے سے چشمک تھی، اس واقعہ سے ان دونوں کے تعلقات اور کشیدہ ہو گئے اور انشین نے اس کے انتقام میں عبداللہ بن طاہر کو خراسان سے ہٹانے کے لیے مازیا روالی طبرستان کو بھڑکایا، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ معتم کو انشین کی اس سازش کا علم ہو گیا۔ اس کے بعد منگجو کی بغاوت میں اس کے اشارہ کا شبہ تھا۔ ان واقعات نے معتم کو اس سے بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ اس کا طرز عمل بدل گیا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۱۳۰۲، ۱۳۰۴)

مسعودی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انشین سے معتم کی بدگمانی کے اسباب میں ایک سبب انشین کا قومی تعصب تھا، گو وہ معتم کے امراء میں تھا، لیکن اپنی عجمیت کی وجہ سے وہ دل میں تعصب رکھتا تھا اور مازیا کو اس نے اسی جذبہ کے ماتحت عباسی حکومت کے خلاف بھڑکایا تھا، بلکہ یہاں تک ثبوت ملتا ہے کہ وہ باطن میں اپنے آبائی مذہب پر قائم تھا اور اس کے قتل کے بعد اس کے یہاں وہ بت برآمد ہوئے جن کی

رجاء بن حیوة کو ایک مختصر فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس وقت مبرقع کے پیروؤں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ اس لیے رجاء نے فوراً مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور مبرقع کے قریب ہی ٹھہر گیا۔ مبرقع کے پیرو زیادہ تر کاشکار تھے۔ اس لیے جب کاشکاری کا زمانہ آیا تو ان کی بڑی تعداد اپنے کام میں لگ گئی اور اس کے ساتھ کل بارہ سو آدمی رہ گئے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۷۷) باقی حال آئندہ آئے گا۔

فتح عموریہ: معتم خود بڑا بہادر اور جنگ آزماک تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ میں بیرونی مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس کے عہد کی سب سے اہم فتح عموریہ کی ہے۔ عموریہ ایشیائے کوچک میں رومیوں کا بڑا اہم مرکز تھا۔ اس لیے مورخین اس کو تاریخ اسلام کی نہایت اہم فتح شمار کرتے ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۶، ص ۲۷) اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۲۳ھ میں جب بابک کو اپنی شکست کے آثار نظر آئے اور اس نے دیکھا کہ جب تک اسلامی فوجوں کا بدل نہ چھٹے گا۔ اس وقت تک اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اس نے توفیل بن مینائل شہنشاہ روم کو لکھا کہ معتم نے اپنی تمام قوت حتیٰ کہ اپنا درزی اور باورچی تک میرے مقابلہ میں بھیج دیا ہے اور دارالخلافہ بالکل خالی ہے۔ تم کو حملہ کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ سلطنت روم اور خلافت بغداد دونوں پرانے حریف تھے۔ اس لیے توفیل نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک لاکھ یا پونے دو لاکھ رومی لشکر اس کے علاوہ خرمیوں کی جماعت کو لے کر زبطہ پر چڑھ آیا اور یہاں کے مسلمان مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے۔ ملطیہ وغیرہ کے قلعوں کو خوب لوٹا۔ بہت سی مسلمان عورتیں گرفتار کیں اور مردوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ گرفتار شدہ عورتوں میں ایک ہاشمی عورت بھی تھی۔ اس نے ﴿وامعتصمہ﴾ اے معتم میری مدد کر کی فریاد کی۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۶۲)

معتم کو جس وقت توفیل کے ان وحشیانہ مظالم مسلمانوں کی دردناک حالت

اور اس عورت کی فریاد کی خبریں پہنچیں۔ اس وقت وہ دربار میں تخت پر بیٹھا تھا۔ وہیں سے بیٹھے بیٹھے بولا ﴿لیک لیک﴾ میں پہنچا میں پہنچا اور فوراً تخت سے اتر کر فوج میں کوچ کی منادی کرادی اور انہیں جمع کرا کے خود ایک مسافر کی ضرورت کے بغیر سامان لے کر دربار عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمن بن اسحاق اور شعبہ بن سہل اور ان کے ساتھ ۳۲۸ دوسرے حکام عدالت کو ملا کر ان کے روبرو وصیت کی کہ میری جاگیر کا ایک ثلث میری اولاد کو اور ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے اور تیسرا حصہ اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ وصیت کرنے کے بعد جمادی الثانی ۲۲۳ھ کو دجلہ کے مغربی سمت فوجوں کا پڑاؤ کیا اور عیث بن عہسہ، عمرو الفرغانی اور دوسرے فوجی افسروں کو زبطہ کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا، لیکن رومی اس وقت لوٹ مار کر لوٹ چکے تھے اور زبطہ کے مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ عہسہ وغیرہ کے پہنچنے کے بعد جب ان کا خوف و ہراس دور ہوا تو پھر واپس ہو کر آباد ہوئے اور زبطہ میں امن و سکون قائم ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۶۲)

اس وقت دارالخلافہ کی فوجوں کا بڑا حصہ بابک کی مہم سے واپس نہ ہوا تھا۔ اس لیے معتمد چند دنوں تک اپنے لشکر گاہ میں ٹھہرا رہا۔ فوجوں کی واپسی کے بعد روم پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اس وقت عموریہ رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور ان کا نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ آغاز اسلام سے لے کر اس وقت تک یہ بالکل محفوظ و مصنون چلا آتا تھا۔ اس لیے معتمد نے اسی کو حملہ کے لیے منتخب کیا اور اسلحہ، خچر، چرمی خیمے، چرمی حوض، آتشبار مادے اور جملہ فوجی سامان اس کثرت سے فراہم کیا کہ اس سے پہلے کبھی کسی مہم کے لیے اتنا سامان نہیں مہیا کیا گیا تھا۔ اس سر و سامان سے وہ رومی حکومت کی طرف بڑھا اور سلوکیہ پہنچ کر منزل کی اور یہاں سے اگورہ پر حملہ کرنے کے لیے افشین اور شناس کو مختلف سمتوں میں بھیجا اور ایک دن مقرر کر کے سب کو ایک مقام پر جمع

دونوں آگے بڑھے۔ انقرہ کے قریب اشناس نے رومیوں کی ایک جماعت گرفتار کر کے قتل کی۔ ان میں ایک بڑھا تھا، اس نے کہا تم مجھے قتل کر کے کیا کرو گے، اگر چھوڑ دو تو میں تم کو انگورہ کی ایک مغرور جماعت کا جس کے پاس خورد و نوش کا بہت سامان ہے، پتہ بتا دوں۔ اشناس نے منظور کر لیا اور مالک بن کرد کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس نے مالک کو لے جا کر اس جماعت کے سر پر کھڑا کر دیا۔ مالک نے اس کے کل ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس جماعت میں کچھ زخمی بھی تھے۔ ان سے انشین اور توفیل کی جنگ اور توفیل کی شکست کا حال معلوم ہوا اور اس کے بعد انشین کے ہر کارہ نے پہنچ کر مفصل حالات اور فتح کا مژدہ سنایا، پھر خود انشین انگورہ پہنچ گیا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۳۶۳) انشین کے آنے کے بعد انگورہ میں مسلمانوں نے فوجیں مرتب کیں۔ مینہ پر انشین اور میسرہ پر اشناس کا تقرر ہوا۔ قلب کی قیادت خود معتمد نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور تینوں ایک دوسرے سے دو دو فرسخ کا فاصلہ دے کر تاخت و تاراج کرتے ہوئے عموریہ پہنچے۔ یہاں ایک مسلمان جو رومیوں کے ہاتھ میں پڑ کر عیسائی ہو گیا تھا، نکل کر ان سے مل گیا اور بتایا کہ شہر پناہ میں ایک جگہ پر سوراخ ہے جو باہر سے چھپا دیا گیا ہے، لیکن اندر سے خول ہے۔ معتمد نے اسی مقام پر اپنا خیمہ نصب کر کے سنگباری کے ذریعہ سوراخ توڑ دیا۔ عموریہ کے بطریق باطیس نے توفیل کو اطلاع دی کہ شہر پناہ میں سوراخ ہو چکا ہے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ کسی شب کو نکل کر مسلمانوں پر چھاپہ مارتے ہوئے آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا۔ معتمد نے اسی وقت شہر پناہ پر سنگباری کر کے اس کو ایک مقام سے توڑ دیا۔ عموریہ اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق حائل تھی۔ معتمد نے کھالوں کے بورے بنا کر اور ان میں مٹی بھر کے اس کو پٹو دیا اور مسلمان سنگ بار آلات کے ساتھ شہر پناہ تک پہنچ گئے اور پھاٹک کے پاس دیوار توڑنا شروع کر دی۔ دوسری طرف انشین اور اشناس باری باری کر کے دو دن تک پوری قوت کے ساتھ حملہ کرتے رہے۔ تیسرے دن خود معتمد میدان میں آیا اور صبح سے

شام تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ شام ہوتے ہوتے ہزاروں رومی زخمی ہو گئے۔ شہر پناہ کے اس حصہ کے محافظ بطریق و بدوانے روم سے اپنی حالت زار بیان کر کے امداد طلب کی، لیکن اس میں اس کو مایوسی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر معتم سے جان بخشی کا طالب ہونا پڑا۔ اس نے امان دے دی اور بطریق مذکور اس کے پاس چلا آیا۔ ابھی ان دونوں کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ صورت دیکھ کر بطریق بہت خوفزدہ ہوا۔ معتم نے اس کو اطمینان دلایا کہ تم مت گھبراؤ۔ تمہارے تمام مطالبات منظور کئے جائیں گے۔ تمہاری خواہش کے خلاف نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے عموریہ میں داخل ہو جانے کے بعد رومی کیدسائے اعظم کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس میں مجبوراً آگ لگا دینی پڑی۔ اس آڑ کے ختم ہونے کے بعد عموریہ پر قبضہ ہو گیا۔ صرف باطیس بطریق ایک برج میں جما ہوا تھا۔ معتم نے اسے امان دے کر وہاں سے ہٹایا اور عموریہ پر کامل قبضہ ہو گیا۔ اس انقلاب میں بہت سے عوام مارے گئے، لیکن امن پسند عمائد اور معززین کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ اس فتح میں اس کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آیا کہ پانچ دن تک برابر نیلام ہوتا رہا۔ اس کے بعد جو بچ گیا وہ پھونک دیا گیا۔ عام مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کر دیا، لیکن معتم نے اسی وقت روک دیا اور عموریہ کے تمام جنگی استحکامات توڑ دیئے۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۶۳، ۲۶۴)

عباس بن مامون کی بغاوت اور موت: عموریہ کی فتح کے بعد معتم نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، لیکن اسی دوران میں اس کے بھتیجے عباس بن مامون کی بغاوت کی خبر آ گئی۔ اس لیے یہ مہم ملتوی کر دینا پڑی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عرب سردار معتم کی ترک نوازی سے بہت برہم تھے۔ عموریہ کی مہم میں اس کی مشغولیت کے زمانہ میں ایک سردار عجیف بن عنبرہ نے عباس کو بھڑکا کر معتم کے خلاف کھڑا کر دیا اور بہت سے عرب سردار بھی ساتھ ہو گئے اور انہوں نے طے کیا کہ

وہ مقتسم، شناس اور انشین وغیرہ قتل کر دیں گے۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۱۶۶) مقتسم کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس لیے وہ قسطنطنیہ پر حملہ کا خیال چھوڑ کر بغداد واپس آ گیا اور عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا کل مال و متاع جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار اشرفی تھی ضبط کر کے فوج میں تقسیم کر دیا۔ عباس کچھ دنوں کے بعد قید ہی میں مر گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت طبعی تھی اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ انشین نے ہلاک کر دیا۔ (یعقوبی جلد ۶، ص ۵۸۱)

وزارت: مقتسم کا سب سے پہلا وزیر فضل بن مروان بالکل نا اہل تھا۔ اس کی اخلاقی حیثیت بھی پست تھی۔ اس کا کوئی وصف قابل ذکر نہیں ہے۔ اس کے بعد احمد بن عمار کو منصب وزارت سپرد ہوا تھا۔ اس نے نہایت معمولی حالت سے ترقی کی تھی شروع میں آٹا پیسنے کا پیشہ کرتا تھا۔ اس کے ذریعہ اس نے بصرہ میں بڑی جائیداد پیدا کی پھر بغداد آیا۔ فضل بن مروان نے اپنے زمانہ وزارت میں اس کی امانت کی تعریف کی تھی۔ اس لیے فضل کے معتب ہونے کے بعد مقتسم نے اس کو وزیر بنایا۔ یہ علم اور تدبیر و سیاست ہر چیز سے کورا تھا۔ ایک مرتبہ مقتسم کے پاس کسی عامل کا خط آیا، جس میں ”کلا“ کا لفظ تھا۔ مقتسم نے احمد سے ”کلا“ کی تشریح پوچھی یہ نہ بتا سکا۔ مقتسم نے کہا، خلیفہ جاہل اور وزیر غامی۔ وزیرے چنیں شہر یارے چنال۔ پھر اس نے اپنے مصاحب خاص محمد بن عبد الملک الزیات سے استفسار کیا۔ اس نے ”کلا“ کے تمام مدارج بتائے کہ شروع میں جب سبزہ اگتا ہے تو اس کو ”نقل“ کہتے ہیں۔ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے ”کلا“ کہتے ہیں اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو حشیش کہتے ہیں۔ مقتسم اس کی قابلیت سے بہت خوش ہوا اور منشی کے عہدہ پر سرفراز کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد وزیر بنالیا۔ (الفخری ص ۲۱۲، ۲۱۳)

محمد بن زیات: محمد بن زیات کا دادا ابان ایک پہاڑی قریہ سکرہ کا باشندہ تھا۔ وہ زیتون کا تیل بغداد لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ اس لیے زیات کہلاتا تھا، لیکن محمد کی

تعلیم و تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ ادب و شاعری، تاریخ، آداب جہاں بانی، قوانین ملوک، فہم و فراست اور عقل و فزائگی، جملہ اوصاف میں یگانہ تھا۔ (الفخری ص ۲۱۲) ابن خلکان کا بیان ہے کہ محمد بن زیات ادبائے عصر اور فضائے وقت میں تھا اور بہت بڑا ادیب، فاضل، بلیغ اور نحو و لغت کا بڑا عالم تھا۔ بڑے بڑے علمائے عصر نحوی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ ابو عثمان مازنی جب بغداد آتے اور ان کی مجلس میں نحو کے مسائل چھیڑتے تو جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا۔ ابو عثمان مباحثہ کرنے والوں کو محمد بن زیات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔ (ابن خلکان جلد ۱، ص ۵۴) شاعری میں اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ تاریخوں اور تذکروں میں بکثرت اس کے اشعار ملتے ہیں۔ ان خوبیوں کے ساتھ بڑا مغرور، متکبر اور ظالم تھا۔ لوگوں کو سزا دینے کے لیے ایک تنور بنوایا تھا۔ جس کے اندر ہر طرف کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ جس کو سزا دینا مقصود ہوتا تھا۔ اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور ذرا حرکت کرنے سے کیلیں ہر طرف چھینے لگتی تھیں، اگر کوئی رحم کی درخواست کرتا تھا تو جواب ملتا کہ رحم ایک طرح کی کمزوری ہے، لیکن ظلم کبھی پھلتا نہیں، چاہ کن راجاہ درپیش۔ معتمد اور واثق کا زمانہ تو آرام سے گزرا۔ متوکل کے زمانہ میں اسی تنور میں ڈال کر ہلاک کیا گیا۔ (الفخری ص ۲۴)

وفات: محرم ۲۲۷ھ میں معتمد نے پچھنا لگوا لیا۔ اس سے طبیعت ناساز ہو گئی، لیکن پھر آفاقہ ہو گیا تھا کہ ایک دن زمام قصہ خواں نے چند عبرت آموز قصے سنائے۔ انہیں سن کر طبیعت بگڑ گئی اور ربیع الاول ۲۲۷ھ میں انتقال ہو گیا اور اپنے آباد کردہ شہر سامرا میں دفن کیا گیا۔ ۴۷ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت آٹھ سال آٹھ مہینے۔

اوصاف: معتمد قوی دل، قوی جسم اور بڑا بہادر اور عظمت و شان اور ہیبت و جبروت کا خلیفہ تھا۔ ﴿كَانَ الْمُعْتَصِمُ مِنْ أَعْظَمِ الْخُلَفَاءِ وَاهْيِهِمْ﴾ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۴۰) جسمانی قوت غیر معمولی تھی۔ توانا سے توانا آدمی کا بازو دبا دیتا تھا، تو

ہڈیاں چٹختی جاتی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۴۰) ایک ہزار رطل تقریباً ۵ من کا بار اٹھا کر چل لیتا تھا۔ (الفخری ص ۲۱۳) جسم اتنا ٹھوس تھا کہ دانت نہ گڑتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۰) ان فطری اسباب کی بنا پر اس کو بزم کے بجائے رزم سے دلچسپی تھی۔ بڑی بڑی ہموں میں خود نکلتا تھا۔ اس کو صرف دو چیزوں کا شوق تھا۔ حکومت کی شان و شکوہ اور میدان کارزار کے مناظر۔ اس کا رویہ انہی چیزوں میں صرف ہوتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا بھٹ جنگی تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶، ص ۸۷) اس کی فوجی قوت اور جنگی مصارف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عموریہ کے معرکہ میں سوار فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر تھی۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲، بحوالہ التیسیر والاعتبار اسدی) اور صرف شام کی سرحد کی حفاظت کا خرچ ایک لاکھ اشرفی سالانہ تھا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲، بحوالہ التیسیر والاعتبار اسدی) اس نے اپنی آٹھ سالہ مدت خلافت میں تمام اندرونی و بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کر دیا۔ جس طاقت نے سر اٹھایا، کچل کر رکھ دیا۔ عموریہ کی فتح اس کا سب سے بڑا جنگی کارنامہ ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ اس نے آٹھ ملک فتح کیے اور آٹھ دشمنوں کو مغلوب کیا۔ (تاریخ خطیب ص ۳۴۳) ان میں سے اکثروں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ سیوطی کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں آٹھ فرمانروا اسیر ہوئے۔ جس کی مثال کسی خلیفہ کے زمانہ میں نہیں ملتی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۳)

تدروکوں کا عروج: اوپر گزر ہو چکا ہے کہ مقتسم نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی اور سمرقند، فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ سے ہزاروں غلام خرید کر منگوائے تھے اور نہیں دیا کی وردیاں سونے کے ٹپکے اور زیورات پہناتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲) جس طرح ہارون اور مامون کے زمانہ میں ایرانیوں کا عروج ہوا تھا۔ اسی طرح اس کے زمانہ میں ترکوں کا ستارہ چمکا۔ اس سے حکومت کی شان ضرور بڑھ گئی اور فتوحات کو بھی فائدہ پہنچا، لیکن آئندہ چل کر جب حکومت کمزور پڑی تو ترکوں کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خلفاء کا وقار بالکل جاتا رہا اور وہ

ان کے ہاتھوں میں تماشا بن کر رہ گئے۔ ترک جسے چاہتے تھے، تخت پر قائم رکھتے تھے اور جسے چاہتے تھے اتار دیتے تھے۔ اس کے علاوہ معتمد ہی کے زمانہ میں عربی اور ترکی کشمکش بھی شروع ہو گئی، جس کے بعض واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس سے حکومت کو نقصان پہنچا۔ معتمد کو آخر میں اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے اپنے ایک معتمد علیہ اسحاق سے اس کا اظہار بھی کیا تھا کہ بھائی مامون نے طاہر بن حسین، عبداللہ بن طاہر اور محمد بن ابراہیم وغیرہ کو آگے بڑھایا۔ یہ سب کے سب شریف ثابت ہوئے، لیکن میں نے انہیں، شناس، ایتاخ اور وصیف وغیرہ کو آگے بڑھایا۔ ان میں سے کوئی بھی لائق اعتماد نہ نکلا۔ اسحاق نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی نے شریف النسل لوگوں کو آگے بڑھایا۔ اس لیے ان کی اولاد بھی شریف ثابت ہوئی اور آپ نے ایسے لوگوں کو آگے بڑھایا جس کی کوئی جڑ بنیاد نہ تھی۔ اس لیے وہ کیسے شریف نکلتی۔ یہ کھرا جواب سن کر معتمد نے کہا۔ اسحاق یہ جواب میرے لیے اس تکلیف و افیت سے زیادہ سخت ہے جو میں اتنے دنوں سے برداشت کر رہا ہوں۔ (طبری جلد ۱۲، حالات معتمد)

سسامرا کی آبادی: ترک تہذیب و تمدن سے نا آشنا محض وحشی تھے۔ اس لیے بغداد میں ان کے ہجوم سے اہل شہر کو بڑی تکلیفیں پہنچتی تھیں۔ بے تحاشا گھوڑے کداتے پھرتے تھے۔ عورتیں بوڑھے بچے کچل جاتے تھے اور یہ پرواہ نہ کرتے تھے۔ اہل بغداد نے معتمد سے فریاد کی۔ اس نے ترکوں کی آبادی کے لیے بغداد کے قریب ایک مستقل شہر سامرا آباد کیا اور خود یہیں رہنے لگا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۴۱ اور مروج الذهب جلد ۷، ص ۱۴۲)

زمینوں کی آبادی: زمین کی آبادی اور رعایا کی آسودہ حالی کا بڑا خیال تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ میں بکثرت افتادہ زمینیں آباد ہوئیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ زمین کی آبادی میں بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے۔ خراج

بڑھتا ہے۔ ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مویشیوں کے لیے چارہ مہیا ہوتا ہے۔ نرخ ارزاں ہوتا ہے۔ کسب معاش کے ذریعے بڑھتے ہیں۔ معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے وزیر کو عام حکم دے دیا تھا کہ جس پر قتی زمین پر دس درہم خرچ کرنے سے ایک سال کے بعد گیارہ درہم ملنے کی امید ہو اس کے آباد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

(مروج الذهب جلد ۷ ص ۱۰۴)

تعلیمی حالت: اپنے اسلاف کے برعکس اسے علم و فن سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بچپن ہی سے وہ پڑھنے لکھنے سے بھاگتا تھا۔ ہارون نے اپنی دوسری اولادوں کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی کیا تھا، لیکن اس کی طبیعت ہی رجوع نہ کرتی تھی۔ تعلیم سے اس کی نفرت کا ایک دلچسپ واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ بچپن میں اس کا ایک ہم کتب مر گیا۔ ہارون نے اس کی موت پر معتم سے اظہار افسوس کیا۔ اس نے کہا ہاں کتاب کی زحمت سے نجات پائی۔ تعلیم سے یہ نفرت دیکھ کر ہارون نے اس کی تعلیم کی جانب سے توجہ ہٹائی۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۴۳) اور وہ معمولی نوشت خواند سے زیادہ تعلیم نہ حاصل کر سکا۔

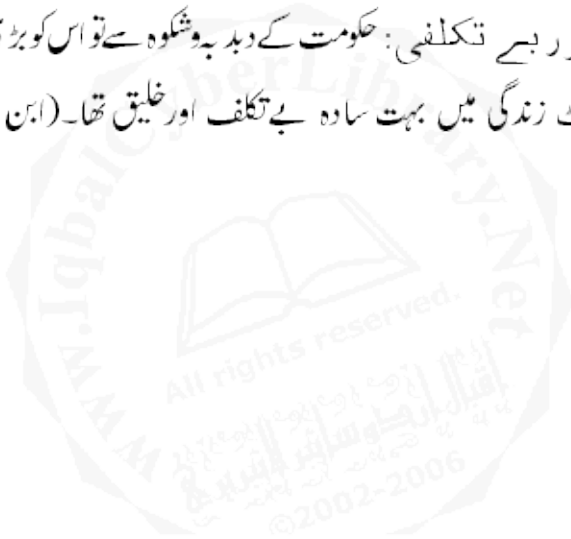
ایک افسوس ناک فتنہ: مامون کے عہد میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا تھا۔ اس کو اس مسئلہ سے اتنا شغف تھا کہ جو علما اس کے منکر تھے۔ انہیں سخت مصیبتیں جھینسی پڑیں۔ مامون جس قدر خلق قرآن کے عقیدہ میں سخت تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اسی قدر اس کے انکار میں متشدد تھے۔ آپ بھی آزمائش سے بچ نہ سکے، لیکن مامون مرتے دم تک آپ سے اس کا اقرار نہ کرا سکا اور مرتے وقت معتم کو ان پر سختی کرنے کی وصیت کرتا گیا۔ یہ جاہل اور ناشناس ادب تھا۔ اس نے امام احمد بن حنبلؒ پر بڑی سختیاں کیں اور یہ فتنہ مامون کے عہد سے زیادہ بڑھ گیا۔ معتم کا نلو یہاں تک بڑھا کہ اس نے سارے ممالک محروسہ میں علماء سے خلق قرآن کا اقرار کرنے کے فرامین جاری کر

دیئے اور معلموں کو حکم دیا کہ بچوں کو اس عقیدہ کی تلقین کریں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۱)
اس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا جس کی تفصیل اس کتاب کے کسی حصہ میں آئے گی۔

باورچی خانہ کما خرچ: اس کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ باورچی خانہ کے
مصارف ایک ہزار اشرفی روزانہ تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۳)

سادگی اور بے تکلفی: حکومت کے دبدر و شکوہ سے تو اس کو بڑی دلچسپی تھی،
لیکن پرائیویٹ زندگی میں بہت سادہ بے تکلف اور خلیق تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶،

ص ۱۷۸)



مدینہ میں شورشِ بپا کی۔ حجاز کے بازاروں میں گھس جاتے تھے اور جس نرخ پر چاہتے تھے، زبردستی سودا لے لیتے تھے۔ بنی کنانہ پر حملہ کر کے ان کے آدمی قتل کر ڈالے۔ والی مدینہ محمد بن صالح نے حماد بن جریر کو قیام امن پر مامور کیا۔ انہوں نے قریش اور انصار کی مدد سے بنی سلیم کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر قتل ہوئے اور بہت سے ممتاز قریشی اور انصار کام آئے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۴) اس کامیابی سے بنی سلیم کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے عزیزہ خنجاہی سلمیٰ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اطراف و جوانب کے مواضع اور مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل گاہوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ اس بد امنی کی وجہ سے حج رک گیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۸۶) ابن اثیر حوالہ مذکور) اس وقت واثق نے ایک بڑی فوج بغا کبیر ترکی کی زیر قیادت روانہ کی۔ اس نے شعبان ۲۳۳ھ میں سوارقیہ کے قریب جہاں بنو سلیم کے قلعے تھے۔ ان کا مقابلہ کر کے پچاس آدمی قتل اور پچاس گرفتار کیے، باقی بھاگ نکلے۔ ان کو شکست دینے کے بعد بغا نے امن پسندوں کو امان دے دی اور ایک ہزار سے کچھ اوپر مفسدوں کو گرفتار کر کے مدینہ میں قید کر دیا۔ بنو سلیم سے فراغت کے بعد ذات عرق جا کر ان کے شریک بغاوت بنو ہلال کو بھی امان دے دی۔ البتہ تین سو سرکشوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ (طبری جلد ۱۱، ص ۱۳۳۷-۱۳۳۸) اس شورش میں بنی فزاذہ فدک پر قابض ہو گئے تھے۔ اس لیے بنی ہلال کے بعد بغا ان کی طرف بڑھا۔ اس کے ہٹتے ہی مدینہ کے قیدیوں نے دیوار میں نکتب لگا کر نکل جانا چاہا، مگر اہل مدینہ کو خبر ہو گئی اور انہوں نے روکنے کی کوشش کی تو قیدیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعداد قتل کر دی۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۷، و یعقوبی جلد ۲، ص ۵۸۷)

احمد بن نصر کا خروج: ۲۳۱ھ میں ایک بزرگ احمد بن نصر نے احتجاجاً حکومت پر خروج کیا۔ وہ مالک بن یثم خزاعی نقیب خزاعی نقیب دولت عباسیہ کے پوتے

اور صاحب علم و تقویٰ بزرگ تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شعار تھا۔ امام مالک سے سماع حدیث کیا تھا۔ یحییٰ بن معین جیسے محدث ان کے تلمیذ تھے۔ (کتاب الخفۃ ص ۱۱۶) واثق خلق قرآن اور رویت باری (اس کا حال اپنے موقع پر آئے گا) کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا ہم عقیدہ تھا اور محدثین کا گروہ اس عقیدہ کے خلاف تھا۔ اس لیے احمد بن نصر بھی اس کے مخالف تھے۔ انہوں نے اس میں اتنا تشدد اختیار کیا کہ برسر عام واثق کو کافر اور سور کہتے تھے۔ جب لوگوں نے ان کو عتاب سلطانی کا خوف دلایا تو ان کے پیر ابو ہارون السراج اور ابو طالب نے ابو نصر کی دعوت شروع کر دی۔ جسے بہتوں نے قبول کر لیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر احمد بن نصر کی بیعت لی۔ ابو ہارون نے اس دعوت کی اشاعت میں روپیہ بھی صرف کیا۔ اس لیے وہ جلد پھیل گئی اور ابن نصر کے ماننے والوں کا دائرہ خاصا وسیع ہو گیا۔ اس وقت ان لوگوں نے طے کیا کہ ایک مقررہ شب کو بغداد کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں بیک وقت حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ احمد بن نصر کے اتباع میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے بنی اشرس کے دو آدمیوں نے نبیذ کے نشہ میں موعودہ شب سے ایک شب پہلے ہی طبل پیٹنا شروع کر دیا، مگر چونکہ حملہ کے لیے شب مقرر ہو چکی تھی۔ اس لیے اس صدا کا کسی نے جواب نہ دیا۔ بغداد کے پولیس افسر محمد بن ابراہیم نے طبل کی آواز سنی تو سب دریا فت کیا، مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مزید تحقیقات سے ایک شخص عیسیٰ عور کے ذریعہ اس سازش کا پتہ چل گیا، چنانچہ ابو طالب اور ابو ہارون فوراً گرفتار کر لیے گئے۔ بنو اشرس کی خانہ تلاشی میں دو سبز علم برآمد ہوئے، جو بنو عباس کی مخالفت کا نشان تھے۔ اس لیے احمد بن نصر کو بھی گرفتار کر کے ان کے گھر کی تلاشی لی گئی، مگر ان کے یہاں کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی اور وہ واثق کے پاس بھیج دیے گئے۔

احمد بن نصر کے سامرا پہنچنے کے بعد واثق نے علماء کی ایک عام مجلس منعقد کر کے احمد سے پوچھا کہ قرآن کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا،

قرآن کلام اللہ ہے اور احمد پاک و صاف ہو کر قتل کے لیے آمادہ ہے۔ واثق نے پھر پوچھا، کیا قرآن مخلوق ہے؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ پھر سوال کیا کہ قیامت اور رویت باری کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا امیر المؤمنین اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ”تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح بے بدلی کے صاف آسمان پر چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔ اس لیے میں اس حدیث کا پابند ہوں اور دوسری مرفوع حدیث سفیان بن عیینہ کی ہے کہ ”ابن آدم کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔ جس کو وہ بدلتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے تھے کہ ”اے دلوں کے پلٹنے والے میرا دل اپنے دین پر قائم رکھ۔ یہ سن کر اسحاق بن ابراہیم بولے۔ دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو۔ احمد نے کہا تم ہی نے مجھ سے کہلوا لیا ہے۔ اسحاق نے کہا میں نے کہا تھا؟ احمد نے جواب دیا تم ہی نے مجھے امیر المؤمنین کو نصیحت کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میری نصیحت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت نہ کریں۔ اس گفتگو کے بعد واثق نے لوگوں سے پوچھا، ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ سب اہل دنیا تھے۔ حاکم وقت کا اشارہ پاتے ہی زبانیں دراز ہو گئیں۔ عبدالرحمن بن اسحاق نے جو کسی زمانہ میں بغداد کے قاضی رہ چکے تھے اور احمد بن نصر کے دوست تھے ان کو مباح الدم مقرر دیا۔ ابو عبد اللہ ارمی نے کہا۔ امیر المؤمنین اس کا خون مجھے پلائیے۔ قاضی ابن داؤد جو ابن نصر کے خون کا بار بھی اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے اور خلیفہ کی رضامندی کے بھی خواہاں تھے۔ یہ گول رائے دی کہ امیر المؤمنین یہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کرائیے، غالباً اس کو کوئی دماغی مرض اور عقلی فتور لاحق ہو گیا ہے۔

ان فتوؤں کے بعد اسی مجلس میں واثق نے اپنے ہاتھ سے احمد بن نصر کا سر قلم کیا۔ (یہ واقعات طبری جلد ۱۱، ص ۱۳۴۳ تا ۱۳۴۸ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے)

قیدیوں کا تبادلہ: مسلمانوں اور رومیوں کی مسلسل جنگ کی وجہ سے طرفین کے ہزاروں قیدی ایک دوسرے کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔ ۲۳۰ھ میں ان کا تبادلہ ہوا اور دونوں طرف کے ۴۳۶ قیدی چھوٹے۔ یہ طبری کا بیان ہے۔ دوسرے مورخین اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ اس تبادلہ میں بھی واثق نے اپنے متعصبانہ عقیدہ کا اس طرح اظہار کیا کہ جو مسلمان قیدی غلق قرآن کا اقرار اور رویت باری کا انکار کرتا تھا وہ چھڑا لیا جاتا تھا اور جو نہیں کرتا تھا اس کو بدستور رومیوں کی قید میں رہنے دیا جاتا تھا۔

بنو نمیر کی بغاوت: ۲۳۲ھ میں یمامہ کے اعراب میں شورش رونما ہوئی اور بنو نمیر نے فتنہ و فساد برپا کر دیا۔ واثق نے اس کو دبانے کے لیے بغا کو بھیجا۔ اس نے یمامہ کی ترانی میں ان کے کچھ آدمی قتل اور کچھ گرفتار کیے اور مراۃ میں فوجیں اتار کر بنو نمیر کے پاس اطاعت کے لیے پیغام بھیجا۔ انہوں نے اسے رد کر دیا اور ان کے کچھ آدمی یمامہ کی پشت پر کوہستان سود کی طرف چلے گئے۔ بغا ان کی تلاش میں نکلا۔ مقام روضۃ الامان میں دونوں کا سامنا ہو گیا۔ بنو نمیر نے بغا کے مقدمۃ الجیش اور میسرہ کو توڑ کر ان کے ایک سو سے زیادہ آدمی قتل کر دیئے اور سات آٹھ سوافٹ اور بار برداری کے جانور زخمی کر کے ان کا سامان لوٹ لیا۔ اس لیے بغا کی قوت کمزور ہو گئی۔ بنو نمیر نے اس کمزوری کا اندازہ کر کے دوسرے دن پھر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ بغا کا پورا دستہ ختم ہو جائے کہ اتنے میں دو سوتازہ دم سوار جو دوسری مہم سے فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے دفعۃً بنو نمیر کے عقب سے پہنچ گئے۔ انہیں دیکھ کر بنو نمیر کا سوار دستہ بھاگ نکلا اور ان کی پیدل فوج کا بڑا حصہ بغا نے تہہ تیغ کر دیا۔ ایک روایت میں اس واقعہ کی شکل دوسری طرح بھی بیان کی گئی ہے۔ اس صورت واقعہ میں بھی بنو نمیر کے بہت سے آدمی مارے گئے اور ان کے رؤساء گرفتار ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۹)

آرمینیہ میں خلفشار: اسی زمانہ میں آرمینیہ اور اس کے قرب و جوار کے بہت سے عرب اور بطارقہ میں بغاوت کے آثار رونما ہوئے۔ کوہستانی علاقہ اور باب

والبواب کے سلاطین اور امرا علیحدہ اپنے آس پاس کے علاقوں پر مسلط ہو گئے اور یہاں عباسی حکومت کی قوت بالکل کمزور پڑ گئی۔ اس لیے واثق نے خالد بن یزید بن مزید کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ باغیوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے ہدایا اور تحائف بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا، لیکن خالد نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جب تک ہدیہ دینے والا خود نہ آئے گا اس وقت تک اس کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اس جواب سے وہ لوگ اور زیادہ خوف زدہ ہوئے اور خالد ایک باغی اسحاق بن اسماعیل کی طرف بڑھا۔ اسحاق میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے وہ اپنے کو حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا کہ خالد کا انتقال ہو گیا اور اس کی فوج منتشر ہو گئی اور آرمینیا کی حالت پہلے سے بھی زیادہ ابتر ہو گئی۔ واثق نے خالد کے لڑکے محمد کو اس کی جگہ مامور کیا۔ اس نے احمد بن بسطام کو نصیبین روانہ کیا۔ احمد نے باغیوں کی پوری سرزنش کی اور انہیں قتل و گرفتار کر کے ان کے گھروں میں آگ لگا دی اور خالد کی فوج کے وہ آدمی جو اس کی موت کے بعد منتشر ہو گئے تھے محمد کے پاس چلے آئے۔ اس نے صناریہ اور اسحاق کو شکست دے کر نظام قائم کیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۸۸)

خوارج کی بغاوت: ۲۳۱ھ میں ديار ربیعہ کے خارجیوں نے سراٹھایا۔ غانم بن ابی مسلم نے ان کے سرغنہ محمد بن عبد اللہ کو گرفتار کر کے سامرا بھیجا۔ اسی زمانہ میں اصفہان اور فارس میں کردوں نے شورش مچائی۔ وصیف ترکی نے اس کو دبا یا اور پانچ سو کرد گرفتار کیے، جن میں زیادہ تر نوعمر غلام تھے۔

فتوحات: واثق کا عہد فتوحات سے بھی خالی نہیں ہے۔ اس کے زمانہ میں سسلی میں بعض اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۲۲۸ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر حملہ کیا اور مسینی کے بندرگاہ پر فوجیں اتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیں اور خود نابلی کی طرف بڑھا۔ یہاں کے باشندے امان حاصل کر کے اس کے ساتھ ہو گئے۔ مسلمانوں نے دو

سال تک اس کو فتح کرنے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں شہر کے چاروں طرف چکر لگا کر ایک مقام پر شہر میں داخلہ کا ایک راستہ معلوم کر لیا۔ اہل شہر دوسرے حصہ کی مدافعت میں مشغول تھے اس لیے مسلمان پہاڑ کو عبور کر کے دفعۃً عقب سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس ناگہانی حملہ سے گھبرا کر اہل شہر نے میدان چھوڑ دیا اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اسی سال شہر مسکان فتح ہوا۔

۲۲۹ھ میں ابو العباس اغلب بن فضل شرہ تک بڑھتا چلا گیا۔ اہل شرہ نے روکنا چاہا، لیکن انہوں نے بڑی فاش شکست کھائی۔ دس ہزار رومی کام آئے۔ اس کے مقابلہ میں صرف تین مسلمان شہید ہوئے۔ پھر ۲۳۲ھ میں فضل بن جعفر نے مسینی کا محاصرہ کیا اور دوران محاصرہ میں اس کو اطلاع ملی کہ مسینی کے باشندوں نے حقلیہ کے پادری سے مدد مانگی ہے۔ اس نے مدد کا وعدہ کیا ہے اور اپنی آمد کی یہ علامت بتائی ہے کہ جب فلاں پہاڑ پر تین دن تک آگ روشن دیکھو تو سمجھ لو کہ چوتھے دن تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت تم تیار ہو جانا اور دونوں مل کر دفعتاً مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔ یہ راز معلوم ہو جانے کے بعد فضل نے مقررہ وقت سے پہلے اس پہاڑ پر تین دن تک برابر آگ روشن کرادی۔ رومی پادری کے وعدہ کے مطابق فوراً جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ فضل نے ایک فوج کمین گاہ میں چھپا کر محاصرہ کرنے والوں کو ہدایت دے دی کہ جب مسینی کے باشندے شہر سے نکلیں تو تم کمین گاہ کی طرف پسپا ہو جانا۔ وہ تم پر حملہ آور ہوں گے اور جب وہ حملہ میں کمین گاہوں سے آگے نکل جائیں تو فوراً پلٹ کر حملہ کر دینا، چنانچہ اہل مسینی چوتھے دن جب بطریق کی امداد کی امید پر شہر سے نکلے تو سامنے مسلمان موجود تھے۔ دیکھتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ یہ فضل کی ہدایت کے مطابق کمین گاہ کی جانب پسپا ہو گئے۔ جب رومی کمین گاہوں سے آگے بڑھ گئے تو مسلمان دفعتاً پلٹ پڑے، پیچھے سے کمین گاہ والی فوج نے نکل کر حملہ کر دیا اور رومی دونوں طرف سے گھر کر صاف ہو گئے جو باقی بچے انہوں نے اپنی جان و مال کی امان

لے کر شہر حوالے کر دیا۔ اسی سن میں انکمر وہ کے شہر طارنت میں مسلمان آباد ہوئے۔ وزارت: مقتسم کے آخری عہد میں قلمدان وزارت محمد بن عبد الملک بن زیات کے ہاتھ میں تھا۔ واثق اس سے بہت برہم تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد اس کو سخت سزا دے گا، لیکن محمد بن زیات کی غیر معمولی قابلیت نے واثق کو اس کی قدر شناسی پر مجبور کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد واثق نے اپنی بیعت کے بارے میں کاتبوں کو ایک مراسلہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے لکھ کر پیش کیا۔ ان میں سے کوئی تحریر واثق کو پسند نہ آئی اور یہ خدمت زیات کے سپرد ہوئی۔ اس کی تحریر اس کو بہت پسند آئی۔ اس لیے وہ اس سے راضی ہو گیا اور قسم کا کنارہ دے کر ابن زیات کو منصب وزارت پر قائم رکھا اور دوسرے کاتبوں کو اس کے اسلوب تحریر کی تقلید کی ہدایت کی۔ (ابن خلکان جلد ۲، ص ۶) واثق کے زمانہ میں آخر تک یہی ایک وزیر رہا۔ وفات: ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں واثق استقاء میں مبتلا ہوا۔ اطباء نے گرم تنور میں بٹھا کر بھاپ دلائی۔ اس سے کچھ آفاقہ محسوس ہوا۔ دوسرے دن اس نے تنور کو زیادہ گرم کر کے دیر تک بھاپ لی۔ اس کے اثر سے بخار آ گیا۔ یہی بخار موت کا بہانہ بن گیا۔ وفات کے وقت بہ اختلاف ۳۲ یا ۳۶ سال عمر تھی۔ مدت خلافت ۵ سال ۹ مہینے کچھ دن۔

حلیہ: واثق نہایت خوش رو اور خوش اندام تھا۔ رنگ سرخ و سپید تھا۔ بانیں آنکھ میں پھلی تھیں۔

علمی استعداد: اوصاف میں وہ مامون کا شفی تھا۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ واثق عباسیہ کے افاضل خانہ میں تھا۔ وہ فاضل، عظیم، سمجھدار، فصیح البیان اور شاعر تھا۔ اس کی جملہ حرکات و سکنات مامون کے جیسے تھے۔ (الفخری ص ۳۱۵) سیوطی کا بیان ہے کہ واثق اپنے ادب اور فضل کی وجہ سے چھوٹا مامون کہلاتا تھا۔ اس کے اوصاف کی وجہ سے مامون اس کی بڑی عزت و محبت کرتا تھا اور اسے اپنی اولاد سے زیادہ مانتا تھا۔ موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور اس فن

میں وہ تمام عباسی خلفاء میں ممتاز تھا۔ موسیقی میں اس نے سوراگ ایجاد کیے تھے۔ عود بہت اچھا بجاتا تھا۔ شاعری میں مامون سے زیادہ باندق تھا۔ مامون نے عربی اور غیر عربی علوم کو باہم خلط ملط کر دیا تھا، لیکن واثق نے عربی علوم کے حدود بالکل الگ رکھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۳۸، ۳۳۹)

علمی مجالس: واثق آزاد خیال تھا اور مسائل میں تقلید کے بجائے آزادانہ فکر و تدبر کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس بنا پر اسے اگلے پچھلے فلاسفہ اور متفنون کی رائیں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ (مروج الذهب جلد ۷ ص ۱۷۲) اس کے دربار میں مختلف علوم و فنون کے علماء کی دلچسپ صحبتیں ہوتی تھیں۔ مسعودی نے اس قسم کی ایک صحبت کا جس میں اطباء اور فلاسفہ کا مجمع تھا، نہایت مفصل حال لکھا ہے۔ اس مجلس میں طبیعیات، مابعد الطبیعات اور الہیات، خصوصاً طب کی نظری اور تجربی حیثیت پر بہت طویل مکالمہ ہوتا تھا۔ اس نے مشہور فلسفی و طبیب حنین بن اسحاق سے طب پر ایک کتاب لکھائی۔ جس کا نام کتاب المسائل الطبیعیہ تھا۔

(تفصیل کے لیے دیکھو مسعودی جلد ۷ ص ۷۳ تا ۱۸۶)

مسئلہ خلق قرآن: واثق کی اس فلسفیانہ طبیعت اور آزاد روی کا یہ نتیجہ تھا کہ خلق قرآن اور رویت باری کے مسئلہ میں محدثین نے قید و بند اور قتل کی مصیبتیں جھیلیں۔ احمد بن نصر دار پر سرفراز ہوئے۔ یوسف بن یحییٰ فقیہ صاحب شافعی اور نعیم بن حماد وغیرہ نے قید کی مشقت اٹھائی اور اسی میں جان دے دی۔ (کتاب الختمہ ص ۱۱۹، ۱۲۰) یہ تو علمائے حق تھے جنہیں ہر باطل کے مقابلہ میں اس قسم کی ستم آرائیوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔ واثق اس بارہ میں اتنا تنگ خیال اور تشدد تھا کہ عوام تک سے ان اہم مسائل کا اقرار کرایا جاتا تھا، چنانچہ ۲۳۰ھ میں جب مسلمانوں اور رومیوں میں قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو قاضی ابن ابی داؤد کے اشارہ سے جن کا یہ تمام فتنہ اٹھایا ہوا تھا، وہ قیدی جو اس عقیدہ کا اقرار کرتے تھے، چھڑا لیے جاتے تھے اور جو انکار کرتے تھے، وہ رومیوں کی قید میں رہنے دیئے جاتے

تھے کہ وہ اس عقیدہ میں کافر تھے، لیکن سخت حیرت ہے کہ عقیدہ کی اس شدت اور سخت گیری کے باوجود واثق نے امام احمد بن حنبلؒ پر کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کو خارج البلد کر کے رہا کر دیا۔ اور امام صاحب اس کی زندگی بھر اس کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ (دیکھو کتاب الحجۃ ص ۱۱۹، ۱۲۰) خطیب بغدادی کی ایک روایت سے جو سیوطی نے نقل کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ واثق نے اپنی موت سے پہلے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۷) ممکن ہے امام احمد کی رہائی اسی رجعت کا نتیجہ ہو، لیکن سرکاری طور پر اس کی عقیدہ کی مخالفت متوکل کے عہد میں ہوئی۔ ان دونوں مسئلوں کے علاوہ اور امور میں وہ بڑا حلیم الطبع تھا۔ حمدون بن اسماعیل کا بیان ہے کہ خلفاء میں کوئی خلیفہ واثق سے زیادہ حلیم، تکالیف پر صبر کرنے والا اور خلاف طبع باتوں کو برداشت کرنے والا نہ تھا۔

علویوں کے ساتھ حسن سلوک: اس کے تحمل اور نرمی کا یہ ثبوت ہے کہ اس کے زمانہ میں اہل بیت نبوی ﷺ اور علویوں کو جو عباسیوں کے حریف مخالف تھے اور مدتوں سے ان کے مظالم سہتے چلے آتے تھے۔ آزادی ملی اور واثق نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا اعزاز و اکرام قائم کیا۔ واثق علویوں کا غیر معمولی احترام کرتا تھا اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۹)

رفاہ عام کے کام: اس نے اپنے عہد میں بہت سے ایسے کام کیے جن سے عام رعایا کو بڑا فائدہ پہنچا اور اس کی موت کے بعد لوگ مدتوں اس کو یاد کر کے رویا کرتے۔ خلفائے ماسبق کے زمانہ میں جہازوں سے بحری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے حکومت کو بڑی خطیر آمدنی ہوتی تھی، لیکن واثق نے اس ٹیکس کو بند کر دیا تھا۔ (ابو الفداء جلد ۲، ص ۳۶)

حرمین کی خدمت: حرمین کی خدمت خلفاء کے لیے سرمایہ سعادت تھی۔ واثق بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ وہ یہاں کے باشندوں کو اس فیاضی سے داد و دہش کرتا تھا کہ اس کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا۔ جب اس

کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو کھرام مچ گیا۔ مدینہ کی عورتیں ہر شب اس کی یاد میں تھج میں جا کر روتی تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۱) انتظامی امور میں بھی اس نے اصلاحیں کیں۔ اس کے زمانہ میں امراء اور اراکین دولت کا جن میں زیادہ تر کاتب تھے۔ استبداد بہت بڑھ گیا تھا اور رعایا کی دولت سے ان کے خزانے معمور تھے۔ واثق نے ان تمام خائن اور مستبد کاتبوں پر بڑے بڑے جرمانے کیے چنانچہ احمد بن اسرائیل سے ۸۰ ہزار دینار، ایتاخ ترکی کے کاتب سلیمان بن وہب سے ۴ لاکھ دینار، حسن بن وہب سے ۱۴ ہزار دینار، احمد بن حصیب اور اس کے کاتبوں سے ایک کروڑ دینار، ابراہیم بن رباح اور اس کے کاتبوں سے ایک لاکھ، نجاح سے ۶۰ ہزار دینار، ابو الوزیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کیے۔ (ابوالفداء جلد ۲، ص ۳۶ و ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۱) گو اس سے خیانت کا تو انسداد ہو گیا، لیکن ایک بری مثال قائم ہو گئی اور آئندہ کسی امیر اور رکن حکومت کی دولت و ثروت محفوظ نہ رہی اور اس کی ضبطی ایک رسم بن گئی۔

تذکرہ سمر غفلت: البتہ اس نے ترکوں کے غلبہ اور اقتدار کا جو روز بروز بڑھتا جاتا تھا، کوئی تذکرہ نہیں کیا، آئندہ چل کر خود خاندان کے لیے مصیبت بن گیا۔

جعفر بن معصم الملقب بہ متوکل علی اللہ

(۲۳۲ھ تا ۲۳۷ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۸۵۱ء)

واثق کی وفات کے بعد اس کا بھائی جعفر بن معصم تخت نشین ہوا۔ یہ ایک خوارزمی لونڈی کے لطن سے تھا۔ واثق کسی کو ولی عہد نہیں بنا گیا تھا۔ اس لیے اس کی وفات کے بعد قاضی احمد بن داؤد، ایتاخ، عمر بن فرج، احمد بن ابی خالد اور محمد بن زیات وغیرہ امراء انتخاب خلیفہ کے لیے جمع ہوئے۔ اکثروں کی رائے تھی کہ واثق کے نو عمر لڑکے محمد کو خلیفہ بنایا جائے، لیکن قاضی احمد بن داؤد نے مخالفت کی اور کہا اس لڑکے کو خلیفہ بناتے ہوئے تم لوگوں کو اللہ کا خوف نہیں معلوم ہوتا۔ ان کے اختلاف پر بحث شروع ہو گئی اور شاہی خاندان کے مختلف افراد کے نام لیے گئے، لیکن کسی پر نگاہ نہیں ٹھہری۔ آخر میں جعفر بن

معتصم کو لایا گیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد نے بڑھ کر اس کو شاہی لباس پہنایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر سلام خلافت گزارنا۔ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا اور متوکل علی اللہ لقب اختیار کیا۔ بیعت خلافت کے بعد سات خلفاء کی اولادوں نے سلام خلافت گزارا اور ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کا ستائیسواں سال تھا۔

وزیر ابن زیات کا قتل: واثق کے زمانہ سے متوکل وزیر ابن زیات سے برہم تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ واثق کسی وجہ سے متوکل سے ناراض ہو گیا تھا اور اس کی نگرانی کے لیے دو آدمی متعین کر دیئے تھے جو اس کے حالات کی اطلاع دیتے رہتے تھے۔ واثق پر ابن زیات کا بڑا اثر تھا۔ اس لیے متوکل ایک دن اس کے پاس گیا کہ وہ واثق سے سفارش کر کے اس کی صفائی کرا دے۔ ابن زیات نے اس کے ساتھ نہایت ناز و بارتاؤ کیا۔ پہلے تو مخاطب ہی نہیں ہوا اور دیر تک اس کو کھڑا رکھا، پھر کام ختم کر کے بیٹھنے کی اجازت دی اور خیمگیں لہجہ میں پوچھا، کیسے آئے ہو۔ متوکل نے کہا امیر المؤمنین کو مجھ سے راضی کرا دیجئے۔ ابن زیات نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ان کو دیکھو پہلے بھائی کو ناراض کرتے ہیں، پھر مجھ سے سفارش چاہتے ہیں۔ جاؤ جب تم اپنی حالت سدھار لو گے تو وہ خود راضی ہو جائیں گے۔

اس برتاؤ سے متوکل بہت افسردہ خاطر ہوا اور غمگین و ملول لوٹ آیا۔ ابن زیات نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ واثق کو اطلاع دی کہ متوکل چوٹی سنوارے، مخنثوں کی شکل میں میرے پاس آئے تھے اور چاہتے تھے کہ میں امیر المؤمنین سے ان کی صفائی کرا دوں۔ واثق نے کہا ان کے بال کٹوا کر ان کے منہ پر کھینچ مارو۔ ابن زیات نے اس حکم کو ماننے کے بجائے اس کی تعمیل کر دی، پھر واثق کے بعد اس نے اس کے بجائے اس کے لڑکے کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ ان اسباب کی بنا پر متوکل ابن زیات سے سخت برہم تھا، چنانچہ تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اس کو قید کر دیا، پھر اس کو لوہے کے کانٹے دار تنور میں جسے ابن زیات نے لوگوں کو سزا دینے کے لیے بنوایا تھا، اس کو بند کر

نے آرمینہ کے اطراف میں بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر یوسف ان کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ اس کے بلد پہنچنے کے بعد بعض بطارقہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور ایک بطریق بقراط میں اشوط اس کے پاس حاضر ہو گیا۔ محمد بن یوسف نے اس کو پکڑ کر متوکل کے پاس بھجوا دیا۔ اس پر بطارقہ بگڑ گئے اور لڑ کر یوسف کو قتل کر دیا اور بلد میں عام شورش پیدا ہو گئی۔ اس لئے یوسف کے قتل کے بعد متوکل نے بغا کبیر کو بھیجا۔ اس کے آتے ہی شورش کم ہونے لگی، چنانچہ موسیٰ بن زراہ جس نے بدلیسی پر قبضہ کر لیا تھا۔ امان لے کر بغا کے پاس چلا آیا۔ بغا نے اسے پابجولاں متوکل کے پاس بھجوا دیا، پھر باقی کا رخ کیا اور اشوط بن حمزہ کو پکڑ کے سرمن رائے بھیجا۔ یہاں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کے بعد بغا نے اسحاق بن اسماعیل کو جو تفلیس پر قابض ہو گیا تھا، بلا بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ میں بارگاہ خلافت کی اطاعت پر قائم ہوں، اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو روپیہ بھیج دوں، اگر آدمیوں کی ضرورت ہو تو آدمیوں سے مدد کروں، لیکن میں خود نہیں آ سکتا۔ یہ جواب سن کر بغا نے بڑھ کر اس کو شکست دی اور گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر صناریہ کی طرف بڑھا۔ یہاں اسے شکست ہوئی۔ اس شکست کے غصہ میں جن جن لوگوں کو امان دے چکا تھا۔ ان سب کو تعاقب کر کے گرفتار کر لیا، پھر بھی کچھ لوگ بچ کر نکل گئے اور روم خزر اور سقالبہ کی مدد حاصل کر کے بہت بڑی تعداد میں مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے۔ متوکل کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو اس نے خالد بن یزید شیبانی کو مامور کیا۔ اس کے آنے کے بعد سب خاموش ہو گئے اور خالد نے دوبارہ ان کی امان کی تجدید کر دی۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۹۹، ابن اثیر کا بیان اس سے مختلف ہے اور بہت طویل ہے)

یعقوب بن لیث الصفاری کا آغاز: اسی سن میں بست کے ایک باشندے صالح بن نصر نے بختان پر قبضہ کر لیا۔ یعقوب بن لیث الفارابی حکومت صفاریہ جو پہلے سے دولت عباسیہ کا باغی تھا، اس کے ساتھ ہو گیا، لیکن طاہر بن عبد اللہ بن طاہروالی

خراسان نے بختان واپس لے لیا، لیکن پھر ایک دوسرا شخص درہم بن حسین دوبارہ بختان پر قابض ہو گیا۔ یعقوب بھی اس کے ساتھ تھا، لیکن درہم میں خود فوجی تنظیم کی صلاحیت نہ تھی۔ اس لیے اس کی باگ یعقوب بن صفار کے ہاتھ میں تھی۔ درہم کے ساتھیوں کو جب اس کی کمزوری اور صفار کی اہلیت اور قابلیت کا اندازہ ہوا تو انہوں نے درہم کی جگہ اس کو سردار بنالیا۔ درہم نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گیا اور صفار نے بختان کا بہت اچھا انتظام کیا۔ فوجی قوت کو بڑی ترقی دی اور چند دنوں میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے بختان میں مستقل حکومت قائم کر لی جو تاریخوں میں صفاری حکومت کے نام سے موسوم ہے، اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

مصریوں پر رومیوں کا ہجوم: ۲۳۹ھ میں تین رومی سردار تین سو کشتیاں لے کر اسلامی ملکوں کی سمت نکلے۔ ان میں سے ایک نے ساحل دمياط پر بیڑا لنگر انداز کیا۔ اتفاق سے اس زمانہ میں عید کی تقریب کے سلسلہ میں عنبر بن اسحاق صہبانی والی مصر نے دمياط کی فوجیں مصر بلالی تھیں اور دمياط بالکل خالی تھا۔ اس لیے رومیوں نے بغیر کسی مزاحمت کے آزادی کے ساتھ یہاں جس قدر ساز و سامان اور اسلحے تھے سب لوٹ لیا اور چھ سو مسلمان اور ذمی عورتوں کو گرفتار کر کے جامع مسجد جلا ڈالی اور لوٹا ہوا مال لے جانے کے لیے کشتیوں پر بار کیا تھا کہ ایک مسلمان امیر بسر بن اکشف جو اس وقت قید خانہ میں تھا بیڑیاں توڑ کر نکل آیا، بہت سے آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور رومیوں پر حملہ کر کے ان کی اچھی خاصی جماعت تہ تیغ کر دی۔ رومی بھاگ کر اشنوتم تینس پہنچے اور اسلحہ لوٹ کر یہاں کا بڑا آہنی پھاٹک کو اکھاڑ لے گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۲) اس واقعہ کے بعد متوکل نے دمياط میں قلعہ بنوانے کا حکم دیا اور رمضان ۲۳۹ھ میں قلعہ کی تعمیر شروع کر دی۔

حمص کسی بغاوت: ۲۴۰ھ میں اہل حمص نے بغاوت کی اور عباسی حاکم ابوالمغیث موسیٰ بن ابراہیم کو مصر سے نکال دیا۔ متوکل نے محمد بن عبد ربہ کو حمص کا حاکم

مقرر کر کے ان کو اور عتاب بن عتاب کو باغیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ان دونوں نے جمص پہنچ کر سکون پیدا کیا، لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی بگڑ گئے۔ محمد بن عبد ربہ نے ان کو دوبارہ قابو میں کیا اور ان کے سربر آوردہ اشخاص کی ایک جماعت پکڑ کے پابجولاں متوکل کے پاس بھجوائی اور وہاں سے واپسی کے بعد محمد بن عبد ربہ نے ان سب کو کوڑوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور ان کی لاشیں سولی پر لٹکائیں اور جس قدر فتنہ پرست تھے سب کو ایک ایک کر کے فنا کر دیا۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۵۹۹)

مسلمان قیدیوں کی رہائی: ۲۴۱ھ میں ۹۱۰ مسلمان قیدی جو رومیوں کے ہاتھ میں اسیر تھے چھڑا لیے گئے۔ روم کی ملکہ تدورہ کے پاس بارہ ہزار مسلمان قیدی تھے۔ ۲۴۱ھ میں اس نے ان کے سامنے عیسوی مذہب پیش کیا۔ جن مسلمانوں نے قبول کر لیا ان کو زندہ رکھا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں قتل کر دیا، پھر بھی کافی تعداد باقی رہ گئی تھی۔ ان کے متعلق متوکل سے کہا بھیجا کہ اگر وہ چاہے تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے، چنانچہ متوکل نے شنیف خادم اور جعفر بن عبد الواحد قاضی التضاۃ بغداد کو روم بھیج کر چھڑا منگوایا۔ ان میں ۸۵ مرد اور ۲۵ عورتیں تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۴)

صعیید مصر پر بجاء کی یورش: ۲۴۱ھ میں بجاء نے مصر پر تاخت کی۔ طبری کا بیان ہے کہ یہ لوگ حبشیوں کی جنس سے تھے اور حبشہ اور سوڈان کے مغرب میں رہتے تھے۔ ان کے ملک میں سونے کی کانیں تھیں۔ ان میں اور مسلمانوں میں عرصہ سے یہ معاہدہ تھا کہ فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں گے اور بجاء چار سو مثقال خام سونا سالانہ حکومت مصر کو دیا کریں گے۔ ایک عرصہ تک یہ لوگ اس معاہدہ کے پابند رہے، لیکن متوکل کے زمانہ میں کئی سال تک سونا نہیں بھیجا اور چند مسلمانوں کو جو سونے اور جواہرات کی کانوں میں کام کرتے تھے قتل کر کے ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا اور مسلمانوں کو کان کنی سے روک دیا۔ اس لیے وہ یہاں سے بھاگ گئے۔ اس سے حکومت کی آمدنی میں جو کان سے بطور خسر حاصل ہوتی تھی

کمی آگئی۔ متوکل پر مسلمانوں کا قتل بہت گراں گزرا۔ اس نے بجاء پر فوج کشی کے بارہ میں مشورہ کیا۔ لوگوں نے اس کی دشواریاں بتائیں کہ وہ لوگ سخت وحشی ہیں۔ ان کے پاس اونٹ اور دھڑے مویشی کے گلے بکثرت ہیں۔ ان کے ملک تک پہنچنا بہت مشکل ہے اور فوج کا تو وہاں پہنچنا ناممکن ہے۔ ان کی آبادی اور اسلامی حکومت کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ راستہ تمام تر پہاڑوں، بیابانوں اور بے آب و گیاہ میدانوں پر مشتمل ہے۔ جہاں پانی اور سبزی کا نام تک نہیں اور نہ کوئی قلعہ وغیرہ ہے۔ اس لیے اگر کوئی مہم وہاں بھیجی جائے تو اس کی مدت قیام تک کا کل ساز و سامان ساتھ جانا چاہیے، اگر مدت قیام مقررہ وقت سے بڑھ گئی تو پھر کوئی باقی نہیں بچ سکتا اور بجاء والے ان کو بغیر لڑے بھڑے گرفتار کر لیں گے۔ یہ مشکلات سن کر متوکل نے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا، لیکن اہل بجاء کی سرکشی اور جرات بہت بڑھ گئی اور مسلمانوں پر ان کا دستِ ظاول دراز ہونے لگا۔ صعيد مصر کے باشندے جو ان سے نسبتاً قریب تھے، بہت خوفزدہ ہو گئے، اس لیے متوکل کو مجبوراً فوج کشی کا عزم کرنا پڑا۔

بجاء پر فوج کشی: چنانچہ اس نے محمد بن عبد اللہ المعروف ہمتی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا اور عینہ بن اسحاق ضلمی سپہ سالار مصر کو لکھا کہ ہمتی کو جس قدر فوج اور ساز و سامان کی ضرورت ہو، وہ مصر سے ان کے لیے مہیا کیا جائے۔ ہمتی نے بڑے اہتمام سے بجاء پر فوج کشی کی۔ بحرِ قلزم کے ذریعہ روغنِ زیتون، کھجور، سنو اور جو وغیرہ سامانِ رسد کے ساتھ جہاز بجاء روانہ کئے اور خود کان کنوں اور بیس ہزار رضا کاروں کو لے کر خشکی کے راستہ سے کوہستان اور ریگستان کو طے کرتا ہوا بجاء کے علاقہ میں پہنچا۔ یہاں کافر مانروا علی بابا مسلمانوں کی دونی طاقت کے ساتھ مقابلہ میں آیا، مگر جم کر مقابلہ نہیں کیا، بلکہ چھیڑ چھاڑ کے سلسلہ کو طول دیتا گیا تا کہ جب مسلمانوں کا سامان خور و نوش اور ان کے مویشیوں کا چارہ ختم ہو جائے تو بغیر جنگ کے ان کو مار لے۔ اس دوران میں سامانِ رسد کی ساتوں کشتیاں پہنچ گئیں اور صحنہ کے ساحل پر لنگر

انداز ہوئیں۔ اسلامی فوج کے پاس سامانِ رسد کی فراوانی دیکھ کر علی بابا کھل کر میدان میں آ گیا۔ دورانِ جنگ میں مئی کو اندازہ ہوا کہ اہلِ بجہ کے اونٹ ہر چیز سے بھڑکتے ہیں، چنانچہ اس نے پوری فوج کی گھنٹیاں جمع کر کے گھوڑوں کی گردنوں میں پہنا کر دوبارہ حملہ کیا۔ گھنٹیوں کی آوازیں سن کر اہلِ بجہ کے اونٹ بھڑک کر کوہستان و وادیِ جدھر راستہ ملا سواروں کو لے کر بھاگے اور ان کی فوجیں درہم برہم ہو گئیں۔ مئی نے ان کا تعاقب کر کے بہتوں کو قتل و قید کیا اور رات گئے واپس ہوئے۔ اس معرکہ میں بے شمار بجاہ مارے گئے۔ دوسرے دن مسلمانوں کی نظریں بچا کر مقابلہ کے لیے ایک محفوظ مقام پر جمع ہوئے۔ مئی کو پتہ چل گیا اور وہ راتوں رات دفعۃً ان کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔ علی بابا چونکہ پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مئی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد علی بابا کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ مئی کی امان میں آ گیا اور چاروں سال کا واجب الادائیس چار سو منثقال سالانہ کے حساب سے ادا کر دیا اور اپنے لڑکے تعیس کو اپنا قائم مقام بنا کر مئی کے ساتھ آستانِ خلافت پر حاضر ہوا۔ متوکل نے اس کی اطاعت کیشی کے صلہ میں خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا اور اس کو اونٹوں پر زریں کجاوے اور دیبا کی جھولیں ڈلوائیں۔ خلعت پہن کر مئی کے ساتھ اپنے ملک واپس ہوا۔

تغییراتِ ارضی و سماوی کا طوفان: ۲۴۱ھ میں حوادثِ ارضی و سماوی کا سلسلہ شروع ہوا اور تین سال تک برابر قائم رہا۔ اس کے اثر سے ممالکِ اسلامیہ کے اکثر حصے متاثر ہوئے اور بڑا جانی و مالی نقصان ہوا۔

سب سے اول ۲۴۱ھ میں مقامِ آب میں طوفانی بارش ہوئی اور رات بھر شہابِ ثاقب ٹوٹتے رہے۔ اسی سال رے میں سخت زلزلہ آیا اور بے شمار مکانات زمین بوس ہو گئے۔ زلزلہ کا سلسلہ ۴۰ دن تک قائم رہا اور ترکستان سے برفانی ہوا کے طوفان اٹھے۔ ۲۴۲ھ میں ضلعِ قومن میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ تمام مکانات زمین بوس ہو گئے

اور ۴۵ ہزار آدمی دب کر مر گئے۔ اس زلزلہ کے اثر سے شام، فارس، خراسان اور یمن کے علاقے بھی متاثر ہوئے۔ زلزلہ کے جھٹکوں کے ساتھ نہایت خوفناک آوازیں بھی پیدا ہوتی تھیں۔ ۲۴۵ھ میں مغرب میں زلزلہ آیا اور بہت سے قلعے، پل اور مکانات برباد ہو گئے۔ متوکل نے مصیبت زدوں میں تیس لاکھ درہم تقسیم کیے۔ اسی زمانہ میں فوجی چھاؤنیوں، مدائن اور اطالکیہ میں زلزلہ آیا۔ پندرہ سو گھر مسمار ہو گئے اور بے شمار آدمی دب کر مر گئے۔ اطالکیہ کی شہر پناہ کے نوے سے زیادہ برج گر پڑے۔ زلزلہ کا جھکا اتنا شدید تھا کہ اطالکیہ کا پہاڑ پھٹ کر دریا میں گر گیا۔ دریا میں طغیانی آ گئی اور پانی سے سیاہ تاریک بدبو دار دھوئیں کے بادل اٹھے اور نہایت خوفناک آوازیں پیدا ہوئیں۔ سیس میں یہ آوازیں ایسی ہیبت ناک تھیں کہ اس کی وحشت سے بہت آدمی مر گئے۔ اسی زمانہ میں جزیرہ ثغور، طرطوس، ادنہ اور شام میں زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے۔ لاذقیہ میں یہ جھٹکے ایسے سخت تھے کہ یہاں کے باشندوں میں بہت کم لوگ باقی بچے۔ تین سال تک ان مصائب کا سلسلہ جاری رہا۔

صقلیہ کی فتوحات: متوکل کے زمانہ میں رومیوں سے بکثرت معرکے ہوئے اور صقلیہ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ اسی زمانہ میں صقلیہ میں مسلمانوں کی نو آبادی قائم ہو چکی تھی۔ بلرم ان کا مرکز تھا اور اہل صقلیہ سے جنگ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۲۳۴ھ میں زغوس کے باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر کے شہر مع جملہ سامان کے ان کے حوالہ کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے استحکامات توڑ دیئے اور جس قدر سامان یہاں سے منتقل کر سکے لے گئے۔ ۲۳۵ھ میں ایک رومی دستہ نے قسریانہ پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۳) رجب ۲۳۶ھ میں صقلیہ کے مسلمان حاکم محمد بن عبد اللہ بن اغلب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے بعد صقلیہ کے مسلمانوں نے عباس بن فضل بن یعقوب کو اپنا امیر بنایا اور محمد بن اغلب والی افریقہ سے اس کی منظوری حاصل کر لی۔ صقلیہ کی امارت ملنے کے بعد عباس نے اپنے چچا رباح کو

قلعہ ابی ثور روانہ کیا اور خود قصریانہ کی طرف بڑھا اور اس پر تاخت کر کے لوٹ آیا، البتہ رباح نے بہت سے رومیوں کو قتل کر کے مال غنیمت حاصل کیا۔ ۲۳۸ھ میں عباس ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پھر نکلا اور قصریانہ، قطانہ، سرقوسہ، نوٹس اور دغوس پر تاخت کرتا ہوا اشیبرہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔ ۲۴۲ھ میں پھر بڑھا اور بہت سے قلعے فتح کیے۔ ۲۴۳ھ میں قصریانہ پر فوج کشی کی۔ یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی۔ انہیں شکست دینے کے بعد عباس آگے بڑھا اور سرقوسہ اور طبرمین وغیرہ پر تاخت کر کے قصر حدیدہ کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ نے پندرہ ہزار دینار دے کر صلح کرنی چاہی مگر عباس نے منظور نہ کی اور محاصرہ جاری رکھا۔ آخر میں اہل قلعہ نے اس شرط پر قلعہ حوالہ کر دیا کہ قلعہ کے اندر کے دو سو آدمیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اسے عباس نے قبول کر لیا اور دو سو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی آدمیوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور قلعہ مسمار کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۰)

قصریانہ کی فتح: صقلیہ میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس کا پایہ تخت سرقوسہ تھا، لیکن مسلمانوں کے حملہ کے بعد قصریانہ کے استحکام کی وجہ سے رومیوں نے اس کو دارالسلطنت بنالیا تھا۔ امیر عباس کی ابتداء سے اس پر نظر تھی۔ اس نے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک بحری مہم بھی روانہ کی تھی۔ اس نے ایک رومی بحری بیڑے کا جس میں چالیس جہاز تھے، مقابلہ کر کے دس جہازوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد تیسری مہم روانہ کی۔ اس نے قصریانہ پر تاخت کی اور وہاں کا ایک ممتاز آدمی گرفتار ہوا اور واپسی کے بعد عباس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ رومی نے کہا مجھے قتل کر کے تم کو کیا فائدہ ہوگا، اگر مجھ کو چھوڑ دو تو میں قصریانہ پر قبضہ کرادوں گا اور اس کی یہ تدبیر بتائی کہ قصریانہ کے باشندے اس ٹھنڈے اور برف آلود موسم میں تمہارے حملہ سے بالکل مطمئن ہیں اور قصریانہ کی حفاظت کا کوئی خاص سامان نہیں ہے۔ اس لیے تم میرے ساتھ تھوڑی فوج بھیج دو۔ میں اس کو قصریانہ میں داخل کرا

دوں گا۔ عباس اس وقت دو ہزار بہادروں کا ایک دستہ لے کر رومی فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا اور قصریانہ کے قریب پہنچ کر خود ایک مقام پر چھپ گیا اور اپنے چچا رباح کو آگے روانہ کر دیا۔ وہ رات کی تاریکی میں قصریانہ پہنچا۔ رومی نے اس کو ایک مقام پر لے جا کر بتایا کہ اس جگہ سے آسانی کے ساتھ قبضہ ہو سکتا ہے، چنانچہ مسلمان کمند ڈال کر اس پہاڑی پر جس کے دامن میں قصریانہ آباد تھا، چڑھ کر پارا تر گئے اور صبح کے قریب شہر پناہ کی دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت محافظ سو رہے تھے۔ مسلمان ایک چھوٹے راستہ سے جس کے ذریعہ شہر کے اندر پانی جاتا تھا۔ شہر میں داخل ہو گئے اور شہر پناہ کا پھاٹک کھول کر دفعۃً رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اس دوران میں عباس بھی پہنچ گیا اور اپنے دستہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اس طرح شوال ۲۴۴ھ میں حقلیہ کے پایہ تخت قصریانہ پر قبضہ ہو گیا۔ اسی دن عباس نے قصریانہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور اگلے جمعہ کو اس میں پہلا خطبہ پڑھا۔ اس فتح میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بطارقہ اور شاہی خاندان کی بہت سی لڑکیاں گرفتار ہوئیں۔ اس واقعہ کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ روم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تین سو جہازوں کا عظیم الشان بیڑا جمعہ ایک جہاز لشکر کے ایک بطریق کی قیادت میں حقلیہ روانہ کیا۔ وہ سیدھا سرقوسہ پہنچا۔ عباس نے اسے بھی فاش شکست دی اور رومی بیڑے کے سو جہاز گرفتار کر لیے اور ان کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ ان پیہم شکستوں نے ان رومیوں میں بھی جو مسلمانوں کے مطیع ہو گئے تھے، انتقام کا جوش پیدا کر دیا، چنانچہ سطر، ابلا، البلاطونا، قلعہ عبدالمومن، قلعہ بلوط اور قلعہ ابی ثور وغیرہ کے رومی باغی ہو گئے۔ اس لیے عباس ان کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ راستہ ہی میں رومی فوجوں کا سامنا ہو گیا۔ عباس انہیں شکست دیتا ہوا آگے بڑھا اور قلعہ عبدالمومن اور قلعہ ابلاطونا کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں خبر ملی کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اس لیے ان قلعوں کو چھوڑ کر اس لشکر کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ حقلو دی میں دونوں کا سامنا ہوا۔ عباس نے

اسے بھی شکست دی اور وہ کامیاب قصریانہ واپس ہوا۔ یہاں آنے کے بعد ازسرنو قصریانہ کی مرمت کروائی۔ جنگی استحکامات درست کیے۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اس سے فراغت کے بعد ۲۴۷ھ میں صقلیہ کے دوسرے مرکزی شہر سرقوسہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس پر تاخت کرتا ہوا فرقہ کی طرف بڑھا، لیکن راستہ میں پیام اجل آ پہنچا اور دس دن بیمار رہ کر تیسری جمادی الثانی ۲۴۷ھ میں سفر آخرت کر گیا اور اس مجاہد کا جسم خاکی اس غربت کدہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ رومی شکست کی شرمندگی میں اتنے غضب ناک ہو رہے تھے کہ انہوں نے قبر اکھیر کر لاش نکال کر جلا ڈالی۔ اس کے بعد بھی جاڑے گرمی دونوں موسموں میں جہاد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جن کی تفصیلات مختصر کے حالات میں آئیں گی۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۱۲۰)

دوسری فتوحات: ان فتوحات کے علاوہ اور مقامات پر بھی رومیوں سے معرکے ہوئے، چنانچہ ۲۴۸ھ میں حسب معمول موسم گرما میں علی بن یحییٰ ارمنی نے رومی حدود پر فوج کشی کی۔ دونوں میں معمولی جنگ بھی ہوئی۔ اس کی واپسی کے بعد نواح سمیساٹ کے رومیوں نے سرحدی مقامات پر حملہ اور لوٹ مار کی اور دس ہزار آدمی پکڑ لیے گئے۔ قرانشاش اور عمر بن الاقطع نے ان کا تعاقب کیا، مگر وہ نکل چکے تھے۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۷۷، ۲۷۸) چونکہ اس علاقہ کے رومی اکثر اسلامی حدود پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے۔ اس لیے متوکل نے اس کو روکنے کے لیے ۲۴۵ھ میں بغاکیہ کو مامور کیا۔ اس نے صمد فتح کر کے ارض روم کو پوری طرح سے پامال کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۷۷ ابن خلدون حوالہ مذکور) لیکن اسی سال علی بن یحییٰ ارمنی نے گرمائی فوجوں کے ساتھ کرکرہ پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندے اپنے بطریق سے باغی ہو رہے تھے۔ انہوں نے پکڑ کر متوکل کے موالی کے حوالہ کر دیا۔ شہنشاہ روم نے اس کے بدلہ میں ایک مسلمان رہا کر کے بطریق کو چھڑایا۔ ۲۴۶ھ میں عمرو بن عبداللہ الاقطع گرمائی فوجوں کو لے کر نکلا اور چار ہزار آدمی گرفتار کیے، پھر فضل بن قاران نے بیس جہازوں

کے ساتھ بحری حملہ کر کے اٹھائیے کا قلعہ فتح کیا۔

دور تسنزل کا آغاز: اگرچہ متوکل کے زمانہ میں فتوحات و محاربات اور حکومت کے شان و شکوہ کے اعتبار سے دولت عباسیہ میں کوئی کمی نہ آئی تھی اور اس کا ظاہری دبدبہ و وقار ویسا ہی قائم تھا، لیکن اندرونی خرابیوں نے ضعف و کمزوری کے تمام عناصر پیدا کر دیئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مضر ترکوں کا غلبہ و اقتدار تھا۔ وہ حکومت پر اتنے حاوی ہو گئے تھے کہ ان کے مقابلے میں خود خلیفہ کمزور پڑ گیا تھا۔ اس سے دونوں میں بدگمانی پھر کشاکشی اور آخر میں اختلاف شروع ہو گیا۔ ترکوں کی خود سری دیکھ کر دوسرے عمال حکومت میں بھی بے عنوانی کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان سے مواخذہ اور داروغہ شروع ہو گئی۔ اس لیے باہمی اعتماد باقی نہ رہا۔ ان سب سے بڑھ کر ولی عہدی کے بارہ میں متوکل کی سیاسی غلطی نے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی، رہا سہا بھرم اور کھو دیا۔

امیر ایساخ ترکسی کا قتل: ترک ایک وحشی جنگجو اور آئین و آداب سے ناواقف قوم تھی۔ واقع ہی کے زمانہ میں سے ان کی بے عنوانیاں شروع ہو گئی تھیں۔ متوکل کے دور میں ان کا غلبہ اتنا بڑھ گیا کہ وہ اس کے قابو سے باہر ہو گئے اور اس سے گستاخی اور امور مملکت میں مداخلت کرنے لگے۔ ایک مرتبہ متوکل کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا، مگر امیر بغا کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے۔ (مروج الذهب مسعودی جلد ۳، ص ۲۵۹) اس وقت متوکل نے ان کا زور توڑنے کی جانب توجہ کی اور سب سے پہلے ایساخ ترک کی اس کی زد میں آیا۔ یہ متوکل کی عہد کا ممتاز ترک افسر تھا۔ ابتداء میں امیر سلام الارش کا باورچی تھا۔ معتصم نے اسے ہونہار دیکھ کر خرید لیا اور اس کا اعزاز بڑھا کر شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ فوج کی امارت، مغاربہ اور ترکوں کی حکومت، حجابت، مالیات اور خبر رسائی کے اہم ذمہ دار عہدے اس کے سپرد ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۴)

ایک شب کو وہ متوکل کی بزم نشا ط میں شریک تھا۔ دونوں نے شراب پی۔ متوکل نے بدمستی میں اس سے چھیڑکی۔ ایتاخ بھی مدہوش تھا۔ اس نے متوکل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، مگر پھر رک گیا۔ جب ہوش آیا تو اپنی جرات و گستاخی پر متوکل سے معذرت کی اور کچھ دنوں تک اس کے پاس سے دور رہنے کے لیے حج کی اجازت مانگی۔ متوکل نے مصلحتاً دے دی، بلکہ نمائش کیلئے خلعت عطا کیا اور عراق سے حجاز تک کی حکومت کا پروانہ بھی دے دیا اور ذیقعدہ ۲۳۴ھ میں ایتاخ حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کے ہٹتے ہی متوکل نے حجابت کا عہدہ امیر وصیت کی جانب منتقل کر دیا۔ ایتاخ جب حج سے واپس ہوا تو متوکل نے امیر اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ ترکوں کا مرکز سرمن رای تھا۔ یہاں اس کا گرفتار کرنا مشکل تھا۔ اس لیے ایتاخ جب قریب پہنچا تو اسحاق نے اس کو لکھا کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ پہلے آپ بغداد میں دربار منعقد کر کے بنی ہاشم اور عمائد سے ملیئے اور لوگوں میں انعامات تقسیم کیجئے۔ اس لیے ایتاخ سرمن رای جانے کے بجائے سیدھا بغداد آیا۔ امیر اسحاق امیر خذیمہ کے محل کے دروازہ پر اس کا استقبال کر کے اندر لے گیا، لیکن اس کے آدمی باہر ہی روک دیئے گئے اور محل کے چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا گیا۔ محل کے اندر آنے کے بعد ایتاخ اور اس کے لڑکے مظفر و منصور اور اس کا کاتب گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے۔ ایتاخ قید ہی میں مرا، لیکن اس کے لڑکوں کو مستنصر نے اپنے زمانہ میں چھوڑ دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۲۷۴) لیکن ایتاخ کے قتل سے ترکوں کے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

عمرو بن فرج کی قید اور رہائی: دوسرا گستاخ ترکی امیر عمرو بن فرج تھا۔ یہ معتمد کے زمانہ میں بخشی تھا۔ تمام وٹیفے اور وثیقے اسی کے دستخط سے برآمد ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ متوکل اپنے وظیفہ کے لیے اس کے پاس دستخط کرانے کے لیے گیا۔ اس نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر مسجد کے صحن میں پھینک دیا۔ اسی وقت سے متوکل اس سے آزرہ تھا۔ اس لیے تخت نشینی کے بعد اس کا کل مال و متاع ضبط کر

کے قید کر دیا۔ اس کے لڑکے محمد اور غلام نصر پر بھی عتاب نازل ہوا اور گھر بھر کی کروڑوں روپے کی جاگیر اور اثاثا البیت ضبط کر لیا گیا۔ کچھ دنوں قید میں رہنے کے بعد ایک کروڑ درہم دے کر رہائی حاصل کی اور اہواز کی جاگیر و آگزار کرانی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲، ص ۱۳۷۷)

خسانوں کی سزائیں: ترکوں کے غلبہ اور ان کی بے راہ روی کی وجہ سے حکومت کا پورا عملہ ہی بگڑ گیا تھا۔ بہت سے عہدہ داروں نے خیانت سے گھر بنانے شروع کر دیئے تھے۔ متوکل نے تین نصرانی عہدہ داروں محمد بن عبد الملک، یثیم بن خالد اور سعدون بن علی کو خیانت کے جرم میں قید کیا۔ سعدون نے چالیس ہزار اشرفی دے کر رہائی حاصل کی۔ عبد اللہ اور احمد کی جائیدادیں ضبط کی گئیں اور انہوں نے تیس تیس ہزار دے کر اپنے کو قید سے بچایا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۳۷۸) اس استحصال سے متوکل کو دولت کی چاٹ پڑ گئی اور اس کی نگاہ تمام ارباب ثروت کی دولت پر پڑنے لگی اور بہت سے ناکردہ گناہ لوگوں کی دولت ضبط ہوئی۔ ان میں سے ایک امیر ابو الوزیر بھی تھا۔ اس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ متوکل نے سب ضبط کر لی اور ابراہیم بن جنید نصرانی سے ستر ہزار دینار وصول کر کے اس کو قید کر دیا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۳۷۸)

قاضی احمد بن ابی داؤد پر عتاب: قاضی احمد بن ابی داؤد جنہوں نے مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کی بدعت ایجاد کی تھی اور واثق کے عہد تک اس کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے تھے۔ ۲۳۷ھ میں معتبوب ہوئے اور ان کی کل منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی۔ ان کا لڑکا ابو الولید اور پوتے قید کر دیئے گئے۔ ابو الولید کے پاس بڑی دولت تھی۔ اس نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دے کر اپنے سارے گھر کو رہا کر لیا اور اس کے بدلہ میں اپنے باپ اور بھائیوں سے ان کی جائیداد کا بیع نامہ لکھوا لیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۵) احمد بن ابی داؤد پر عتاب کے بعد یحییٰ بن اٹم قضاۃ کے مسند پر بیٹھے لیکن ۲۴۰ھ میں یہ بھی ہٹا لیے گئے اور ان کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا۔ جس کی

مقدار ۷۵ ہزار دینار اور چار ہزار جریب زمین تھی۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۴۴) متوکل کی اس مثال سے خلافت عباسیہ میں استحصال بالجبر کی رسم قائم ہو گئی۔

ولایت عہد: متوکل کو اپنی بیعت کے وقت امراء میں اختلاف رائے کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لڑکوں محمد، طلحہ اور ابراہیم کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کر کے منصر باللہ، معتز باللہ اور موید باللہ لقب دیا اور عباسی حکومت کو ان تینوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو ان کے رتبہ حکومت کا خود مختار بادشاہ بنا دیا۔ منصر کو افریقہ، مغرب، قسمرین، دیار ربیعہ، دیار مصر، موصل، عانہ، خابور، کوردجلہ، سواد، حرین، یمن، حضر موت، سندھ، مکران، قندابل وغیرہ کا علاقہ ملا۔ خراسان، طبرستان، رے، آرمینہ، آذربائیجان اور فارس کا ملک معتز کے حصہ میں آیا۔ ۲۴۰ھ میں خزانہ عامرہ اور نکسال بھی اس کے متعلق کر دیئے گئے اور اس کے نام کا سکہ چلنے لگا۔ موید کو حمص، دمشق، فلسطین اور شام کا علاقہ عطا کیا۔

یہ تینوں اپنے اپنے ملکوں کے خود مختار بادشاہ تھے اور ایک دوسرے کے حدود میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری وابن اثیر حالات ۲۳۵ھ) لیکن ولایت عہد اور متوکل کی جانشینی میں پہلا نام منصر کا تھا۔ متوکل کی یہ اتنی بڑی پولیٹیکل غلطی تھی جس کا ثمرہ اس کو اس کی زندگی ہی میں مل گیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

وزارت: متوکل کے عہد میں کئی وزارتیں بدلیں۔ اس کا سب سے پہلا وزیر ابن زیات تھا۔ جس پر تخت نشینی کے بعد ہی عتاب نازل ہوا۔ ابن زیات کے بعد اس کا کاتب ابوالوزیر وزارت کے فرائض ادا کرنے لگا، لیکن وزارت عہدہ اور لقب نہیں ملا۔ یہ بھی معتبوب ہوا تو ابو جعفر محمد بن فضل کو منصب وزارت تفویض ہوا۔ یہ ایک ضعیف العمر شخص، مگر ظریف علم مجلسی کا واقف کار اور موسیقی کا ماہر تھا۔ متوکل کے دل میں اس نے اتنا اثر پیدا کیا کہ وزارت تک پہنچ گیا، لیکن چند ہی دنوں بعد اس کی اتنی شکایتیں

ہوئیں کہ معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا۔ اس میں کسی حد تک وزارت کے اوصاف تھے۔ خط نہایت پاکیزہ تھا۔ حساب مالگداری اور تحصیل وصول وغیرہ کے قوانین میں اچھی بصیرت رکھتا تھا۔ خوش اخلاق اور فیاض بھی تھا، لیکن دماغ میں کچھ فتور تھا۔ بڑا متدین اور روپیہ پیسہ سے بے نیاز تھا۔ ایک مرتبہ حاکم مصر نے اس کے پاس دو لاکھ دینار نقد اور ۳۰ صندوق مصری کپڑوں کے بھیجے۔ اس نے ایک رومال کے سوا کوئی چیز قبول نہ کی اور کل مال خزانہ میں داخل کر دیا، پھر اسی روپیہ سے حاکم مصر کے لیے مکان لیا۔ یہ متوکل کی زندگی بھر اس کا وزیر رہا۔ اس سے ہر طبقہ نہایت خوش اور مطمئن تھا۔ چنانچہ متوکل کے قتل کے زمانہ میں جب متوسلین شاہی پر مصائب نازل ہوئے تو فوج نے خود آ کر اس کے محل کی نگرانی کی اور کہا کہ آپ نے اپنے زمانہ وزارت میں ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ اس لیے اس فتنہ میں ہمارا کم سے کم یہ فرض ہے کہ آپ کی حفاظت کریں تا کہ آپ کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے۔ (الفخری ص ۲۱۶)

معتز کا عروج اور منتصر کا زوال: اوپر گزر چکا ہے کہ متوکل نے ولایت عہد کے سلسلہ میں منتصر کا نام سب سے مقدم رکھا تھا، لیکن اس کو معتز کی ماں سے بہت محبت تھی۔ اس لیے نامزدگی کے بعد اس نے معتز کا نام منتصر سے پہلے کرنا چاہا اور اس کو تکم دیا کہ وہ معتز کے حق میں اپنا نمبر بعد میں کر لے، لیکن منتصر اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے انکار پر متوکل نے دربار میں اس کا مرتبہ گھٹانا شروع کیا اور عام مجمعوں میں اس کو برملا ڈانٹنے دھمکانے اور برا بھلا کہنے لگا اور معتز کو اس کے مقابلہ میں بڑھانے کے لیے اپنی نیابت کا اعزاز بخشے لگا اور رمضان ۲۴۰ھ کے پہلے جمعہ میں اس کو امامت کی نیابت عطا کی۔ اس تقریب میں اس کے ساتھ وہ تمام آداب و رسوم برتے گئے جو خلفاء کے ساتھ برتے جاتے تھے چنانچہ خطبہ کے بعد عمائد سلطنت میں عبید اللہ اور فتح بن خاقان دست بوس اور پابوس ہوئے۔ ختم نماز کے بعد معتز شاہی

سواری پر عمائد سلطنت کے جلوس میں متوکل کے پاس آیا۔ امراء سب خلیفہ کی نگاہ کے پابند تھے۔ معتز کی جانب اس کا رجحان دیکھ کر سب متوکل کے حضور میں اس کی تعریف و توصیف کرنے لگے جسے سن کر متوکل مسرور ہوتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں منتصر جعفریہ کے ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۹)

منتصر پر ناروا زیادتی اور ولی عہد سے اخراج: متوکل نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اعلانیہ منتصر کی تحقیر و تذلیل کرنے لگا۔ ایک مرتبہ بھرے دربار میں اس کو گالیاں دیں اور فتح بن خاقان سے اس کے منہ پر طمانچے لگوائے اور حاضرین سے خطاب کر کے کہا، لوگو! گواہ رہنا میں نے ”مستعجل“، یعنی اپنی بادشاہی کے لیے جلدی کرنے والے کو ولی عہدی سے خارج کر دیا اور منتصر سے کہا میں نے تجھے منتصر کا لقب دیا ہے، لیکن لوگ تجھے تیرے حق کی وجہ سے ”منتظر“ کہنے لگے تھے اور اب تو ”مستعجل“ ہو گیا ہے۔ منتصر بولا امیر المومنین اگر آپ میری گردن اڑا دیتے تو وہ میرے لیے اس طرز عمل سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۲۵) ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد متوکل اور فتح بن خاقان نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ منتصر اور اس کے ساتھ تمام ترک امراء کو قتل کر دیا جائے، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ متوکل کے اس غیر دانشمندانہ طرز عمل کی وجہ سے منتصر اس کے خلاف ہو گیا۔

منتصر کے اختلاف کا ایک اور سبب: ابن خلدون نے متوکل اور منتصر کے اختلاف کا ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ طرز عمل کے بارہ میں منتصر اپنے اسلاف کے خلاف تھا اور اس بارہ میں وہ متوکل کی مخالفت کرتا تھا۔ متوکل کی مجلسوں میں علی الاعلان حضرت علیؑ کے عیوب بیان کیے جاتے تھے۔ منتصر اس کی مخالفت کرتا تھا اور عیب چینی کرنے والوں کو دھمکاتا تھا اور متوکل سے کہتا تھا کہ علیؑ ہمارے بزرگ اور بنی ہاشم کے شیخ ہیں، اگر آپ کو ان کو برا ہی کہنا ہے

تو خود کہیے، لیکن ان بیہودوں سے نہ کہلائیے۔ اس پر متوکل منصر سے بگڑتا اور اسے برا بھلا کہتا، لیکن یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا جس سے دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے۔ اس کے اصل اسباب وہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔

متوکل کا قتل: ترکی امراء اور متوکل میں پہلے سے کشیدگی تھی اور امیر ایٹاخ وغیرہ کے قتل اور ترکوں کے ساتھ متوکل کی رشتگی کی وجہ سے تمام ترکی امراء اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ ولی عہد کی مخالفت کا سہارا پا کر وہ منصر کے ساتھ ہو گئے۔ منصر باپ کی مخالفت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کے نتائج پر غور کیے بغیر ترکوں کے ساتھ ہو گیا۔ انہوں نے سرے سے متوکل کا قصہ ہی تمام کر دینے کا ارادہ کیا اور وصیف ترکی نے ترک موالی بغاصغیر، اوتامش، باغر، بغلو، واجن اور کنداش وغیرہ کو اس کام کے لیے آمادہ کر لیا۔ یہ سب ۳۷۷ھ کو رات گئے جب دربار پرخواست ہو گیا اور صرف چند آدمی باقی رہ گئے تھے اور محل شاہی کے ایک دروازہ کے سوا تمام دروازے بند ہو چکے تھے محل میں گھس کر متوکل پر ٹوٹ پڑے۔ فتح بن خاقان نے نمک حلائی کا پورا حق ادا کیا۔ جس وقت متوکل پر تلوار کے وار ہونے لگے تو اس کو بچانے کے لیے اپنے کو اس کے اوپر گرا دیا اور آقا ملازم دونوں ایک ساتھ قتل ہو گئے۔ منصر نے اس جرم کو چھپانے کے لیے مشہور کر دیا کہ فتح بن خاقان نے والد کو قتل کیا ہے۔ میں نے اسے انتقام میں قتل کر دیا، چونکہ قصر شاہی میں فتح بن خاقان کے علاوہ سب ترک ہی تھے اس لیے فوراً یہ راز افشا نہیں ہوا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۳۷۹) بنو عباس کی تاریخ میں خلیفہ کے قتل کا یہ پہلا واقعہ تھا اور ترکوں کو حد سے زیادہ بڑھانے اور منصر کے معاملہ میں غیر دانشمندانہ طرز عمل کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس واقعہ نے خلفاء کا احترام اور خلافت کی عظمت کھودی اور عباسی خلافت میں اتراک گردی کا دور شروع ہوا۔ قتل کے وقت متوکل کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔ مدت خلافت ۱۴ سال دس مہینہ چند دن۔

حلیہ: جسم دہلا، رنگ گندمی، آنکھیں خوبصورت، چہرہ کم گوشت۔

رعایا کے ساتھ تعلقات: متوکل کا طرز عمل رعایا کے ساتھ بہت منصفانہ تھا۔ اس لیے راعی اور رعایا کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگلے خلفاء رعایا پر اس لیے سختیاں کیا کرتے تھے کہ وہ اس سختی کے خوف سے ان کی مطیع رہیں اور میں نرمی کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں۔ میرے پاس آنیں اور میری اطاعت کریں۔ (تاریخ خطیب جلد ۷ ص ۱۶۶) عدلی و انصاف کے لحاظ سے بھی اس کا زمانہ ممتاز شمار کیا جاتا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۹۱) البتہ عیسائیوں کے لباس وضع قطع اور مذہبی مراسم وغیرہ پر خاص پابندیاں عائد کی گئیں جو رومی حکومت کے ساتھ ان کے ساز باز کا نتیجہ تھا۔ (ابن اثیر نے اس کی تفصیل لکھی ہے)

ملک کی آسودہ حالی: رعایا کی فارغ البالی، ملک کی آسودہ حالی اور عیش و تنعم کے سامانوں کی فراوانی کے اعتبار سے متوکل کا دور عباسی حکومت کا عہد زریں تھا۔ اس کے زمانہ میں تمدنی نفاستیں اور نراکتیں اس نقطہ پر پہنچ گئی تھیں جس کے بعد زوال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ مسعودی کا بیان ہے متوکل کا زمانہ اپنی بھلائیوں، خوبیوں، سرسبزی و شادابی، فارغ البالی اور رفائیت عیش کے لحاظ سے عہد سرور تھا۔ سارے خواص و عوام اس سے خوش و رضامند تھے۔ اس کا زمانہ راستوں کے امن و امان، چیزوں کی ارزانی، حسن و شباب کی کیفیتوں اور عشق و محبت کے ولولوں کے لحاظ سے بہترین دور تھا۔ اخراجات کی جس قدر کثرت اس کے زمانہ میں تھی اس قدر عباسیہ کے گزشتہ زمانہ میں نہ تھی۔ فوج، موالی، خدم و حشم کے اخراجات اور ان کے بڑے بڑے صلوات و انعامات کے علاوہ متوکل نے ایک ارب درہم ہارونی قصر جعفری کی تعمیر میں خرچ کیے اور ان اخراجات کے بعد بھی ۴۰ لاکھ دینار اور ستر لاکھ درہم اپنے بعد چھوڑ گیا۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۲۷۵-۲۷۶)

ذاتی حالات: متوکل علمی حیثیت سے کوئی خاص پایہ نہ رکھتا تھا۔ تاہم احادیث نبوی ﷺ اور شعر و سخن کا بڑا شائق تھا۔ اس سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ شعراء کو بڑے بڑے گراں قدر انعامات دیتا تھا۔ اپنی مدح خصوصیت کے ساتھ بہت پسند

تھی۔

مذہب: متوکل کے پیش رو تمام خلفاء مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے۔ متوکل پہلا شخص ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کیا۔ اس کو امام شافعی سے سخت عقیدت تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ کاش میں ان کے زمانہ میں ہوتا تو ان کو دیکھتا اور ان سے علم حاصل کرتا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۵۹)

احیائے سنت: وہ عقیدہ میں نہایت راسخ تھا۔ اس کا ایک بڑا کارنامہ سنت نبوی ﷺ کا احیاء اور احادیث رسول ﷺ کی اشاعت ہے۔ عباسی حکومت کے اس دور میں عہد نبوی کے بعد غیر قوموں کے اختلاط و عجیبوں کے غلبہ اور ان سب سے بڑھ کر خود خلفاء کی غفلت کی وجہ سے سنت رسول ﷺ سرد ہو رہی تھی۔ خواص کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کی زندگی جاوہ سنت سے بالکل ہٹ گئی تھی۔ متوکل نہایت راسخ العقیدہ تھا اور امام شافعی کے ساتھ عقیدت کی بنا پر اس کو سنت رسول ﷺ سے بڑی شیفنگی تھی چنانچہ اس نے اپنے زمانہ میں اس کا دوبارہ احیاء کیا اور لوگوں کو غیر مسنون طریقوں سے ہٹا کر سنت کی صراط مستقیم پر لگایا۔ (تاریخ خطیب جلد ۷ ص ۷۰ تا ۷۱) احادیث نبوی ﷺ کی اشاعت کے لیے محدثین کو سامرا بلا کر انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے۔ محدث ابو بکر بن ابی شیبہ نے جامع رصافہ میں درس قائم کیا۔ جس میں تین ہزار آدمی جمع ہوتے تھے اور ان کے بھائی جامع منصور میں بیٹھے تھے۔ ان کے حلقہ میں بھی اتنا ہی جمع ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۲)

خلق قرآن کے مناظرہ کا انسداد: اس نے ان تمام عقائد و خیالات اور مباحث کو جو کتاب و سنت کے خلاف تھے، یک قلم بند کر دیا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی بدعت خلق قرآن اور رویت باری کے مسئلہ کی تھی، جو مامون کے عہد سے جاری تھی۔ جس کی وجہ سے علماء اور محدثین آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ متوکل نے ان دونوں یعنی خلق قرآن اور رویت باری کی بحثوں کو روک دیا۔ اس کے اس کارنامے کو مسلمانوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ہر زبان سے اس کے لیے دعا نکلنے

لگی۔ بعض لوگوں نے اس کے اس کارنامہ کی وجہ سے اس کو خلفائے راشدین کا مماثل قرار دیا، چنانچہ قاضی ابراہیم بن محمد تمیمی کہتے ہیں کہ تین خلفاء نے کارنامہ دکھایا۔ ابو بکر صدیق ؓ نے ارداد کے فتنہ کا قلع قمع کیا۔ عمرو بن عبدالحزیز ؓ نے بنی امیہ کے مظالم کا تذکرہ کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا۔ (کتاب التمجید ص ۲۳۳ و تاریخ خطیب جلد ۷، ص ۱۷۰)

علماء کا احترام اور صلحاء سے عقیدت: علماء کا بڑا احترام کرتا تھا اور اہل اللہ سے عقیدت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے احمد بن معذل اور دوسرے علماء کو اپنے یہاں بلایا، وہ سب آئے۔ جب متوکل برآمد ہوا تو سب علماء کھڑے ہو گئے، لیکن ابن معذل اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ متوکل نے عبد اللہ سے پوچھا کہ کیا وہ مجھ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے؟ عبد اللہ نے کہا خلیفہ کیوں نہیں مانتے اور معذرت میں کہا کہ ان کو دکھائی کم دیتا ہے۔ احمد بن معذل یہ معذرت سن کر بو لے امیر المؤمنین میری نگاہ میں کوئی خلل نہیں ہے، میں نے آپ کو عذاب اور دوزخ سے بچایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ سن کر متوکل ان کے پاس بیٹھ گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰، ص ۳۵۰)

اس کے زمانہ میں اول اول حضرت ذوالنون مصریؒ نے مصر میں احوال و مقامات اولیاء کے مسائل پر گفتگو کا آغاز کیا، چونکہ اس قسم کے مسائل سلف سے مروی نہ تھے۔ اس لیے عبد اللہ بن حکم اور امام مالک کے اصحاب نے اس کی مخالفت کی اور ذوالنون مصری پر زندقہ کا الزام لگایا۔ امیر مصر نے ذوالنون کو بلا کر ان سے عقائد کے متعلق سوالات کیے۔ انہوں نے تشفی بخش جوابات دیئے۔ امیر مذکور جوابات سن کر راضی ہو گیا اور متوکل کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے ان کو بلا بھیجا اور ان کی باتیں سن کر ان کا گرویدہ ہو گیا۔ ان سے بڑی محبت اور ان کی عزت کرنے لگا۔ جب صلحاء کا ذکر آ جاتا تو ذوالنون کا ذکر ضرور کرتا اور کہتا کہ ذوالنون کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے۔

اہل بیعت سے عداوت اور مشہد حسین کا انہدام: لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ اس میں ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کو حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کے ساتھ مخاصمت بلکہ نفرت اور دشمنی تھی۔ وہ ان سے محبت رکھنے والوں تک کا دشمن ہو جاتا تھا۔ ایک دن اپنے لڑکوں معتر اور منوید کے استاد یعقوب بن سکیت سے پوچھا کہ تم کو ان دونوں سے محبت ہے یا حسن و حسین سے۔ یعقوب نے جواب دیا کہ علیؑ کا غلام قمبر ان دونوں سے بہتر ہے۔ یہ جواب سن کر متوکل نے اسی وقت ان کو ترکوں سے روندوا کر مروا ڈالا اور ان کے لڑکے کو دیت ادا کی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۴) اسی نفرت کی بنا پر اس نے ۲۳۶ھ میں حضرت حسینؑ کے مشہد مبارک اور اس کے قرب و جوار کے مکانات منہدم کرا کے اس میں بھیتی کرائی اور زیارت سے لوگوں کو روک دیا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۴۰۷)

امام حسن عسکری: اسی زمانہ میں ایک شخص نے متوکل کو اطلاع دی کہ حضرت حسن عسکریؑ (حضرت حسن عسکریؑ کا پورا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔ بڑے عابد و زاہد اور متقی بزرگ تھے، شیعوں کے دسویں امام ہیں) کے گھر میں آپ کے خلاف سازش ہوتی ہے اور اسلحہ اور اور شیعان علی پوشیدہ ہیں۔ ترکوں کو متوکل نے ان کے گھر پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک شب کو دفعۃً گھر پر چھاپا مارا گیا، لیکن گھر میں سوائے حسن عسکریؑ کے اور کوئی نہ تھا۔ فرش و فرش میں ریت اور سنگریزے تھے۔ حسن عسکریؑ پشیمینہ کا کرتہ پہنے صوف کا رومال سر پر باندھے اسی فرش خاکی پر آیات قرآنی کی تلاوت میں مصروف تھے۔ ترک اسی حالت میں ان کو پکڑ کر لے گئے اور متوکل کے سامنے پیش کیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ متوکل اس وقت مے نوشی میں مصروف تھا۔ حسن عسکریؑ کو دیکھ کر ان کی تعظیم کی اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ امام عسکریؑ کے ہاں کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی تھی۔ جس کے متعلق وہ باز پرس کرتا۔ خاموشی کو توڑنے کے لیے ان کے

سامنے جام پیش کیا۔ انہوں نے کہا یا امیر المومنین آج تک میرا گوشت اور خون شراب کے اثر سے محفوظ رہا ہے۔ اس لیے مجھے معاف رکھا جائے۔ متوکل نے آپ سے اشعار سننے کی فرمائش کی۔ آپ نے چند عبرت انگیز اشعار سنائے۔ متوکل ان کو سن کر بہت رویا اور روتے روتے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ درباریوں پر بھی گریہ طاری ہوا اور متوکل نے سامنے سے شراب ہٹوا دی اور امام موصوف سے پوچھا کہ آپ پر کچھ قرض ہے۔ انہوں نے کہا ہاں چار ہزار دینار۔ متوکل نے اسی وقت چار ہزار دینار لا کر تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ (مسعودی جلد ۷، ص ۲۰۹، ۲۱۰ یہ شیعہ روایت ہے)

بعض مشتبہ روایات: بعض شیعہ مورخین مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ متوکل شراب پیتا تھا۔ چار ہزار کنیریں اس کے حرم میں تھیں۔ اس نے تفسن طبع کے لیے دربار میں مسخروں اور بھانڈوں کو جگہ دی اور اس قبیل کی بہت سی چیزیں رائج کیں جس سے یہ مذاق پہلے امراء اور اراکین سلطنت میں پھر رعایا میں بھی پیدا ہو گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ متوکل عیش و طرب کا دلدادہ تھا اور اس کے زمانہ میں اس کے اتنے سامان جمع ہوئے کہ اس کا دور عہد سرور کہا جاتا تھا، لیکن خطیب اور طبری وغیرہ دوسرے قدیم مورخین نے اس کی شراب نوشی کا تذکرہ نہیں کیا، البتہ وہ جائز حدود کے اندر عیش پرست ضرور تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں جو مذہبی خدمات انجام دیں اور جس طرح احیائے سنت کیا اس کے اعتبار سے اس کی شراب نوشی قیاس میں نہیں آتی۔ البتہ وہ نبی ضرور پیتا تھا۔ ممکن ہے شیعہ مورخین نے متوکل کی سادات دشمنی کی بنا پر شراب نوشی بھی اس کی جانب منسوب کر دی ہو، لیکن شراب نوشی سے اس کی برات کا کوئی حقیقی ثبوت نہیں ہے۔

فیاضی میں اعتدال: مسعودی کا بیان ہے کہ بخل اور اسراف میں متوکل معتدل تھا۔ (مسعودی جلد ۷، ص ۱۹۱) لیکن تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا فیاض تھا۔ خصوصاً شعراء کے ساتھ اس کی داد و دہش عام تھی۔ طبری نے اس قسم کے

بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ سیوطی کا بیان ہے کہ متوکل فیاض اور مدح پسند تھا اور اس نے شعراء کو اتنا مال وزر دیا کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے نہ دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۵۵)

محمد بن جعفر الملقب بہ منصر باللہ

(۲۳۷ھ تا ۲۳۸ھ مطابق ۸۶۱ء تا ۸۶۲ء)

متوکل کے قتل کے بعد ترکوں نے منصر باللہ کو خلیفہ بنایا۔ وصیف اور دوسرے امراء نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ دوسرے دن منصر کے سوتیلے بھائیوں معتر اور موید سے بیعت لی گئی۔ امراء اور عمائد سلطنت میں صرف ترک متوکل کے خلاف تھے۔ ان کے علاوہ اور تمام اراکین سلطنت اس کے وفادار تھے۔ اس لیے متوکل کے قتل کا اصلی سبب ظاہر ہونے میں ان کی مخالفت کا خطرہ تھا، چنانچہ جعفریہ کے تمام عمائد سلطنت، افسران فوج اور خدم و حشم کو بھی یہی اطلاع دی گئی کہ امیر المومنین کو فتح بن خاقان نے قتل کیا ہے اور قصاص میں مارا گیا اور جعفریہ میں بھی بیعت ہو گئی اور شوال ۲۳۷ھ میں منصر تحت خلافت پر بیٹھا۔ اس وقت اس کا پچیسواں سال تھا۔ منصر کی تخت نشینی کے بعد نظام خلافت تمام ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا اور خلفاء کی قوت اور ان کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا۔ تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد منصر نے جعفریہ کو جسے متوکل نے بڑے ذوق و شوق سے بے شمار دولت صرف کر کے بنوایا تھا، ویران کر دیا اور یہاں کی کل آبادی کو اس کی پرانی جگہوں پر واپس کر دیا۔

ابو العمود شاربہ کا خروج: منصر کی تخت نشینی کے بعد ہی ابو العمود شاربہ نے یمن، بوازج اور موصل میں بغاوت پیا کی۔ قبیلہ ربیعہ اور کرد بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس لیے اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ منصر نے سیما ترکوں کو اس کے لیے بھیجا۔ اس نے متعدد مقابلوں کے بعد شاربہ کو گرفتار کر کے منصر کی خدمت میں حاضر کیا۔ منصر نہایت حلیم تھا۔ اس نے اطاعت کا عہد لے کر چھوڑ دیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۰)

نے امیر وصیف اور بغا سے کہا کہ حوادث زمانہ کا کوئی اعتبار نہیں، اگر آج امیر المؤمنین کی آنکھ بند ہو جائے اور کل کو معتز خلیفہ ہو جائے تو ہم میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے گا۔ اس لیے معتز اور موید کا نام ولی عہد سے نکلوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تجویز ترکوں کے لیے بھی مفید تھی۔ اس لیے بغا نے بھی اس کی تائید کی اور مختصر پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ معتز اور موید کو ولی عہد سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالوہاب کو ولی عہد بنائے۔ مختصر انہی کا بنایا ہوا خلیفہ اور ان کے مقابلہ میں بالکل بے بس تھا۔ اس لیے طوعاً و کرہاً اسے رضامند ہونا پڑا، چنانچہ دونوں بھائیوں کو طلب کیا۔ معتز معاملہ سمجھ گیا۔ اس نے موید سے کہا: ”اس طلبی کا مقصد ولی عہدی کے مسئلہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ موید نے کہا: ”نہیں مختصر ایسا نہیں کر سکتا۔ کہ اسی دوران میں ولی عہدی سے اخراج کا حکم پہنچ گیا۔ موید نے بے چون و چرا قبول کر لیا، لیکن معتز نے جواب دیا کہ ”میں خود سے دستبردار نہیں ہوں گا، اگر تم لوگ قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کرو“ قاصدوں نے جا کر مختصر کو یہ جواب سنایا۔ اس کی سزا میں معتز کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا۔ بھائی کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر موید کے خون میں حرارت آ گئی۔ اس نے قید کرنے والوں کو ڈانٹا کہ ”کتو! تم خونریزی میں اب اتنے دلیر ہو گئے ہو کہ اپنے آقاؤں پر اس طرح حملہ کرنے میں بھی باک نہیں کرتے۔ تم لوگ ہٹ جاؤ، مجھے معتز سے بات کرنے دو۔ اس ڈانٹ پر وہ لوگ ہٹ گئے۔ موید نے معتز سے کہا کہ تم اتنے نادان کیوں ہو گئے۔ ان لوگوں نے والد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے، پھر بھی تم دستبرداری سے انکار کرتے ہو، ابھی دستبرداری کا اعلان کر دو۔ معتز نے کہا کہ ”ساری دنیا میں میری ولی عہدی کا شہرہ ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں دست برداری کیونکر ممکن ہے۔ موید نے کہا۔ اسی ولی عہدی کے مسئلہ نے والد کی جان لی اور اب تمہاری بھی لے گا۔ موید کے سمجھانے سے معتز آمادہ ہو گیا اور موید نے مختصر کے آدمیوں کو اطلاع دے دی۔ ان لوگوں نے جا کر مختصر کو خبر کی اور تحریری دستبرداری لکھانے کے لیے دوبارہ کاتب کاغذ

لے کر آئے۔ معتز کو پھر تامل ہوا، لیکن موید نے کاغذ لے کر پہلے خود دستبرداری لکھی۔ اس کے بعد معتز سے بادل نخواستہ لکھوا کر حوالے کر دی۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۵)

تحریر ملنے کے بعد منتصر نے دونوں بھائیوں کو بلا کر ان سے تصدیق چاہی کہ یہ تم ہی لوگوں کی تحریر ہے۔ معتز خاموش رہا، لیکن موید نے جواب دیا۔ ہاں امیر المؤمنین یہ میری تحریر ہے، میں نے اس کو برضا و رغبت لکھا ہے۔ اور معتز سے بھی یہی جواب دلویا۔ منتصر نے ان سے کہا ”تم لوگوں کو گمان ہو گا کہ میں نے یہ سب اسی لیے کیا ہے تاکہ اپنے لڑکے کو ولی عہد بناؤں۔ اللہ کی قسم! ایک لمحہ کے لیے بھی میرے دل میں یہ طمع پیدا نہیں ہوئی، لیکن ان موالی کے مقابلہ میں بے بس تھا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں تم کو معزول نہیں کرتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تم کو ضرور قتل کر دے گا، اگر میں ان سے اس کا قصاص بھی لیتا تو بھی تمہارے ایک خون کے بدلہ میں ان کی پوری قوم کا خون بھی کافی نہ ہوتا۔ اس لیے تمہارا معزول کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ یہ سن کر دونوں بھائیوں نے جھک کر بڑے بھائی کے ہاتھ چومے اور منتصر نے دونوں کو گلے لگا کر واپس کیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۲۸۸) اس واقعہ سے خلیفہ کی بے بسی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بساپ کے قتل کا غم: منتصر اپنی توہین کے انتقام میں باپ کے قتل میں شریک تو ہو گیا تھا، لیکن ضمیر کی ملامت اسے چین نہ لینے دیتی تھی اور وہ اکثر اپنے اس فعل پر غور کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ متوکل اس سے کہہ رہا ہے کہ ”محمد تم پر افسوس ہے، تم نے میری خلافت پر رشک یا اور ظلم کر کے قتل کر دیا، لیکن اللہ کی قسم یاد رکھو میرے بعد تم اس سے زیادہ دنوں تک فائدہ نہ اٹھا سکو گے اور اس کے بعد سیدھے دوزخ میں جاؤ گے۔ منتصر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور سسکیاں لے کر رونے لگا۔ عبد اللہ بن عمر با زیار نے آواز سن کر سب پوچھا۔ اس نے خواب بیان کیا۔ عبد اللہ نے تشفی دی کہ خواب سچے جھوٹے ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے گا اس کا کچھ

اثر نہ لیجئے اور نبیذ اور دوسرے تفریحی مشاغل سے دل بہلایئے، لیکن منصر کے دل سے اس کی کھٹک نہ نکل سکی اور اسے ایک دن کے لیے بھی سچی خوشی نصیب نہ ہوئی۔
(ابن اثیر جلد ۷، ص ۳۶)

عسالت و وفات: تخت نشینی کے چھ مہینے کے بعد بیمار پڑا۔ اس بیماری نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ دوران علالت میں کہتا تھا کہ ”میں نے خود جلد بازی سے کام لیا۔ اس لیے میرے معاملہ میں بھی جلد بازی سے کام لیا گیا۔ طیبوں نے نشتر کی رائے دی۔ نشتر دیا گیا۔ یہ نشتر مسموم تھا، اس کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور بیماری کے تین دن بعد رجب الثانی ۳۴۸ھ میں انتقال کر گیا۔ نشتر کی سمیت کے بارہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ترکوں کے اشارہ سے مسموم کر دیا گیا تھا۔ دوسری یہ ہے کہ غلطی سے مسموم نشتر استعمال ہو گیا تھا، لیکن پہلی روایت زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ منصر باپ کے قتل کی ندامت میں ترکوں کے خلاف ہو گیا تھا۔ جس کا علم ان کو ہو گیا اور وہ اس کے دشمن بن گئے تھے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ایک دن منصر قصر میں بیٹھا تھا کہ بغاصغیر ترکوں کے غول میں آتا دکھائی دیا۔ منصر نے اسے دیکھ کر فضل بن مامون سے کہا کہ اگر میں والد کے بدلہ میں ان لوگوں کو قتل کر کے ان کی جماعت نہ منتشر کر دوں تو اللہ مجھے قتل کر دے۔ ترکوں کو اس کا علم ہو گیا۔ اس لیے وہ اس کی بھی جان کے دشمن ہو گئے۔ اسی درمیان میں منصر کو حرارت آ گئی۔ اس نے پچھنا لگوا لیا۔ اس کے اثر سے بہت سا خون جسم سے خارج ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خاص قسم کا شربت پیا جو تمام جسم میں سرایت کر گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فصد کا آلہ مسموم تھا۔ (مسعودی جلد ۷، ص ۳۰۱) سیوطی کی شہادت اس سے زیادہ صاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

منصر خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں کو برا بھلا کہتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ خلفاء کے قاتل ہیں۔ ترکوں نے بارہا اس سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی ہیبت

شجاعت اور فطانت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے اور جب وہ بیمار ہوا تو اس کے طبیب خاص ابن طیفور کو تیس ہزار اشرفی دے کر مسموم آلہ سے فصد دلوا دی۔ جس کی سمیت کے اثر سے منصر جانبر نہ ہو سکا۔ اس روایت کے علاوہ اور روایتیں بھی نقل کی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۵)

منصر سامرا میں مرا تھا۔ احمد بن محمد بن معتمد نے نماز جنازہ پڑھا کر یہیں سپرد خاک کیا۔ وفات کے وقت کل ۲۵ سال ۶ مہینہ کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۶ مہینہ ۲ دن۔

حلیہ: منصر فرہادام اور وجیہ تھا۔ دیکھنے سے ہیبت معلوم ہوتی تھی۔ رنگ گندمی اور آنکھیں بڑی تھیں۔

صفات: منصر عدل و انصاف، نرمی و لینیت، ضبط و حلم اور دوسرے اوصاف میں متوکل کے مشابہ، بلکہ اس سے بڑھا ہوا اور اس کی برائیوں سے بالکل پاک تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ نہایت متحمل اور عاقل و فرزانه تھا۔ اسے نیکی اور بھلائی سے طبعی رغبت تھی۔ اچھے کام بہت کرتا تھا۔ سخی تھا، ادیب تھا، پاک دامن تھا اور عدل و انصاف و مرام اخلاق میں اپنے تمام پیش روؤں پر فائق تھا۔ (مروج الذهب جلد ۷ ص ۳۰۲) سیوطی لکھتے ہیں کہ:

منصر حلیم الطبع اور کریم النفس تھا۔ اس نے رعایا کے ساتھ اتنا عدل و انصاف کیا کہ اس کی شدید ہیبت کے باوجود رعایا اس کی گرویدہ ہو گئی۔ اس کا مقولہ تھا کہ ”صاحب قدرت کا سب سے بدترین فعل انتقام ہے۔“ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۴)

آل اطہار کے ساتھ حسن عقیدت: اپنے والد کے برعکس اس کو آل اطہار کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، چنانچہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس نے علویوں اور اہل بیت نبوی ﷺ کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ یک قلم روک دیا اور ان کے متعلق بحث

و مباحثہ کی قطعی ممانعت کر دی۔ حضرت امام حسین ؑ اور جملہ آل ابی طالب کے مقابر کی زیارت کی عام اجازت دے دی۔ فدک حضرات حسنین ؑ کی اولاد کو واپس کر دیا۔ علویوں کے جس قدر اوقاف تھے، سب واگزار کر دیئے اور شیعیان علی سے تعرض کرنے کی ممانعت کر دی۔ (مروج الذهب جلد ۷، ص ۳۰۳) آل ابی طالب کا وطن مدینہ تھا۔ یہاں کے حکام خلیفہ وقت کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے اور عموماً ان سے بدسلوکی کرنے کے عادی چلے آتے تھے۔ منتصر نے جب مدینہ کے سابق حاکم صالح بن علی کو معزول کر کے علی بن حسن کو مدینہ بھیجا تو رخصت کرتے وقت کہا، علی میں تم کو اپنے گوشت و خون کی طرف بھیج رہا ہوں۔ دیکھو ان کے ساتھ تمہارا کیسا برتاؤ رہتا ہے اور تم ان کے لیے کیسے ثابت ہوتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ انشاء اللہ میں امیر المؤمنین کے فرمان کی پوری تعمیل کروں گا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اللہ کی قسم اہل باطل کبھی ذلت سے نہیں بچ سکتے۔ خواہ ان کی پیشانی سے مہتاب ہی کیوں نہ طلوع ہو اور اہل حق کبھی ذلیل نہیں ہو سکتے، خواہ تمام عالم ان کی ذلت پر کیوں نہ متفق ہو جائیں۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۳۷)

وزارت: منتصر کل چھ مہینے خلیفہ رہا۔ اس مدت میں صرف احمد بن خطیب کی وزارت رہی۔ اس میں کوئی وصف نہ تھا۔ وزارت کے فرائض کو بھی پوری طرح انجام نہ دے سکتا تھا۔ مزاج میں سختی اور درشتی غالب تھی۔

احمد بن محمد بن معتصم المقلب بہ مستعین باللہ

(۲۲۸ھ تا ۲۵۱ھ مطابق ۸۴۲ء تا ۸۶۵ء)

منتصر کے بعد معتصم کا پوتا احمد المستعین خلیفہ ہوا۔ یہ ایک صقلی لونڈی مخارق کے لطن سے تھا۔ معزز اور موید دونوں ولی عہدی سے خارج ہو چکے تھے اور منتصر نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا۔ اس لیے اس کے بعد جانشینی کے مسئلہ میں بڑی کشمکش پیدا ہوئی۔ معزز اور موید موجود تھے، لیکن ان کی خلافت ترکوں کے مصالح کے خلاف تھی۔ ان

کی خلافت کے معنی ترکوں کا زوال تھا۔ اس لیے ان کو وہ کسی طرح پسند نہ کر سکتے تھے۔ ان کے آقائے ولی نعمت معتمد کی اولاد میں اس کا پوتا احمد المستعین موجود تھا، چنانچہ بغا کبیر، اٹامش اور احمد بن خسیب نے ترکوں کے مشورہ سے اس کو خلیفہ بنایا اور ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ بیعت کے دوسرے دن مستعین شاہی لباس پہن کر ترکوں کے جلوس میں دربار میں آیا۔ معتز کی موجودگی میں مستعین کا انتخاب بہتوں کو ناپسند تھا، چنانچہ ایک گروہ نے جس میں کچھ فوجی افسر، کچھ لونڈی زادے اور زیادہ تر عوام تھے۔ مخالفت میں مظاہرہ کیا اور معتز کے نام کا نعرہ لگاتے ہوئے ترکوں پر حملہ کر دیا۔ مبیضہ اور شا کر یہ (مبیضہ اور شا کر یہ خدم شاہی کی ایک قسم تھی) میں بھی شورش پیدا ہو گئی اور یہ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ مخالفوں نے اسلحہ خانہ کے ہتھیار لوٹ لیے۔ بغا نے بڑی مشکلوں سے اس ہنگامہ کو فرو کیا اور بغداد میں مستعین کی عام بیعت ہو گئی۔ (دیکھو ابن اثیر وابن خلدون اور یعقوبی حالات بیعت)

حکام کا تقدر: مستعین نے تخت نشین ہونے کے بعد از سر نو حکام اور عہدہ داران سلطنت کے نظام میں تغیر و تبدل کیا۔ اٹامش کو مصر و مغرب کی حکومت اور وزارت عظمیٰ کا منصب ملا۔ احمد بن خسیب کو کتابت کا عہدہ تفویض ہوا اور شاہک خادم کو کل شاہی حرم سلطانی، شاہی جاگیر اور ذاتی امور کا منتظم مقرر کیا گیا۔ اسی زمانہ میں دولت عباسیہ کا مشہور امیر طاہر بن عبد اللہ والی خراسان اور امیر الامراء بغا کبیر مر گئے۔ مستعین نے طاہر کی جگہ اس کے لڑکے محمد کو خراسان کی ولایت پر سرفراز کیا اور محمد بن عبد اللہ بن طاہر کو عراق کی حکومت ملی۔ حرین کی ولایت اور پولیس کا محکمہ بھی اس کے متعلق ہوا اور بغا ترکی کے بجائے اس کے لڑکے موسیٰ کا تقرر ہوا اور خبر رسانی کا محکمہ بھی اس کے متعلق کیا گیا اور بغا شربابی کو طولوان، ماسدان اور مہر جان وغیرہ کی حکومت ملی۔

معتز اور موید کی نظر باندی اور احمد بن خسیب کی جلاوطنی: ترکوں نے معتز اور موید کو ان کے حق سے محروم کیا تھا۔ اس لیے ہر

واقعہ میں ان کو دونوں کی جانب سے بدگمانی پیدا ہوتی تھی، چنانچہ مستعین کے خلاف مظاہرے کے ہنگامے میں بھی ترکوں کو معتز اور موید کا ہاتھ نظر آیا اور انہوں نے ان کو قتل کر دینا چاہا، لیکن احمد بن حصب نے ان کی طرف سے صفائی پیش کی۔ اس لیے قتل سے بچ گئے، لیکن ان کی کل منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اثاث البیت اور فرش و فروش وغیرہ برائے نام قیمت پر لے لیے اور بیعتنامہ پر فقہاء اور قضاة کے دستخط کرا کے گزاریہ کے لیے بہت معمولی جاگیر جس میں دونوں شہزادے بمشکل زندگی بسر کر سکتے تھے، چھوڑ دی اور دونوں کو کل کے ایک حجرہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں احمد بن حصب جو ترکوں کے لیے اپنے اولیائے نعمت سے غداری میں نیک نام تھا، خود ترک موالی کے عتاب کا نشانہ بنا اور اس کا اور اس کی اولاد کا کل مال و متاع ضبط کر کے ان سب کو جزیرہ کریم میں جلا وطن کر دیا گیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۵۰ تا ۱۵۱)

بغداد میں شور و رش: اہل بغداد ترکوں کے غلبہ ان کی خود سری اور متوکل کے قتل کی وجہ سے ان کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۵۱) اتفاق سے اسی زمانہ میں دو نامور سپہ سالار عمر بن عبید اللہ اور علی بن یحییٰ ارمنی جو سرحد کے سب سے بڑے محافظ تھے، قریب قریب زمانہ میں قتل ہو گئے۔ جس سے سرحدیں مخدوش ہو گئیں۔ اس واقعہ سے اہل بغداد میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ خود جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدم شاہی میں ابناء اور شاہیہ بھی جنہیں عرصہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ اہل بغداد کے ساتھ ہو گئے، لیکن عوام کی شرکت کی وجہ سے یہ مفید جوش فتنہ و فساد میں بدل گیا اور بغداد میں عام بد امنی پیدا ہو گئی۔ شورش پسند عوام نے قید خانے توڑ کر قیدی نکال لیے۔ بغداد کا پل توڑ کر اس میں آگ لگا دی اور عہدہ داران حکومت میں سے محمد بن عبد اللہ کے کاتب بشر اور ابراہیم کا گھر لوٹ لیا، لیکن جن لوگوں نے جہاد کی تحریک اٹھائی تھی، وہ اپنے مقصد پر قائم رہے اور بہت سارے پیہ مجاہدین سرحد میں تقسیم کیا اور فارس اہواز اور کوہستانی علاقہ کے بکثرت مجاہدین جمع ہو گئے۔ ابتداء میں

حکومت نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، لیکن اسی درمیان میں خاص مستنقر خلافت سامرا میں بعض شورش پسندوں نے قید خانے توڑ ڈالے۔ اس لیے مستعین نے ترکوں کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، مگر سامرا والے بھی باغیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ دونوں نے مل کر ترکوں کو شکست دے دی۔ آخر میں مشہور ترک سپہ سالار بغا اتامش اور وصیف نے باغیوں کو قتل کر کے شورش فرو کی۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۳۸)

(۳۹)

اتامش کا قتل: ترکوں کی خود سری کا ایک مفید نتیجہ یہ نکلا کہ حصول انتفاع اور اقتدار کے لیے خود ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی اور اس کے نتیجے میں امیر اتامش ماریا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مستعین نے خزانہ اپنی ماں شاہک خادمہ اور امیر اتامش کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ یہ تینوں جس طرح چاہتے تھے، صرف کرتے تھے۔ ان کے تصرف سے جو بچتا تھا، وہ مستعین کے لڑکے عباس کے خرچ کے لیے اس کے اتالیق کے تصرف میں چلا جاتا۔ اس طرح خراج کی کل آمدنی انہی لوگوں میں صرف ہو جاتی تھی اور امیر بغا اور وصیف کو اس میں سے کچھ نہ ملتا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ ترک اور فرغانیوں کو بھی تنگی اخراجات کی شکایت رہتی تھی۔ اس لیے بغا اور وصیف نے ترکوں اور فرغانیوں کو اتامش اور شاہک خادمہ کے خلاف بھڑکا دیا۔ ان لوگوں نے اتامش کو جو سبق میں گھیر لیا۔ اس نے نکل کر بھاگ جانا چاہا، مگر کامیاب نہ ہوا اور حملہ آوروں نے اس کو اور اس کے کاتب شجاع بن قاسم کو قتل کر کے ان کا کل مال و متاع لوٹ لیا۔ اتامش کے قتل کے بعد مستعین نے ابوصالح عبداللہ بن محمد کو وزیر بنالیا۔ (ابن خلدون جلد ۳، ص ۳۸۴)

ابوالمحسین یحییٰ بن عمرو کا خروج اور قتل: ۲۵۰ھ میں ابوالمحسین یحییٰ بن عمرو بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب مستعین کے خلاف اٹھے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ یحییٰ اس زمانہ میں مالی پریشانیوں میں

بنتا تھا۔ قرض کی نوبت آ گئی تھی۔ اس کی ادائیگی کی فکر میں وہ طالبیوں کے متولی
 (آل ابی طالب یعنی حضرت علیؑ، عقیل اور جعفر کی اولاد طالبین کے نام سے موسوم
 تھی۔ بغداد میں حکومت کی سرپرستی میں خود ان کا اپنا نظام تھا۔ ان میں سے بعضوں کو
 حکومت کی جانب سے وظیفے بھی ملتے تھے) عمرو بن فرج کے پاس اپنے وظیفہ کے
 اجراء کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے گئے۔ عمرو نے ان سے بدکلامی کی اور انہیں
 قید کر دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد اپنے گھر والوں کی ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے۔ قید سے
 چھوٹ کر وہ بغداد پہنچے اور یہاں عرصہ تک پریشانی کے عالم میں مقیم رہے، پھر یہاں
 سے سامرا چلے گئے اور وصیف سے وظیفہ کے اجراء کی درخواست کی۔ اس نے خشک
 جواب دیا کہ تمہارے جیسے لوگوں کے لیے کس صلہ میں وظیفہ مقرر کیا جائے۔ یہاں
 سے مایوس ہو کر انہوں نے خروج کی ٹھانی اور اسکے لیے اعراب کی بہت بڑی جماعت
 جمع کی۔ کوفہ کے کچھ شیعان علی بھی آ کر مل گئے۔ یحییٰ ان سب کو ساتھ لے کر
 نکلے۔ نامہ نگار نے محمد بن عبد اللہ بن طاہر والی عراق کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے
 عبد اللہ بن محمود حسنی والی سواد کو ان کے مقابلہ کی تیاری کا حکم دیا۔ اس درمیان میں
 یحییٰ کوفہ پہنچ گئے اور دو ہزار دینار اور ستر ہزار درہم لوٹ لئے اور قید خانہ توڑ کر قیدی
 نکال لیے گئے۔ عبد اللہ بن محمود نے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ یحییٰ نے شکست دے کر ان کا
 کل مال و متاع لوٹ لیا اور آگے بڑھے۔ (طبری جلد ۲، ص ۱۲)

عبد اللہ کو شکست دینے کے بعد زید بھی یحییٰ کے ساتھ ہو گئے اور ان کی قوت اور
 زیادہ بڑھ گئی۔ اس لیے وہ پھر کوفہ کی طرف پلٹے اور عبد الرحمن خطاب کا مقابلہ کر کے
 اس کو شکست دی۔ آخر میں حسین بن اسماعیل ان کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ اس نے اور
 عبد الرحمن نے مل کر ان کو شکست دی اور ان کے اعوان و انصار کی بڑی تعداد قتل و گرفتار
 ہوئی۔ خود یحییٰ بھی مارے گئے اور ان کا سر محمد بن عبد اللہ بن طاہر کے پاس خراسان
 بھیجا گیا۔ اس نے مستعین کے پاس بھجوا دیا۔

طبرستان میں دولت علویہ کا آغاز: اسی بن میں طبرستان میں حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن زید بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب بانی دولت علویہ طبرستان کا ظہور ہوا۔ (۱) ان کا آغاز اس طرح ہوا کہ مستعین نے یحییٰ بن عمرو کے قتل کے صلہ میں محمد بن عبد اللہ بن طاہر کو طبرستان میں چند جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے دو جاگیریں کلاء اور شالوس و یلم کی سرحد پر تھیں۔ اسی کے پاس کی ایک اراضی سے یہاں کے باشندے فائدے اٹھاتے تھے۔ اپنے مویشی چراتے تھے۔ لکڑیاں توڑ کر کام میں لاتے تھے۔ محمد بن طاہر نے اپنی جاگیر کے انتظام اور اس کی نگرانی کے لیے جابر بن ہارون نصرانی کو بھیجا۔ محمد بن عبد اللہ بن طاہر کی جانب سے اس کا بھائی سلیمان طبرستان کا حاکم تھا۔ اس پر محمد بن اوس بنی کا بڑا اثر تھا۔ اس لیے اس نے اپنے لڑکوں کو طبرستان کے مختلف حصوں پر حکمران بنا دیا۔ یہ سب نوجوان اور امور جہان بانی سے ناواقف تھے۔ اس لیے رعایا کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچیں اور اس نے ان کی زیادتیوں کی شکایت کی۔ اسی زمانہ میں محمد بن اوس و یلم کے آدمیوں کو قتل اور گرفتار کر لیا۔ دیالمہ اور اہل طبرستان میں دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لیے طبرستان والوں پر اس کا بڑا اثر پڑا۔ اس واقعہ کے بعد محمد بن عبد اللہ کے علاقہ کا منیجر جابر بن ہارون انتظام کے لیے آیا۔ اس نے انتظام کے سلسلہ میں اس زمین پر جس سے یہاں کے عوام فائدہ اٹھاتے تھے قبضہ کر لیا۔ ان واقعات سے یہاں کے باشندے طاہری حکومت سے برگشتہ ہو گئے، چنانچہ یہاں کے دو ممتاز آدمیوں محمد اور جعفر نے جن کا اس نواح میں بڑا اثر تھا۔ جابر بن ہارون کے قبضہ کی مخالفت کی، چونکہ یہ معاملہ عوام کے فائدہ کا تھا۔ اس لیے وہ سب ان کے ساتھ ہو گئے اور جابر کے قبضہ میں مزاحم ہوئے۔ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ سلیمان بن عبد اللہ کے پاس طبرستان بھاگ گیا۔ اس کے فرار کے بعد محمد اور جعفر کو والی طبرستان کی برہمی کا خوف ہوا۔ انہوں نے اپنے ہمسلیدہ یلمیوں سے مدد مانگی۔ و یلمی خود محمد بن اوس کی وجہ سے طاہریوں سے ناخوش تھے۔ اس کے علاوہ ان میں باہم ادا و اناعت کا معاملہ بھی

تھا۔ اس لیے وہ ان کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ اس وقت علوی ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے اور جو گروہ حکومت کے خلاف اٹھنا چاہتا تھا۔ عموماً وہ انہی کو سہارا بناتا تھا چنانچہ محمد اور جعفر نے بھی طبرستان کے ایک علوی محمد بن ابراہیم کی طرف رجوع کیا اور ان سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے اپنے بجائے حسن بن زید کا نام پیش کیا اور وہ اس کام کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ حسن اس وقت رے میں تھے۔ ان کو محمد بن ابراہیم کے ذریعہ طبرستان آنے کی دعوت دی گئی۔ اس دعوت پر وہ طبرستان آئے اور یہاں کے تمام باشندوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یہاں عمال کو نکال دیا۔ اس سلسلہ میں ان میں اور حکومت کی فوجوں میں مدتوں معرکے ہوتے رہے، لیکن آخر میں طبرستان اور جریان پر حسن بن زید کا قبضہ ہو گیا اور وہ اپنی زندگی بھر ۲۰ھ تک اس پر قابض رہے۔ ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی محمد بن زید ان کے جانشین ہوئے۔ (ابن اثیر و مسعودی جلد ۷، ص ۳۰۳)

علویوں کا عام ظہور: حسن بن زید کی دعوت کے سلسلہ میں اس زمانہ میں یکے بعد دیگرے بہت سے علوی اٹھے۔ ان میں اور حکومت میں بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ ان کے مختصر حالات یہ ہیں۔ سب سے اول ۲۵۰ھ میں محمد بن جعفر بن حسن نے رے میں حسن بن زید کی دعوت شروع کی۔ ان میں اور خراسانی فوج ”مسودہ“ (عباسی فوج کی وردی سیاہ تھی) کے درمیان کئی معرکے ہوئے اور محمد بن جعفر گرفتار کر کے محمد بن عبد اللہ بن طاہر کے پاس نیشاپور بھیجے گئے۔ اس نے قید کر دیا اور محمد نے قید ہی میں انتقال کیا۔ ان کے بعد احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب نے رے میں رضا آل محمد کی دعوت شروع کی۔ ان میں محمد بن عبد اللہ بن طاہر میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں، لیکن آخر میں احمد بن عیسیٰ کو بھی شکست ہوئی۔ ان کے بعد حسن بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب الخاطب بہ کرکی قزوین میں اٹھے۔ ان کا اور موسیٰ بن بغا کا مقابلہ ہوا، پھر حسن و یلم چلے گئے اور

حسن بن زید کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۲۵۰ھ میں حسین بن محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے کوفہ میں خروج کیا۔ محمد بن عبداللہ نے ان کے مقابلہ کے لیے بغداد سے ابن خاقان کی زیر قیادت ایک زبردست فوج روانہ کی۔ اس فوج کی آمد سن کر حسین بن محمد کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ کہیں روپوش ہو گئے۔ (مروج الذهب مسعودی جلد ۷ ص ۳۴۴ تا ۳۴۶)

اردن میں نشور ش: مستعین کے دور میں حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا اور اس کی قوت کمزور پڑ گئی تھی۔ اس لیے ترکوں کی سرکشی اور علویوں کے خروج کے علاوہ ملک کے ہر حصہ میں کچھ نہ کچھ شورشیں ہونیں۔ خصوصاً یکے بعد دیگرے کئی سرداروں نے علم بغاوت بلند کیا۔ سب سے اول اردن میں ایک لخمی امیر اٹھا، لیکن پھر حاکم اردن کے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد اس کے عامل قظامی نے اردن کا خراج وصول کر لیا۔ اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ حاکم فلسطین کی فوجوں کو پیہم شکستیں دیں۔ مزاحم بن خاقان ترکی نے بڑی مشکل سے اس کی قوت توڑ کر اس کو نکالا۔

حمص کسی بغاوت: اردن کے بعد حمص کے باشندوں نے جن میں زیادہ تر عرب تھے۔ یہاں کے حاکم کیدر بن عبدالملک کے خلاف برپا کی۔ کیدر نے ان کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی۔ اہل حمص نے اس کی فوج کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔ کیدر کے مغلوب ہو جانے کے بعد مستعین نے عبدالرحمن بن حبیب ازدی کو حمص کا والی بنا کر بھیجا، لیکن حمص پہنچنے سے پہلے ہی اس کا پیام اجل آ پہنچا اور اس کی جگہ فضل بن قارون طبری کا تقرر ہوا۔ اہل حمص نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد اسے خبر ملی کہ وہ اس کی مخالفت پر بھی آمادہ ہیں۔ اس لیے چند فتنہ پرستوں کو پکڑ کے ان کے سر قلم کر دیئے۔ اس سے اس وقت تو مخالفت دب گئی، لیکن ۲۵۹ھ میں اس زور و شور سے رونما ہوئی کہ فضل بن قارون کو قصر خالد بن یزید میں قلعہ بند ہونا پڑا۔ اہل حمص نے یہاں بھی نہ چھوڑا اور قصر سے نکال کر

بے دردی کے ساتھ ذبح کر کے لاش سولی پر لٹکا دی۔ نوٹری بن طابیل والی ذائقہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک جراثیمک باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے اس کو بھی شکست دی۔ مستعین کو یہ خبریں پہنچیں تو اس نے موسیٰ بن بغا کو موالی کی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ ایک باغی سرغنہ و ابر العقاء بنی کلب کو لے کر مقابلہ میں آیا، لیکن موسیٰ بن بغا نے اس کو پسپا کر دیا اور حمص میں داخل ہو کر تین دن تک خوب لٹوایا اور باغیوں کے گھروں میں آگ لگوا دی اور حمص کی شورش فرو ہوئی۔

یوسف القصصیص کی بغاوت: اسی سنہ میں معمر بن یوسف بن ابراہیم المعروف بہ قصیص قبیلہ تنوخ کو جمع کر کے قسریں میں قلعہ بند ہو گیا۔ مستعین کے غلام محمد المولد نے اس کے ایک ساتھی غطف بن نغمہ کو پکڑ کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد قصیص جبل اسود کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر بنو کلب کو جمع کیا۔ محمد المولد نے جبل اسود جا کر اس کا مقابلہ کیا، لیکن بڑی فاش شکست کھائی اور اس کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا اور قصیص پھر قسریں لوٹ آیا۔ مولد کی شکست کے بعد اس کی جگہ ابوالساج اشروسی کا تقرر ہوا۔ اس نے جنگ کے بجائے قصیص کو امان دے کر مطیع بنالیا اور لاذقیہ وغیرہ کا عامل بنادیا۔

فارس کسی بغاوت: فارس کی فوج کو عرصہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ اس لیے اس نے یہاں کے والی حسین بن خالد پر یورش کر کے نقدی لوٹ کر اپنی تنخواہیں لے لیں۔ فارس کا علاقہ محمد بن عبداللہ بن طاہر والی خراسان کے ماتحت تھا۔ اسے خبر ہوئی تو اس نے عبداللہ بن اسحاق کو بھیجا۔ اس کے آنے پر فوج مطیع ہو گئی، لیکن عبداللہ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کے سرغنہ علی بن حسین کو خوارج کے مقابلہ کے لیے فارس اور کرمان کی سرحد پر بھیج دیا۔ یہ عبداللہ کی بدسلوکی کا شاکی تھا، لیکن اسے ظاہر نہیں کیا اور خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ اسطرح پہنچ کر فوج سے خط و کتاب کر کے پھر عبداللہ کے مقابلہ میں آ گیا اور اس کا گھر لوٹ کر اس کو نکال دیا۔ وہ بغداد لوٹ گیا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن نصر مقابلہ کے لیے

بھیجا گیا۔ اس نے علی بن حسین کو زمری سے مطیع بنانا چاہا، مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ (یہ تمام واقعات یعقوبی سے ماخوذ ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور جلد ۲، ص ۲۰۵ تا ۲۰۹)

بغلا اور باغرمیں اختلاف: ۲۵۱ھ میں مشہور ترک جنرل باغرمیں خود اس کے ہم قول بغا اور وصیف نے قتل کر دیا۔ گویہ دونوں ترک تھے، لیکن حصول جاہ و اقتدار کے لیے ان میں رشک و رقابت ہو گئی۔ اما مش کا قتل بھی اسی کشمکش کا نتیجہ تھا۔ مستعین کے عہد میں بغا اور وصیف کا اقتدار بڑھا۔ باغرمیں خدمات بھی ان سے کم نہ تھیں، لیکن اسے بغا اور وصیف کے برابر رسوخ حاصل نہ تھا۔ اس لیے ان دونوں کا عروج باغرمیں نظر میں بہت کھٹکتا تھا، لیکن اس کو ان کے خلاف کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک واقعہ نے اس کا سامان پیدا کر دیا۔ سواد کوفہ میں باغرمیں جاگیر تھی۔ اس کی نگرانی کے لیے اس کا وکیل یہاں رہتا تھا۔ اس کو یہاں کے ایک باشندہ ابن مارویہ نے پکڑ لیا۔ اس کی سزا میں ابن مارویہ قید کر دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ چھوٹ کر اپنے ایک دوست دلیل بن یعقوب نصرانی کے پاس پہنچا۔ دلیل بغا کا کاتب اور اس کا نفس ناطقہ تھا اور باغرمیں ماتحت تھا۔ اس لیے اس نے اس کو ابن مارویہ پر زیادتی کرنے سے روکا۔ اس پر باغرمیں گیا اور دلیل نصرانی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ باغرمیں بہادری سے بغا بھی خائف رہتا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر اس کو ٹھنڈا کیا کہ اگر تم میرے لڑکے فارس کو بھی قتل کرنا چاہتے تو میں تم کو نہ روکتا، لیکن میرے اور بارگاہ خلافت کے جملہ کاموں کا مدار دلیل کے اوپر ہے۔ اس لیے اتنا توقف کرو کہ میں اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لوں۔ باغرمیں ٹھنڈا کرنے کے بعد دلیل کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر اسے اپنے یہاں آنے سے منع کر دیا اور باغرمیں کو دکھانے کے لیے دلیل کی جگہ ایک دوسرے شخص محمد بن یحییٰ کو کاتب بنا دیا۔ اس سے باغرمیں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، لیکن اس کا دل دلیل کی جانب صاف نہ ہوا اور وہ اپنا ارادہ پورا کرنے اور اپنا رسوخ بڑھانے کے لیے مستعین کے پاس زیادہ رہنے لگا۔ مستعین کو اس کی قربت پسند نہ تھی۔ اس لیے اس کو اپنے پاس سے ہٹانے کے لیے

لیا اور بغداد کا رستہ بند کر دیا۔ ایک ملاح کو جو ایک کشتی کرایہ پر بغداد لیے جا رہا تھا، سولی دے دی۔ اس سے باقی ملاح خوفزدہ ہو گئے اور علانیہ بغداد جانا بند ہو گیا۔ مستعین کے بغداد چلے جانے کے بعد، افسران فوج، کتاب، عمال، حکومت، بنی ہاشم اور بغا اور وصیف کے سب ساتھی کسی نہ کسی طرح پہنچ گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۱۲۴)

ترکوں کی معذرت اور مستعین کا واپسی سے انکار: مستعین کے سامرا چھوڑنے کے بعد ترک، فراغہ اور موالی کو اپنی گستاخی پر ندامت ہوئی اور انہوں نے عفو و تقصیر کے لیے اس کے پاس ایک وفد بھیجا۔ اس نے مستعین سے ترکوں کی گستاخی اور ان کی غلطیوں کی معافی چاہی اور آئندہ اپنی وفاداری کا یقین دلا کر بڑی عاجزی اور منت سے سامرا واپس چلنے کی درخواست کی، لیکن مستعین نے اسے قبول نہ کیا اور وفد کا کام سامرا واپس گیا۔

معزز کی بیعت: معزز اور موید دونوں ابھی تک قصر سلطانی میں قید تھے۔ مستعین کی واپسی سے مایوسی کے بعد ترکوں نے طے کیا کہ معزز کو خلیفہ بنا کر مستعین کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ ۱۲ محرم ۲۵۱ھ میں معزز کو قید سے نکال کر اس کی بیعت کی۔ معزز نے بیعت خلافت کے بعد ہی اپنے بھائی موید کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کر کے ولی عہد نامزد کیا اور ترکوں نے اس کی بیعت کا تمام ممالک محروسہ میں تحریری اعلان کر دیا۔ (مروج الذهب مسعودی جلد ۷، ص ۳۶۴، ۳۶۵)

مستعین اور معزز کی لڑائیاں: معزز کی بیعت کے بعد اس میں اور مستعین میں بڑی خوزیر معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

مستعین بغداد میں تھا، اہل بغداد اس کے ساتھ تھے۔ اس لیے جب تک ان سے معزز کی خلافت نہ منوائی جاتی، اس وقت تک وہ قائم نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ معزز کی بیعت کے بعد

اس کا بھائی امیر ابو احمد اہل بغداد کے مقابلہ کے لیے بغداد پہنچا۔ یہاں کے امیر الامراء محمد بن عبداللہ بن طاہر نے مدافعت کے انتظامات کیے اور دونوں میں مہینوں خونریز لڑائیوں کا سلسلہ رہا۔ اس ہنگامہ سے بغداد میں بڑی بد امنی اور شورش پھیل گئی اور اہل بغداد سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور ان کی قوت کمزور پڑ گئی۔ یہ صورت دیکھ کر امیر محمد بن عبداللہ بھی معزز کی طرف مائل ہو گیا اور اس کے پاس پیام کہا، بھیجا کہ اگر وہ اس کی خطا معاف کر کے صلح کرے تو وہ اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہے۔ اہل بغداد کو اس کی خبر ہو گئی۔ مستعین محمد بنی کے محل میں تھا اس لیے بغدادیوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ اسے معزز کے حوالہ نہ کر دے۔ اس لیے انہوں نے محل پر هجوم کر دیا۔ ان کا جوش و خروش دیکھ کر محمد نے محل کے اوپر سے انہیں مستعین کو دکھایا۔ اسے دیکھ کر ان کو اطمینان ہوا۔ اس کے بعد محمد بن عبداللہ نے مستعین کو اپنے محل سے رصافہ میں منتقل کر دیا۔ (مروج الذهب جلد ۷ ص ۳۶۶ تا ۳۶۷)

امیر محمد بن عبداللہ کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ مستعین کو معزز کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور اس کوشش میں کشت و خون کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے اس نے اور امیر ابو احمد نے مل کر باہمی مشورہ سے اس کو معزز کو لے کر لیا تھا، چونکہ وہ طبعاً کمزور تھا اور کوئی مددگار بھی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے دست برداری پر آمادہ ہو گیا۔ محمد بن عبداللہ نے معزز سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ مستعین کے اہل و عیال اور مال و متاع کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ معز ولی کے بعد وہ مکہ میں قیام کرے گا اور اگر معزز اس وعدہ پر قائم نہ رہے گا تو اس کی بیعت توڑ دی جائے گی۔ اس معاہدہ کے بعد وہ محرم ۳۵۲ھ میں دست بردار ہو گیا۔

نظر بندی: معزز نے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ تو پورا کیا، لیکن مکہ کے قیام کے بجائے پہلے بغداد ہی میں حسن بن وہب کے یہاں رکھا، پھر کچھ دنوں کے بعد احمد بن

طولوں کی نگرانی میں واسطہ بھیج دیا گیا اور مستعین زندگی کے آخری لمحوں تک وہیں مقیم رہا۔ مستعین کی تخت نشینی سے لے کر اس کی دست برداری تک کل مدت خلافت ۳ سال ہے، اگر اس کی خلافت کا زمانہ معزز کی پہلی بیعت تک شمار کیا جائے تو یہ مدت بقدر ایک سال کے گھٹ جائے گی، کیونکہ معزز کی پہلی بیعت مستعین کے سامرا چھوڑنے کے بعد محرم ۲۵۱ھ میں ہوئی تھی اور دوسری متفقہ بیعت اس کی دست برداری کے بعد محرم ۲۵۲ھ میں ہوئی۔

وزارت: مستعین کا پہلا وزیر احمد بن خصب تھا۔ اس کے حالات منصر کے حال میں گزر چکے ہیں۔ احمد بن خصب نے مستعین کے زمانہ میں کل دو مہینے وزارت کی۔ اس کے بعد اس کی جگہ ابی صالح محمد بن یزاد کا تقرر ہوا۔ یہ بڑا فاضل اور ادیب تھا۔ اس کے جوابات اور اس کی توقیعات مشہور تھیں، لیکن خود سر اور خائن امراء کی وجہ سے وہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر نہ رہ سکا۔ ابو صالح متدین آدمی تھا۔ اس کے دوسرے شعبوں کی طرح مالیات کی نگرانی اور اس کی تنظیم بھی شروع کی۔ اس کی یہ نگرانی خائن اور خود سر امراء پر گراں گزری۔ انہوں نے اس کو قتل کی دھمکی دی۔ ان کی روش دیکھ کر ابو صالح وزارت چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ اس کے بعد محمد بن فضل جراحی اور شجاع بن القسّم کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے، لیکن ان میں سے کوئی وزارت کے لقب سے ملقب نہ ہوا۔ (الفخری ص ۲۲۰)

صفیات: علمی اعتبار سے مستعین فاضل ادیب فصیح و بلیغ تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۷) لیکن امور جہان بینی میں بالکل کور تھا۔ ابن طقطقی کا بیان ہے کہ مستعین عقل رائے اور تدبیر سب میں نہایت کمزور تھا اور اس کا پورا زمانہ دور فتن اور عہد اضطراب تھا۔ اس میں جو دو کرم کے علاوہ اور کوئی اچھی خصلت نہ تھی۔ (الفخری ص ۲۱۹) اس کا زمانہ بہت مختصر تھا اور وہ بھی پورا شور و فتن میں گزرا۔ اس کے دور سے خلفاء برائے نام رہ گئے تھے۔ حکومت کی ساری قوت ترکوں کے ہاتھوں میں

آگئی تھی۔ وہ جسے چاہتے خلیفہ رہنے دیتے، جسے چاہتے معزول کر دیتے۔

ابو عبد اللہ محمد بن جعفر الملقب بہ معز باللہ

(۲۵۱ھ تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۵ء تا ۸۶۹ء)

معز باللہ کی پہلی بیعت کا حال اوپر مستعین کی معزولی کے حالات میں گزر چکا ہے۔ دوسری عام بیعت مستعین کی دست برداری کے بعد محرم ۲۵۲ھ میں ہوئی اور چند ملکوں کے سوا جن کا ذکر آئندہ آئے گا باقی تمام ممالک محروسہ نے اسے خلیفہ مان لیا۔ لیکن اس کی جو حیثیت تھی وہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے۔ ابن طقطقی نے اس کی تحت نشینی کے سلسلہ میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو لطیفہ سے زیادہ ایک عبرت آموز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تحت نشینی کے وقت بعض امراء دولت نے منجموں کو بلا کر ان سے پوچھا کہ وہ زانچہ دیکھ کر بتائیں کہ امیر المومنین کی زندگی اور خلافت کی مدت کتنی ہے؟ حاضرین میں سے کسی حقیقت شناس ظریف نے کہا میں اس کو ان سے زیادہ صحیح بتا سکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا تم ہی بتاؤ۔ اس نے کہا جب تک ترک چاہیں۔ اسے سن کر سب بے اختیار ہنس پڑے۔ (الفخری ص ۲۲۱)

بغا اور وصیف سے ناراضی اور صفائی: اگرچہ معز کو ترکوں ہی کی حمایت و امداد سے خلافت ملی تھی، لیکن پہلے ترکوں ہی نے جن میں وصیف اور بغا زیادہ پیش تھے مختصر کو مجبور کر کے معز کو ولی عہدی سے خارج کر لیا تھا، پھر مختصر کے بعد انہیں نے معز کو محروم کر کے مستعین کو خلیفہ بنایا تھا۔ اس لیے معز کا دل ان کی طرف سے صاف نہ تھا اور وہ اسے خوب سمجھتا تھا کہ ترکوں نے اس کی خیر خواہی نہیں بلکہ اپنی اغراض کے لیے اس کو خلیفہ بنایا ہے اور اگر وہ ان کے اقتدار میں ذرا باہر جھکے تو اس کا انجام بھی اس کے پیشتر وؤں جیسا ہوگا۔ اس لیے اس نے تحت نشینی کے بعد بغا، وصیف اور اس کی پوری جماعت کا نام دفتر سے خارج کر کے ایک فوجی افسر محمد بن ابی عون کو ان کا قصہ پاک کرنے پر متعین کیا اور اس کے صلہ میں اسے یمامہ، بحرین اور

بصرہ کی حکومت عطا کی۔ بغا اور وصیف کے آدمیوں کو اس کا علم ہو گیا۔ انہوں نے ان دونوں کو اس کی خبر کر دی۔ وہ دونوں بگڑ گئے اور امیر محمد بن عبداللہ کے پاس جا کر اعلان کر دیا کہ ہمیں دھوکہ دیا جاتا ہے، لیکن ہم کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ جس میں ہمت ہو وہ سامنے آئے اور یہ اعلان کر کے معتر سے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن پھر کسی مصلحت سے وصیف نے اپنی بہن سعاد کے وسیلہ سے جو معتر کی کھلائی تھی، سفارش کرا کے معتر کو راضی کر لیا اور موید کے بھائی ابواحمد نے سفارش کر کے بغا سے بھی صفائی کرا دی اور معتر نے دونوں کو خلعت دے کر ان کے عہدوں پر بحال کر دیا اور بغا کے لڑکے کو خبر رسانی کے شعبہ پر مامور کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۵۵)

موید کی قید اور موت: ترکوں کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا تھا کہ معلوم ہوا موید نے موالی سے ساز باز کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس لیے معتر نے موید اور اس کے بھائی ابواحمد کو قید کر کے ان سے ولی عہدی سے دستبرداری کا اقرار کرایا اور موید قید ہی میں نامعلوم سبب سے مر گیا، چونکہ موت مشتبہ تھی۔ اس لیے معتر نے اپنی صفائی کے لیے فقہاء کے روبرو اس کی لاش نکوائی، لیکن جسم پر ظاہری کوئی نشان ایسا نہ تھا جس کے صدمہ سے موت کا شبہ کیا جاسکے، مگر قیاس یہی ہے کہ موت غیر طبعی تھی۔

مستعین کا قتل: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مستعین کی دستبرداری کے وقت امیر محمد بن عبداللہ نے معتر سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ لے لیا تھا، لیکن خلیفہ ہونے کے بعد اس نے وعدہ کو طاق نسیان کے حوالہ کر دیا اور شوال ۲۵۲ھ میں مستعین کو مرواڑا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲، ص ۱۶۷، ۱۶۸)

مصر اور شام کے والیوں کی بیعت: جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ سمساط، فلسطین، دمشق، مصر اور اصفہان کے والیوں ابن مجاہد، عیسیٰ بن شیخ، یزید بن عبداللہ اور عمران بن مہران نے معتر کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس لیے اس نے نوشری بن

تاجیل ترکی کو والی دمشق اور عیسیٰ بن شیخ والی فلسطین کے مقابلہ پر مامور کیا۔ اردن میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں نوشری کا لڑکا کام آیا، لیکن عیسیٰ نے شکست کھائی اور فلسطین ہوتا ہوا مصر چلا گیا۔ عیسیٰ کی شکست کے بعد معتر نے ایک ترک امیر کو مصر روانہ کیا۔ یہاں کے والی یزید بن عبداللہ نے پہلے اسے عریش میں روکا، لیکن پھر معتر کی بیعت کر لی ہے۔ اسے دیکھ کر عیسیٰ بن شیخ نے جو مصر میں موجود تھا، بیعت کر لی۔ حمص پر غطفیف کلبی قابض ہو گیا تھا۔ اسے محمد بن مولد نے مطیع بنایا، لیکن پھر بد عہدی کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اس لیے غطفیف کا قبیلہ برہم ہو گیا اور محمد پر حملہ کر کے اسے فلسطین واپس کر دیا۔ اس کی پسپائی کے بعد امیر نوشری جو فلسطین کی حفاظت کیلئے رکا ہوا تھا۔ عراق واپس چلا گیا۔ اس کی واپسی کے بعد فلسطین کا سابق والی عیسیٰ بن شیخ فلسطین پر قبضہ کے خیال سے مصر سے فلسطین پہنچا، لیکن پھر رک گیا اور وہ اور امیر محمد بن مولد دونوں عراق چلے گئے۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۶۱۱) اوپر گزر چکا ہے کہ عیسیٰ بن شیخ کے مقابلہ میں امیر نوشری کا بیٹا کام آیا تھا۔ اس لیے عیسیٰ بن شیخ کے عراق آنے کے بعد ترکوں نے اس کے انتقام میں عیسیٰ کو قتل کر دینا چاہا، مگر وہ چھپ کر فلسطین نکل گیا اور قبیلہ ربیعہ کو ساتھ لے کر رملہ کے قریب ایک قلعہ (یعقوبی جلد ۲، ص ۶۱۵) تیار کیا۔ چند دنوں میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے فلسطین اور دمشق کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور خراج بھیجنا بند کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۵۷)

بغدادی فوج کی بغاوت: بغداد کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے شاہی خزانہ کی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ فوجوں کی تنخواہوں اور وظیفہ یابوں کے وظائف کی تقسیم میں دشوار پیش آتی تھی اور دو دو تین تین مہینے کی تنخواہیں جڑھ جاتی تھیں۔ اس لیے بغدادی فوج نے معتر کے متولی حکومت امیر محمد بن عبداللہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خطیب کو خطبہ میں معتر کا نام لینے سے روک دیا۔ ہنگامہ میں عوام نے پولیس کی چوکی لوٹ لی۔ باغی فوج پل توڑنے کے لیے بڑھی۔ امیر محمد کی فوج نے روکنے کی کوشش کی،

مگر کامیاب نہ ہوئی۔ یہ صورت دیکھ کر امیر محمد نے پل کے پاس کی دوکانوں میں آگ لگوا دی اور باغیوں کا رستہ رک گیا۔ اس درمیان میں اتفاق سے فوج کے دو آدمی مل گئے اور امیر محمد کو باغیوں کا پتہ دیا۔ اس نے اسی وقت دو آدمیوں کو بھیج کر ایک سرغنہ ابن حنبل کو قتل کرادیا۔ دوسرا ابو القاسم چھپ گیا، لیکن آخر میں وہ بھی پکڑ کے قید کر دیا گیا۔ ان دونوں کے بعد باغی منتشر ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۵۷)

تذکرہ اور مغاربہ کا اختلاف: اس زمانہ میں ترکوں کے علاوہ ایک دوسری قوت مغاربہ کی ابھر رہی تھی اور حکومت میں ان کو بھی دخل ہو گیا تھا۔ اس لیے ان میں اور ترکوں میں حصول اقتدار کی کشمکش رہا کرتی تھی۔ رجب ۲۵۲ھ میں ترکوں کی زیادتی پر انہیں جو سق سلطانی سے نکال دیا۔ اس مخالفت میں شاہ کریم اور عوام نے مغربیوں کا ساتھ دیا۔ اس لیے ترک مقابلہ نہ کر سکے اور ایک شخص نے درمیان میں پڑ کر دونوں میں صلح کرادی۔ اس وقت ترک مصلحتاً خاموش ہو گئے تھے، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد موقع پا کر انہوں نے مغربیوں کے سردار محمد بن راشد اور نصر بن سعد کو جنہوں نے ان کو جو سق سے نکالا تھا قتل کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۵۶، ۵۷)

مسادر خسار جی کی نشورش: خوارج اور عرصہ سے خاموش تھے۔ ۲۵۲ھ میں ان کا ایک سردار مساد حدیثہ ضلع موصل کے پولیس افسر حسین بن بکیر سے بگڑ گیا اور کرد اور اعراب کو جمع کر کے موصل کے والی عتبہ بن محمد پر حملہ آور ہو گیا، لیکن کامیابی نہ ہوئی اور وہ لوٹ گیا۔ راستہ میں عباسی عمال بندار اور مظفر بن مشبک نے روکنا چاہا۔ مسادر نے انہیں شکست دی اور ان کی جماعت کا بڑا حصہ تہ تیغ کر دیا۔ مظفر شکست کھا کر بغداد بھاگ گیا۔ اس کے فرار کے بعد خارجی جلواء میں جمع ہوئے۔ یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا۔ فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے۔ اسی دوران میں امیر خرمش فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ مسادر نے اسے بھی شکست دی اور موصل کے بڑے حصہ پر چھا گیا۔ خرمش کی شکست کے بعد ایوب بن

احمد تغلمی موصل کی حکومت پر مامور ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے حسن کو مسادر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسادر ہٹ گیا۔ آگے چل کر ایک مقام پر دونوں کا مقابلہ ہو گیا۔ حسن کو بڑی فاش شکست ہوئی اور وہ اربل کی طرف نکل گیا۔ اس کامیابی سے مسادر کا زور اور بڑھ گیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۵۳)

علوی: طبرستان پر زیدیوں کے قبضہ کی وجہ سے علویوں کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی تھی اور ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا، چنانچہ مستعین کے زمانہ سے لے کر معزز کے عہد تک وہ بڑے زور و قوت کے ساتھ اٹھے۔ طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے حالات لکھے ہیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے۔

سب سے اول مستعین اور معزز کے زمانہ میں اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مکہ میں خروج کیا۔ یہاں کا عباسی عامل جعفر مکہ چھوڑ کر بشارت چلا گیا۔ اسماعیل نے اس کا گھر اور عباسی حکام کے مکانات لوٹ لیے۔ مکہ کی فوج اور اہل مکہ کو بے دریغ قتل کیا۔ خانہ کعبہ کے تمام نقرئی سامانوں اور دوسری قیمتی اشیاء پر قبضہ کر لیا اور اہل مکہ سے دو لاکھ دینار وصول کر کے مدینہ پہنچے۔ یہاں کے والی میں بھی مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس نے بھی مدینہ چھوڑ دیا۔ مدینہ پر قبضہ کے بعد اسماعیل مکہ لوٹ گئے اور اس کا اتنا سخت محاصرہ کر لیا کہ شہر میں قحط پڑ گیا۔ پانی تک سونے کے بھاؤ بکنے لگا اور مکہ والے بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ مکہ کے بعد جدہ پہنچے اور اس کی ناکہ بندی کر کے اہل جدہ کا کھانا پانی بھی بند کر دیا اور تاجروں کا مال لوٹ کر عرفہ واپس ہوئے۔ یہ حالات سن کر معزز نے محمد بن احمد اور عیسیٰ بن محمد کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عرفہ میں دونوں کا سامنا ہوا۔ اسماعیل نے سولہ سو حاجیوں کو قتل کر کے تمام حاج کا مال لوٹ لیا۔ ان کے خوف سے حاج عرفہ میں قیام کیے ہوئے بغیر مکہ لوٹ گئے۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۶۸۲)

ایک اور علوی ابو احمد بن محمد جعفر کوفہ میں اٹھے، لیکن مزاحم بن خاقان نے انہیں

شکست دے کر قابو میں کر لیا اور معتز نے معاف کر کے ان کو کوفہ کا حاکم بنادیا، لیکن اس عفو پر بھی وہ باز نہ آئے اور اہل کوفہ کے مال اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ اس لیے پھر گرفتار کر کے بغداد بھیج دیئے گئے۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۶۸۶) اسی زمانہ میں دو اور علوی احمد بن عیسیٰ اور حسین بن احمد بھی حکومت کی مخالفت میں ویلم کے غیر مسلم فرمانروا ابن جستان سے مل گئے اور رے پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کر لیا۔ یہاں کے حاکم عبداللہ بن عزیز نے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر راہ فرار اختیار کی اور رے والوں نے بیس لاکھ درہم دے کر جان بچائی۔ ابن جستان اس رقم پر قبضہ کر کے الگ ہو گیا۔ اس کی علیحدگی سے احمد بن عیسیٰ کی قوت بالکل کمزور ہو گئی اور عبداللہ بن عزیز نے لوٹ کر ان کو گرفتار کر لیا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۶۸۶) ان کے علاوہ متعدد طالبی اٹھے، ان کے خروج سے اتنی بد امنی پھیلی اور اہل حجاز پر اتنے مصائب نازل ہوئے کہ خود ان کے اہل خاندان گھربار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ شیعہ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ خاندان ابوطالب کے ۷۶ آدمی جن میں حضرت علی، عقیل اور جعفر ؓ تینوں بھائیوں کی اولادیں شامل تھیں، حجاز کے مصائب سے گھبرا کر مصر چلے گئے۔ یہاں کے والی عیسیٰ بن شیخ نے ان کو معتز کے پاس سامرا پہنچا دیا۔ اس نے ان کو ٹھہرایا اور ان کی کنالت کا بار اپنے ذمے لیا (مروج الذهب مسعودی جلد ۷، ص ۳۹۹)

سجستان میں صفاریوں کی نئی طاقت کا ظہور: اسی زمانہ میں دولت عباسیہ پر موالی کے غلبہ و اقتدار کے خلاف ایک نئی قوت صفاریوں کی اٹھی۔ یہ معلوم ہے کہ دولت عباسیہ کے آغاز ہی سے اس پر موالی یعنی اہل عجم کا غلبہ تھا۔ (اہل عجم سے ہماری مراد شرق کی تمام غیر عرب قومیں ہیں) پھر مامون اور معتصم کے زمانہ سے عرب بالکل خارج ہو گئے تھے اور حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہ گیا تھا۔ تاہم جب تک خلفاء صاحب اقتدار تھے اس وقت تک ترک و ایرانی ان کے تابع فرمان رہے اور ان سے

حکومت کے مفاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور وہ حکومت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے، لیکن تیسری صدی میں جب ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ خلفاء ان کے مقابلہ میں بے بس ہو گئے۔ اس وقت وہ قابو سے باہر ہو گئے اور ان کی خود غرضی سے نہ صرف حکومت بلکہ اسلامی مفاد کو بھی نقصان پہنچنے لگا۔ اس صورت حال کے خلاف صفاری اٹھے۔ دولت عباسیہ میں کوئی دم باقی نہ تھا۔ ترک خود غرضی میں مبتلا تھے۔ اس لیے صفاریوں کی قوت برابر بڑھتی رہی اور انہوں نے سیستان اور اس کے بعد ایران کے بڑے حصے پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ (یہ حکومت ۲۵۳ھ میں قائم ہوئی۔ اس میں پانچ فرمانروا ہوئے۔ یعقوب لیث، عمرو بن لیث، طاہر بن محمد بن عمرو لیث بن علی بن لیث، معدل بن علی بن لیث ۲۹۸ھ میں سامانیہ ماوراءالنہر کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔)

صفاریوں کے متعلق عام خیال ہے کہ وہ عجمی تھے، لیکن قیاس کے علاوہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ مورخین نے یعقوب بن لیث الصفاری کی اوپر کی پشتوں کا نسب نامہ نہیں لکھا ہے ورنہ ان کے نسب میں ابہام باقی نہ رہتا۔ کسی مورخ نے ان کو عجمی النسل نہیں لکھا ہے۔ ان کے نسب کی تصریح سے سب خاموش ہیں۔ محض اس قیاس پر ان کو عجمی سمجھا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بانی یعقوب بن لیث الصفار بختان کا باشندہ تھا اور سرزمین عجم میں صفاری حکومت قائم ہوئی اور صفاریوں کی زبان فارسی تھی۔ فارسی شاعری کی تاریخ اور تذکروں میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک دن یعقوب کا چھوٹا بچہ اخروٹوں سے کھیل رہا تھا۔ ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے میں چلا گیا۔ بچہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا ”غلاں غلاں ہم!ں رو تو تالب گو۔“ یعقوب موجود تھا، بچہ کی زبان سے اس کو یہ کلام بہت پسند آیا، لیکن چونکہ اس بحر میں اشعار نہیں پائے جاتے تھے۔ اس لیے شعراء کو بلا کر اس نے پوچھا کہ یہ کون سی بحر ہے؟ انہوں نے کہا ہرج ہے، پھر تین مصرعے اور لگا کر پوری رباعی کردی اور دو بیتی نام رکھا، پھر دو بیتی کے بجائے رباعی کہنے لگے۔ (تذکرہ دولت شاہ سمرقند)

لیکن ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی صفاریوں کے عجمی ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ اس زمانہ میں سارے عجم میں عرب پھیلے ہوئے تھے۔ عجم کا تو وطن نسلا عربی ہونے کا ثبوت نہیں۔ خلفائے عباسیہ کی حکومت بھی عجم میں قائم ہوئی اور ان کا سارا کچھ مذہب کے علاوہ تمام تر عجمی ہو گیا تھا، لیکن تھے وہ عربی النسل۔ اگر فارسی تذکروں کی روایت صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ صفاریوں کی زبان فارسی تھی، لیکن یہ بھی ان کے عجمی ہونے کا ثبوت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کسی مقام پر کسی بیرونی متوطن کی کئی پشتیں گزر جائیں گی تو اس کی زبان بھی وہیں کی ہو جائے گی۔ حکومت کے اثر سے ہزاروں عجمیوں کی زبان عربی ہو گئی تھی، لیکن تھے بہر حال وہ عجمی۔ ان قیاسات کے مقابلہ میں یعقوب بن لیث کی زندگی کے بیشتر واقعات اس کے عرب ہونے کے شاہد ہیں۔ اس کی اسپرٹ شروع سے آخر تک خالص عربی تھی جو ایک عجمی میں ممکن نہیں ہے۔ (۲۲۸ھ مطابق ۸۶۱ء تا ۸۶۲ء)

ان کے بعد عربی النسل ہونے کا سب سے کھلا ہوا ثبوت خود ان کے ناموں کی عربیت ہے اس خاندان میں پانچ فرمانروا ہوئے ان میں سے تین کے نام خالص عربی ہیں، عمرو بن لیث، لیث بن علی اور معد بن علی، یعقوب کے باپ کا نام بھی لیث تھا، یہ نام خالص عربی ہیں، انفرادی طور پر ایک دو عربی نام تو عجمیوں کے بھی ہو سکتے ہیں، لیکن چار پشتوں اور چھ ناموں میں عربی نام غیر عرب میں مشکل سے مل سکتے ہیں۔ اسلامی نام تو عرب اور غیر عرب مسلمانوں میں مشترک ہوتے ہیں لیکن خالص عربی نام عموماً عربوں کے ہی ہوتے ہیں دوسرا بڑا ثبوت صفاریوں کا مذہبی جذبہ دین کی نصرت و حمایت اور موالیوں (اہل عجم سے ان کی نفرت ہے۔ انہوں نے ابتداء ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا۔

اور ان کی بنیاد ہی موالی کی مخالفت اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے پڑی، خلیفہ معتد علی اللہ کے ساتھ اس کی جنگ کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب موالی کی

مخالفت اور دین کی نصرت و حمایت کیلئے پڑی، خلیفہ معتمد علی اللہ کے ساتھ ان کی جنگ کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب موالی کی مخالفت اور ان کے ہاتھوں دین کی بے حرمتی تھی۔ مورخ مسعودی لکھتا ہے۔ ﴿وانہ خرج منکر اعلی المعتمد ومن معه من الموالی واضاعتهم الدین﴾

اس سلسلہ میں اس کے دو شعر بھی قابل لحاظ ہیں۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۶، مروج الذهب جلد ۷ ص ۴۵)

خراسان احویہا وما انا من ملک

واعمال فارس العراق بایس

خراسان اور فارس کے علاقے میرے قبضہ میں آگئے، اور میں ملک عراق پر قبضہ سے بھی مایوس نہیں۔

اذا ما امور الدین ورثت فصارت

ضاعت واهملت كالرسوم الدوارس

جس کے دینی امور اس طرح ضائع و بے کار ہو گئے کہ اب وہ مٹی ہوئی نشانی رہ گئے ہیں۔

دین کی نصرت و حمایت کے لئے جان کی بازی لگا دینا اور حکومت کے مقابلہ میں آجانا ایک عرب ہی کر سکتا ہے محض اسلام کی حمایت میں ایک عجمی کا اپنی قوم کی مخالفت کرنا قیاس میں نہیں آتا، یعقوب بن لیث نے معتمد سے جنگ کرنے سے پیشتر یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس کو خراسان، فارس، طبرستان، جرجان، رے، آذربائیجان، اور قزوین کی ولایت اور بغداد اور سرمن رانی کی تنگی عطا کی جائے۔ معتمد نے اس منظور کر لیا، اس منظوری سے سب سے زیادہ اضطراب موالی میں پیدا ہوا۔ ﴿اضطربت الموالی بسرمن رانی﴾ اور جب یعقوب نے اس پر بھی بس نہ کیا اور بغداد پر فوج کشی کر دی تو موالی کو یہ شبہ ہوا کہ معتمد کے متولی حکومت موفق کی خط و کتابت اس کو

یہ حوصلہ ہوا، اور جب خود معتمد یعقوب کے مقابلہ کیلئے نکلا اس وقت سب سے زیادہ مسرت موالی کو ہوئی، ﴿فطابت النفس الموالی﴾ اور اس جنگ میں معتمد کی جانب سے سب سے زیادہ پیش پیش اور انتقامی جذبہ سے لبریز ایک عجمی افسر خشتج تھا۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۱۶، ۳۱۷) یہ واقعات اس کا ثبوت ہیں کہ حکومت کے مقابلہ میں یعقوب کے اٹھنے کا سبب موالی کی مخالفت تھی، جس کا ان کو پورا اندازہ تھا، جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے، جب اس نے فارس پر فوج کشی کی تو یہاں کے والی علی بن حسین کے متعلق احمد بن حاکم سے پوچھا کہ علی بن حسین مسلمان بھی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں مسلمان ہے، یعقوب نے کہا کیا کوئی مسلمان کافر کردوں کو مسلمانوں کے ملک پر اس لئے بھیج سکتا ہے کہ وہ انہیں قتل کریں، ان کی عورتوں کو قیدی بنائیں، ان کے مال پر قبضہ کریں، احمد بن لیث کردی نے کرمان میں سات سو آدمی قتل کئے اور دو سو شریف گھرانوں کی عورتوں کو بے عزت کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۱۴)

یہ واقعہ بھی یعقوب کی عربی اسپرٹ کا ثبوت ہے، معلوم نہیں اس میں احمد بن لیث کردی کی کس فوج کشی کی طرف اشارہ ہے، لیکن یہ چیز قابل غور ہے کہ اس نے احمد بن لیث کردی کو کافر سے تعبیر کیا، جو محض اس کی عربیت کا نتیجہ ہے، ورنہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، احمد بن لیث کردی مسلمان تھا اور کسی مسلمان عجمی کو کوئی عجمی کافر نہیں کہہ سکتا۔ رنج کی حکومت بڑی وسیع اور طاقتور تھی، اس کافر ماز والوہیت کا مدعی اور اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا، اپنے یہاں پھاڑ پر ایک گھر بنا رکھا تھا، جس کا نام مکہ رکھا تھا، یعقوب نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا اور رنج کے تمام باشندے اس کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۰۷) اس کے مخالفین بھی اس کے دینی جذبہ کے معترف تھے، چنانچہ جب اس نے شیراز پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو یہاں کے عمائد نے اس کو اس عزم سے باز رکھنے کیلئے اس کے پاس جو خط لکھا اس میں اس کی دین داری ہی کو سفارشی بنایا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے تم کو

تطوع، دین داری اور خوارج سے جنگ اور ان کے استیصال کی جو توفیق عطا فرمائی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی خونریزی میں احتیاط برتو۔“ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۱۴)

یہ اور اس قبیل کے اور واقعات یعقوب کو دینداری کا ثبوت ہیں۔

تیسرا ثبوت علویوں سے اس کی مخالفت ہے جو کسی عجمی کی جانب سے تصور میں نہیں آسکتی، طبرستان کے علویوں سے اس کے بڑے بڑے معرکے ہوئے اور حسن بن زید علوی کو اس نے بڑی فاش شکست دے دی (۱) دولت عباسیہ کے عجمی حکام تو علویوں کے مقابلہ پر مجبور تھے، لیکن کبھی کسی آزاد عجمی نے اس کی جرأت نہ کی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یعقوب نے گوجاریوں سے بڑے پرزور مقابلے کئے، لیکن ابتداء میں وہ خود بھی اس جماعت سے تعلق رکھتا تھا، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عقیدۂ خارجی تھا، لیکن خارجیوں کی جماعت میں وہ ضرور شامل تھا، چنانچہ ابن خلکان نے تو اس کے نام کے ساتھ خارجی لکھا تھا۔ (۲) اور کسی عجمی کا خارجی ہونا مشکل سے خیال میں آسکتا ہے، چوتھا خود صفاری حکومت کے قیام کی نوعیت ہے، عباسیوں کے زمانہ میں ان سے آزاد ہو کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں ان کی دو ہی قسمیں ہیں، ایک وہ جو ابتداء میں عباسی حکومت کے ماتحت امارتیں تھیں پھر جتنا عباسیوں پر زوال آتا گیا، یہ امارتیں آزاد ہوتی گئیں، عجم کی تمام حکومتیں اس طرح وجود میں آئیں لیکن اس کے خلاف ابتداء سے ان میں آزادی کی کوئی مثال نہیں ملتی، دوسری جو ابتداء ہی سے حریفانہ قائم ہوئیں لیکن اس قسم کی حکومتیں صرف علویوں کی تھیں اور صفاری حکومت ان دونوں سے مختلف ہے، صفاریوں کو نہ ابتداء میں دولت عباسیہ سے علاقہ رہا ہے اور نہ ایک عرصہ تک انہوں نے عباسیوں کی مخالفت کی، بلکہ یعقوب ہمیشہ اپنے کو خلیفہ کا مطیع ظاہر کرتا رہا، گو بعد میں چل کر جب عباسی عمال اس کے مقاصد میں حائل ہوئے تو یعقوب کو حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا، لیکن ابتداء میں عرصہ تک وہ خلیفہ کا مطیع رہا۔

(۱) مروج الذهب مسعودی جلد ۷ ص ۵۱ (۲) ابن خلکان جلد اول ص ۳۱۲

اس حکومت کا بانی یعقوب بن لیث اور اس کا بھائی عمرو بختنان کے باشندے اور ٹھہرے کا پیشہ کرتے تھے، یعقوب زہدانہ زندگی بسر کرتا تھا، گو یہ معمولی طبقہ سے تعلق رکھتا تھا مگر آدمی بڑا بہادر، حوصلہ مند اور عالی دماغ تھا، اس زمانہ میں بختنان میں خارجیوں کا بڑا زور تھا، ان کے مقابلہ میں ایک عرب زہد صالح بن نصر کنانی نے بڑا نام پیدا کیا تھا، یعقوب اور اس کا بھائی دونوں حصول مقصد کیلئے اس کے ساتھ ہو گئے، اور یعقوب نے اپنی کارگزاری اور قابلیت سے صالح کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا تھا، چند دنوں کے بعد صالح کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یعقوب کی صلاحیتوں کو دیکھ کر صالح اپنی زندگی ہی میں اس کو اپنا جانشین بنا گیا تھا، اس لئے اس کے بعد یعقوب نے اس کی جگہ لی، دوسری روایت یہ ہے کہ صالح کے بعد درہم بن حسین اس کا جانشین ہوا، لیکن چھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے اسے پکڑ کے بغداد بھیج دیا، اس کے بعد یعقوب نے جگہ لی۔

یعقوب بڑا عالی دماغ تھا اور اس میں بڑی انتظامی قابلیت تھی، چنانچہ صالح کے بعد اس نے اپنے حسن انتظام اور حسن عمل سے اپنی جماعت میں بڑا اثر پیدا کر لیا، اور چند دنوں میں اس کی مدد سے اس نے بختنان سے خارجیوں کو ختم کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی، اس کا اصل مقصد اہل عجم کی قوت اور ان کے غلبہ و اقتدار کو توڑنا تھا، اس لئے بختنان پر قبضہ کے بعد وہ اپنے کو خلیفہ کا مطیع ظاہر کرتا رہا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت شروع کر دی اور سب سے پہلے خراسان کی طرف جو طاہریوں کے ماتحت تھا، قدم بڑھایا، اور ہرات کا رخ کیا، یہاں کے طاہری حکام محمد بن ادیس نے مقابلہ کیا، یعقوب نے اسے شکست دے کر ہرات اور بوشنج پر قبضہ کر لیا اور اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود امیر خراسان اور اس پاس کے دوسرے امراء اس سے ڈرنے لگے۔

کرممان پر قبضہ: ہرات پر قبضہ کے تھوڑے دنوں بعد یعقوب نے ۲۵ھ میں کرممان پر بھی قبضہ کر لیا، کرممان طاہری حکومت کے ماتحت تھا، ہرات اور بوشنج پر یعقوب کے قبضہ کے بعد فارس کے حاکم علی بن حسین بن شبل نے معترضہ درخواست کی کہ طاہریہ کی قوت کمزور پڑ چکی ہے وہ خراسان کے علاقہ کو بھی نہیں سنبھال سکتے، بختیان پر یعقوب قابض ہو چکا ہے، اس لئے کرممان میرے متعلق کر دیا جائے علی بن حسین گو بظاہر بارگاہ خلافت کا مطیع تھا، لیکن وہ بھی فارس پر غاصبانہ قابض ہوا تھا، یعقوب کے اظہار اطاعت پر بھی معترض کو اعتماد نہ تھا، اس لئے ان دونوں کے آپس میں ٹکرانے کیلئے اس نے ایک طرف علی بن حسین کی درخواست قبول کر لی دوسری طرف یعقوب کو علیحدہ کرممان کی حکومت کا پروانہ دے دیا۔ چنانچہ علی بن حسین نے اپنی جانب سے طوق بن مسلم کو کرممان بھیجا، یعقوب خود روانہ ہو گیا، اور کرممان سے باہر تھوڑی مسافت پر ٹھہر گیا اور چند دنوں کے بعد طوق کو دھوکے میں مبتلا کرنے کیلئے لوٹ گیا، طوق کو اس کی واپسی کی خبر ہوئی تو وہ مطمئن ہو کر عیش و طرب میں مشغول ہو گیا، یعقوب برابر اس کی خبر لیتا رہا، اسے غافل پا کر فوراً کرممان واپس گیا، طوق کی فوج بھی یعقوب کی آمد سے غافل تھی اس لئے وہ مقابلہ نہ کر سکی اور طوق کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی، اور یعقوب نے اس کو گرفتار کر کے کرممان پر قبضہ کر لیا۔

فارس پر قبضہ: یعقوب تمام عباسی عمال کے خلاف اٹھا تھا اور علی بن حسین والی فارس سے اس کو خاص طور پر خاش تھی اور کرممان کے بعد فارس ہی کا نمبر تھا، اس لئے علی بن حسین کو یقین تھا کہ کرممان کے بعد اس کی جانب رخ کرے گا، چنانچہ اس نے پہلے ہی شیراز کے باہر ایک درہ کے دہانے پر جس کے ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب نہر تھی اور درمیان میں ایک آدمی کے گزرنے کا راستہ تھا، اپنی فوج لا کر ٹھہرا دی، تاکہ یعقوب کسی سمت سے اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ علی بن حسین کا خیال صحیح نکلا، یعقوب کرممان سے سیدھا شیراز پہنچا اور درہ سے ایک میل کے فاصلہ پر مقیم ہوا، اور علی بن حسین

کی فروگاہ کے نقشہ اور اس کی حالت پر غور کر کے فوج نہر میں اتار دی اور دلیری کے ساتھ اس کو عبور کر کے پار پہنچ گیا، اس کی یہ دلیرانہ جرأت دیکھ کر علی اور اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ شیراز کی طرف بھاگی، لیکن راستہ بہت تنگ تھا، دوسری طرف یعقوب کی فوج تھی، اس لئے بھاگنے میں بڑی کشمکش ہوئی، اور کشمکش میں علی گھوڑے سے گر پڑا، اور یعقوب کی فوج نے اس کو بڑھ کر گرفتار کر لیا اور اس کی فوج کا کل سامان یعقوب کے قبضہ میں آ گیا، اور اس نے بڑھ کر شیراز پر قبضہ کر لیا، بعض روایتوں میں اس واقعہ کی یہ صورت بھی ہے کہ علی بن حسین نے شکست کھائی اور زخمی ہو کر گرفتار ہوا، پایہ تخت شیراز پر قبضہ کے بعد پورافارس زیر نگیں ہو گیا علی بن حسین نے رعایا کو لوٹ لوٹ کر دولت جمع کی تھی، یعقوب نے اسے تکلیفیں دے کر یہ ساری دولت نکلوائی، فارس پر قبضہ کے بعد یعقوب نے خلیفہ کے پاس تحریری اطاعت نامہ اور بہت سے قیمتی ہدیے بھیجے، اس کے بعد یعقوب بختان لوٹ گیا، اور معتز نے فارس میں پھر اپنے عمال مقرر کر دیے۔

احمد بن طولون: ۲۵۴ھ میں مصر میں دولت طولونیہ کی بنیاد پڑی، اس کا بانی احمد بن طولون (۱) ان غلاموں کی ایک روشن مثال ہے، جنہیں خلفائے عباسیہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت نے غلامی سے تخت فرمانروائی تک پہنچایا، احمد کا باپ طولون ایک ترک غلام تھا۔ ۲۰۰ھ میں بخارا کے ایک عامل نوح بن اسد سامانی نے اسے مامون کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ ۲۲۰ھ میں سامرا میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے احمد رکھا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ احمد طولون کا صلیبی لڑکا نہ تھا، بلکہ اس نے اس کو متبھی کیا تھا۔ (ابن خلکان جلد ۱، ص ۵۵) احمد کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی، علم حدیث سے اس کو بڑا شغف تھا، طرطوس کے محدثین سے سماع حدیث کے لئے کئی مرتبہ وہاں کا سفر کیا وہ فطرۃً صالح و سعید بھی تھا۔ صلحاء و اخبار کی صحبت بہت مرغوب تھی، ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوا، اور اپنے فضائل و

کمالات کی وجہ سے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی، ترکوں کی جماعت میں اس سے زیادہ معزز و ممتاز دوسرا امیر نہ تھا، اس کو بارگاہ خلافت میں اتنا اعتماد اور رسوخ حاصل تھا کہ پوشیدہ امور بھی اس سے نہ چھپائے جاتے تھے۔ (خطط مقررہ جلد ۲، ص ۱۰۴)

اس میں دینی اور دنیاوی تمام اوصاف جمع تھے، ابن خلکان کا بیان ہے کہ احمد میں عدل پروری، فیاضی، شجاعت و بہادری، حسن سیرت، فراست تمام اوصاف جمع تھے وہ جملہ فرائض بذات خود انجام دیتا تھا، رعایا کے حالات معلوم کرتا تھا، شہروں کو بساتا تھا، اہل علم کو بہت دوست رکھتا تھا، اس کا دسترخوان عوام و خواص ہر شخص کیلئے وسیع تھا ایک ہزار دینار روزانہ خیرات کرتا تھا۔ (خطط مقررہ جلد ۲، ص ۱۰۴، ۱۰۵) جب احمد سنہ رشید کو پہنچا، تو عباسی وزیر عبید اللہ بن یحییٰ سے درخواست کر کے اپنا تباذلہ طرطوس کرایا، چند دنوں کے بعد اپنی ماں سے ملنے کے لئے سرمن رائی واپس ہوا، قافلہ میں ایک شاہی خادم مستعین کی چند فرمائشیں جنہیں اس نے روم سے بنوا کر منگوایا تھا، دارالخلافہ لئے جارہا تھا، اتفاق سے راستہ میں اعراب نے قافلہ والوں کا سامان لوٹ لیا، احمد بن طولون تنہا ان پرٹوٹ پڑا اور لوٹا ہوا کل مال ان سے چھین لیا، اس میں مستعین کی فرمائشیں بھی تھیں، اس کے اس کارنامہ کا تمام قافلہ خصوصاً شاہی خادم پر بڑا گہرا اثر پڑا، اس نے سرمن رائی پہنچ کر فرمائشیں مستعین کے حضور پیش کیں، مستعین نے اسے بہت پسند کیا خادم نے ڈاکہ زنی اور احمد کی بہادری کی پوری تفصیل سنائی، مستعین سن کر بہت خوش ہوا، اور احمد کو ایک ہزار دینار عطا کئے اور حکم کیا کہ جب وہ آئے تو میرے سامنے پیش کیا جائے، اس تقریب سے مستعین نے اس کا تعارف ہوا، چند دنوں میں احمد نے اپنی صلاحیت اور کارگزاری سے مستعین کو اتنا متاثر کیا کہ اس پر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی، اور احمد کے عروج کا آغاز ہوا، اور اہم خدمات اس کے سپرد ہونے لگیں، معز ولی کے بعد جب مستعین واسطہ بھیجا گیا تو ترکوں نے اس کی نگرانی اور رفاقت کیلئے ابن

طولون کو ساتھ کر دیا۔ اس نے مستعین کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، اس کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہونے دی سیر و شکار کی بھی اجازت دی اور اپنی نگرانی کے زمانے میں اس نے مستعین کے ساتھ اس کے رتبہ کے خلاف کوئی بات نہیں کی، معتز کی ماں قبیحہ نے ایک مرتبہ ابن طولون کو لکھا کہ اگر وہ مستعین کو قتل کر دے تو اس کے صلہ میں واسطی کی حکومت عطا کی جائے گی، لیکن اس نے انکار کر دیا اور ترکوں کو لکھا کہ جس خلیفہ کی اطاعت و بیعت کا طوق میری گردن میں ایک مرتبہ پڑ چکا ہے۔ اس کو میں قتل نہیں کر سکتا، ان حالات کی وجہ سے اس نے مستعین کے پاس رہنا مناست نہ سمجھا اور اپنی جگہ احمد بن محمد کو مقرر کر دیا۔ (کتاب الولاۃ کندی ص ۲۱۱، ۲۱۲)

مصر میں طولونویہ کا قیام: مستعین کے قتل کے بعد جب معتز کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو احمد بن طولون مصر کا حاکم مقرر ہوا، اس کی تفصیلات میں البتہ کسی قدر اختلاف ہے۔ کندی کا بیان ہے کہ ابن طولون سے پہلے مصر کا والی از جور ترکی تھا اور پولیس کا محکمہ بولغیا کے متعلق تھا، ۲۵۴ھ میں جب از جور حج کو چلا گیا، تو معتز نے ابن طولون کو مصر میں امامت کے منصب پر مامور کیا۔ (تشریح) لیکن کندی کے علاوہ ابن اثیر، ابن خلدون اور مقریزی وغیرہ کا بیان ہے کہ معتز کے عہد میں بابک یا بابکیال (ابن اثیر جلد ۷، ص ۶۱ و مقریزی جلد ۲، ص ۱۰۵) ترکی کو مصر کی حکومت ملی، مگر وہ دارالخلافہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے ابن طولون کو نائب بنا کر بھیج دیا، فوج بھی اس کے ساتھ کر دی اور رمضان ۲۵۴ھ میں ابن طولون نے مصر پہنچ کر اس کا رنگ اکھاڑ دیا، مہندی کے زمانہ میں اسکندریہ کی حکومت بھی اس کے متعلق ہو گئی، اس کی قوت و عظمت اور دبدبہ اور شکوہ میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس کے مزید حالات آئندہ آئیں گے۔

وصیف کا قتل: جیسا کہ اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے، دولت عباسیہ کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے اس کی مالی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی، خزانہ بالکل خالی تھا ملازمین

کوئی کئی مہینوں کی تنخواہیں نمل سکی تھیں، چنانچہ ۲۵۲ھ میں فوج کی چار مہینے کی تنخواہ جڑھ چکی تھی، ترکوں، فرغانیوں، اور اشروسینوں نے روپیہ کا مطالبہ کیا، لیکن خزانہ خالی تھا، بغا، وصیف اور سیما تر کی نے اس سے اس بارے میں گفتگو کی، وصیف نے کہا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، اس جواب پر فوج بگڑ گئی، لیکن بغا نے وقتی طور پر یہ کہہ کر سنبھال لیا کہ اس بارہ میں امیر المومنین سے گفتگو کروں گا اور وہ معتزس استصواب کیلئے سامرا چلا گیا، وصیف کے جواب سے فوج بگڑی ہوئی تھی، بغا کے سامرا جانے کے بعد اس نے وصیف کو قتل کر دیا اور وصیف کے قتل کے بعد اس کا عہدہ بغا کی طرف منتقل ہو گیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۲۱۴ طبری جلد ۲ ص ۱۶۸، ۱۶۸۸)

معتز اور بغا میں کشیدگی اور بغا کا قتل: بغا اور معتز کے تعلقات پہلے سے کشیدہ تھے، وصیف کے قتل سے یہ کشیدگی اور بڑھ گئی اور بغا کی جانب سے اس کو اپنے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا اس لئے اس نے بغا کی قوت توڑنے اور اس کے مقابلہ میں تقویت حاصل کرنے کیلئے اس کے حریف ترک کی امیر باکباک کو بڑھانا شروع کر دیا، (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۹۳)

یہ چیز بغا کو کھٹکی، لیکن بغا اس وقت مستقر خلافت سمرن رانی میں تھا جہاں وہ معتز کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا، اس لئے معتز کو بغداد لے جانے کیلئے زور ڈالا، مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔

اتفاق سے اسی دوران میں بغا اپنی لڑکی کی شادی میں مصروف ہو گیا اور معتز موقعہ پا کر باکباک کے پاس کرخ سامرا چلا گیا، پھر یہاں سے جوہق میں منتقل ہو کر بغا کی گرفت سے آزاد ہو گیا، اس کو اس کی خبر ہوئی تو بہت ہیچ و تاب کھایا، اور معتز پر حملہ کرنے کے منصوبے کرنے لگا، مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی، اس لئے وہ خفیہ بغداد نکل گیا، رات کے وقت وہاں پہنچا، پل کے پہرہ داروں کو شک ہوا انہوں نے گرفتار کر لیا، بغا نے انہیں بہت لالچ دیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور معتز کو اطلاع کر دی اس نے

اسے قتل کرادیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۰، ۶۱)

وزارت: معتز کا پہلا وزیر ابو الفضل جعفر بن محمود اسکانی تھا، یہ علم و ادب سے بیگانہ تھا، لیکن جو دو کرم سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رکھا تھا، ترکوں کی ایک جماعت اس کے موافق تھی اور ایک مخالف، ایک فساد کے سلسلے میں معزول کیا گیا، دوسرا وزیر عیسیٰ بن فرمان شاہ تھا، اس میں بھی کوئی خاص وصف نہ تھا، لیکن فیاضی اور سیر چشمی اس میں بھی تھی۔ تیسرا وزیر ابو جعفر ابو احمد بن اسرائیل انباری تھا۔ یہ بڑا ذہین اور بڑا ماہر کاتب تھا، اس کی قوت حافظہ اتنی زبردست تھی کہ دولت عباسیہ کے مداخل و مخارج کا پورا حساب اپنے دماغ میں محفوظ رکھتا تھا، ایک مرتبہ دفتر سے حساب کا ایک کاغذ ضائع ہو گیا، اس نے اپنی یادداشت سے مکمل کر دیا، اتفاق سے پھر گمشدہ کاغذ مل گیا تو اس میں اسکی زبانی یادداشت میں ہر موافق نہ اکا، ترکوں کو اس سے مخالفت ہو گئی، انہوں نے اس کو پکڑ کر مارا، اور اس کا مال ضبط کر لیا، معتز اور اس کی ماں نے صالح بن وصیف ترکی سے اس کی بہت سفارش کی، مگر ترکوں نے نہ سنی اور اس کو قید کر دیا اور مہندی کے زمانہ میں قید میں ہی مار ڈالا گیا۔ احمد بن اسرائیل کے بعد پھر دوبارہ جعفر بن محمود اسکانی وزیر ہوا اور آخر تک رہا۔ (الفخری ص ۲۲۲، ۲۲۱)

ترکوں کی بغاوت اور معتز کی معزولی: ۲۵۵ھ میں تغواہ کیلئے پھر فوج میں شورش پیدا ہوئی، ابن وصیف نے معتز سے کہا کہ خزانہ کا کل روپیہ وزراء اور کتاب لے گئے اور خزانہ بالکل خالی ہے، وزیر احمد بن اسرائیل نے اس کا نہایت سخت جواب دیا، اس پر دونوں میں جنگ ہو گئی، صالح نے احمد بن اسرائیل اور اس کے ساتھ حسن بن مخلد اور نوح بن ابراہیم کو جن کا تعلق شعبہ مال سے تھا، گرفتار کر کے قید کر دیا، معتز نے احمد بن اسرائیل کی رہائی کیلئے سفارش کی۔ لیکن صالح نے شنوائی نہ کی۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۹۶، ۲۹۷)

ترکوں نے جب دیکھا کہ پوری تغواہ نہیں مل سکتی تو انہوں نے کہا اگر اس وقت

ان کو پچاس ہزار دینار بھی دے دیئے جائیں تو وہ اس پر قناعت کر لیں گے، لیکن معتر کے پاس ایک حبہ نہ تھا، اس لئے وہ اتنا مطالبہ بھی پورا نہ کر سکا، فوج بغا کے قتل سے پہلے سے برہم تھی اس لئے تنخواہ نہ ملنے پر قصر سلطانی پر حملہ کر دیا اور معتر کو محل سے باہر بلا بھیجا، اس نے کہا دیا کہ اس وقت میں نے دوا پی ہے اس لئے باہر نہیں آ سکتا، اگر کوئی ضروری کام ہو تو تم میں سے کوئی آدمی خود اندر چلا آئے، یہ سن کر سب کے سب محل میں گھس گئے اور معتر کو پکڑ کر اس کو پیٹتے ہوئے باہر گھسیٹ لائے اور اتنا مارا کہ اس کی قمیض کے پرزے اڑ گئے اور پتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں کھڑا کر دیا، وہ تپش سے ایک پاؤں رکھتا تھا، اور وحشی ترک برابر طمانچے مارے جاتے تھے، خلیفہ وقت کو اس طرح ذلیل و رسوا کرنے کے بعد قاضی ابو الشوارب اور گواہوں کے رو برو اسے معزول کر کے ایک سنگ دل ترک کے حوالہ کر دیا، اس نے سزا کا سلسلہ جاری رکھا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ (ابوالفداء جلد ۲ ص ۴۲) معتر کی ماں قبیحہ بڑی دولت مند تھی، اس کے پاس بے شمار دولت تھی اگر وہ چاہتی تو رو پیہ دے کر معتر کی جان بچا سکتی تھی لیکن وہ دولت کی بڑی حریص تھی، اس لئے معتر کی گرفتاری کے وقت روپوش ہو گئی، اس کے انجام کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

دست برداری: معتر کو معزول کرنے کے بعد باغی ترک محمد بن واثق کو جسے معتر نے بغداد میں نظر بند کر رکھا تھا، نکال کر سامرا لائے اس کے آنے کے بعد معتر جان و مال کی امان لے کر رجب ۲۵۵ھ میں باقاعدہ دست بردار ہو گیا اور ترکوں نے محمد بن واثق کو خلیفہ بنایا، معتر کی مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے چند دن تھی۔

صفات معتر: معتر نہایت فصیح و بلیغ اور زبان آور خطیب تھا، ابن اثیر نے اس کی ایک تقریر نقل کی ہے، جو فصاحت و بلاغت اور زور بیان کا اچھا نمونہ ہے، مزاج میں امارت اور نفاست کی شان زیادہ تھی، پہلے خلفاء کے ساز میں چاندی کا تھوڑا سا کام ہوتا تھا، لیکن معتر کی سواری کا ساز خالص طلائی ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص

(۳۶۷) بیعت خلافت کی تاریخ سے لے کر دست برداری تک ایک دن بھی اسے ترکوں کی ذات سے چین و سکون میسر نہ ہوا جب تک بغا زندہ رہا، معتز کا خواب و خور حرام تھا، بغا کے خوف سے نہ وہ بیٹھی نیند سوتا تھا اور نہ شبانہ روز میں کسی وقت ہتھیار اتارتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک میرا بغا کا سر نہ چلا جائے اس وقت تک اسی حالت میں رہوں گا، اس پر بغا کا خوف اتنا غالب تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ بغا مجھ پر آسمان سے نازل نہ ہو جائے، یا زمین پھاڑ کر میرے سامنے نہ نکل آئے۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۳۹۷) اس کا پورا زمانہ شورش اور انقلابات میں گزرا اور حکومت کی طرف توجہ کرنے کی مطلق فرصت نہ ملی۔

حلیہ: صورت نہایت حسین و جمیل تھا۔

ابو عبد اللہ بن محمد بن واثق المقلب بہ مہندی باللہ

(۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۸۷۰ء)

معتز کو معزول کرنے کے بعد ترکوں نے واثق کے لڑکے مہندی کے سامنے تاج و تخت پیش کیا، اس نے کہا جب تک وہ معتز سے مل کر اس سے گفتگو نہ کر لے گا، اس وقت تک وہ خلافت نہ قبول کرے گا، اس لئے ترکوں نے معتز کو لا کر حاضر کیا، اس وقت اس کے بدن پر ایک میلا کرتا اور سر پر ایک رومال تھا، اس حال میں دیکھ کر مہندی دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گیا اور پوچھا بھائی کیا حال ہے؟ معتز نے جواب دیا کہ اب مجھ میں یہ بار اٹھانے کی طاقت اور اہلیت نہیں ہے۔ مہندی نے اس کے اور ترکوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن معتز نے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ مجھ کو اسی کی ضرورت ہے اور نہ ترک اس پر آمادہ ہوں گے۔ مہندی نے کہا پھر مجھے اپنی بیعت فسخ کرنے کی اجازت دیجئے۔ معتز نے اجازت دے دی، اجازت لینے کے بعد مہندی نے خلافت قبول کر لی اور رجب ۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوا اور معتز پھر قید خانہ میں واپس کر یا گیا۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۹۹) ترکوں کو معتز سے اتنی شدید عداوت

تھی کہ تین دن کے بعد اس کو ایک تہہ خانہ میں چنوا دیا اور وہ غریب اسی میں گھٹ کر مر گیا۔

بغداد میں مخالفت: سامرا میں بیعت کے بعد مہندی نے بغداد کے پولیس افسر سلیمان بن عبداللہ کے پاس اہل بغداد سے اپنی بیعت لئے جانے کا حکم بھیجا، اس نے سب سے پہلے شاہی خاندان کے ایک رکن امیر ابو احمد کو جن کی طرف سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ بلا کر اپنے پاس روک لیا۔ سامرا میں اتنا بڑا انقلاب ہو گیا تھا، لیکن اہل بغداد کو اس کی خبر نہ تھی، مگر اس سے پہلے وہ شورش و ہنگاموں سے واقف تھے، اس لئے ابو احمد کی طلبی پر انہیں شبہ ہوا، اور انہوں نے سلیمان کے مکان پر ہجوم کر دیا، اس نے یہ کہہ کر انہیں اطمینان دلایا کہ سامرا کی کوئی خبر یہاں نہیں آئی ہے۔ جس سے معتز کے حالات معلوم ہو سکیں، اس لئے بغدادی لوٹ گئے، اس ک دوسرے دن جمعہ کو پھر جمع ہوئے، لیکن خطبہ میں معتز کا نام سن کر پھر لوٹ گئے، مگر ان کے دل میں شبہ تھا، اس لئے تیسرے دن پھر سلیمان کے گھر پر حملہ کر دیا اور اس سے ابو احمد کے دکھانے کا مطالبہ کیا اس نے دکھا دیا اور اس کی حفاظت کا پورا اطمینان دلا کر واپس کر دیا۔

بغدادی فوج بھی روپیہ کی خواہاں تھی اس لئے امیر یار جوخ مہندی کی جانب سے بیس ہزار اشرفیاں لے کر اسے دینے کے لئے آیا، اہل بغداد کو اس کی خبر ملی تو وہ اس پر حملہ کرنے کیلئے نکلے لیکن یار جوخ بردان چلا گیا اور دار الحکومت سے مزید روپیہ منگوا کر بغدادیوں میں بھی تقسیم کیا، اس سے یہ لوگ ٹھنڈے پڑ گئے اور شعبان ۲۵۵ھ میں بغداد میں بھی مہندی کی بیعت ہو گئی اس ہنگامہ میں سلیمان کے گھر کی مدافعت میں کچھ لوگ مارے گئے، کچھ دجلہ میں ڈوبے اور کچھ زخمی ہوئے، مگر زیادہ کشت و خون کی نوبت نہ آئی اور ایک اٹھتا ہوا فتنہ روپیہ کے زور سے دب گیا۔ (طبری جلد ۲ ص ۱۴۷ ا)

(۱۷۱۵)

قبیحہ کسی جلا وطنی: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معتز کی گرفتاری کے بعد

اس کی ماں اپنی دولت بچانے کیلئے روپوش ہو گئی تھی، اس کی دولت و ثروت کا عام شہرہ تھا، اس لئے معزز کے قتل کے بعد اس کی تلاش شروع ہوئی، لیکن پتہ نہ چل سکا، مگر زیادہ دنوں تک وہ چھپی نہ رہ سکتی تھی، اگر وہ تلاش کر کے نکالی جاتی تو اس کے ساتھ اور برا سلوک کیا جاتا، اس لئے وہ خود نکل آئی اور کل دولت صالح بن وصیف کے حوالہ کر دی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ پہلے پانچ لاکھ دینار سرخ بھیجے اس کے بعد اصل خزانہ کا جس میں اٹھارہ لاکھ اشرفیاں تھیں پتہ چلا، نقد کے علاوہ بیش قیمت جواہرات تھے، ان میں ایک زمرہ اتنا بڑا تھا کہ اس زمانہ میں اس قدر کا دوسرا زمرہ نہ تھا، ایک صندوقچہ میں بڑے بڑے موتی تھے، اس کے علاوہ یاقوت اور اور دوسرے مختلف جواہرات تھے، جس وقت صالح کے پاس یہ دولت پہنچی تو اس نے کہا ”اس بڑھیا کے پاس اتنی دولت موجود تھی اور صرف پچاس ہزار دینار کیلئے اس نے اپنے لڑکے کی جان لی“۔ اور کل دولت پر قبضہ کر کے اس کو جلا وطن کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۵)

مہندی کے مبارک ارادے : مہندی بڑا عاقل مدبر عاقبت اندیش عدل پرور اور عابد و زاہد خلیفہ تھا، اس نے چاہا کہ ترکوں کے اقتدار اور گزشتہ انقلابات کی وجہ سے حکومت کے نظام میں جو ابتری پیدا ہو گئی تھی، اسے دور کر کے دوبارہ اس کی شان و شوکت قائم کر دے، لیکن حکومت میں خود غرض امراء کا مجمع تھا، انہیں ذاتی مفاد کے سوا حکومت کی فلاح و بہبود سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اس لئے اس کی تمام کوششیں رایگاں گئیں اور اسکو سلطنت اور جان و دنوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔

مساور خارجی : معزز کے حالات میں مساور خارجی کی کامیابی اور اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا حال گزر چکا ہے۔ معزز کے دور کے انقلابات کی وجہ سے حکومت کو اس کی جانب توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا، اس لئے اس کی قوت اور بڑھ گئی اور ۲۵۵ھ میں وہ موصل کی طرف بڑھا، یہاں کے عامل عبداللہ بن سلیمان میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اور اہل موصل بھی عبداللہ کے خلاف تھے، اس لئے وہ روپوش ہو گیا اور

مساور بغیر جنگ وجدال کے موصل میں داخل ہو گیا، نہ اہل موصل نے کوئی مزاحمت کی نہ اس نے کسی کو چھیڑا، البتہ عبداللہ بن سلیمان کا گھر لوٹ کر جلا دیا گیا، موصل پر قبضہ کرنے کے بعد وہ حدیثہ چلا گیا، اسی زمانہ میں مساور اور اس کی جماعت کے ایک ممتاز آدمی عبیدہ کے درمیان ایک مذہبی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ عبیدہ اپنی جماعت الگ بنا کر مساور کے مقابلہ میں آ گیا لیکن مارا گیا، موصل پر قبضہ کے بعد مساور نے عراق کی آمدنی دارا لخلافہ جانے سے روک دی تھی، اور حکومت کو فوج کی تنخواہ دینے میں دشواری پیش آرہی تھی، اس لئے ترکوں کو مساور کی طرف متوجہ ہونا پڑا، چنانچہ موسیٰ بن بغا، باکیال اور دوسرے فوجی افسر اس کے مقابلہ کے لئے نکلے، لیکن پھر لوٹ گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۴ سے ۷۴، ابن اثیر نے عبیدہ اور مساور کی جنگ ۲۵ھ میں لکھی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔)

صاحب الزنج کا خروج: مہمدی کے زمانہ میں سب سے بڑی اور انقلاب انگیز شورش زنجیوں نے کی جس سے سارے عراق میں ایک قیامت برپا ہو گئی، ایک شخص علی بن عبد الرحیم حبشی غلاموں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسلمانوں پر اتنے مظالم ڈھائے کہ ساری دنیائے اسلام چیخ اٹھی، یہ قبیلہ بنی عبد قیس کا معمولی آدمی تھا، اور ابتداء میں منصر کے درباریوں کی مصاحبت کیا کرتا تھا، دولت عباسیہ کی کمزوری اور اندرونی انقلابات کو دیکھ کر اسے قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا، اس زمانہ میں سب سے چلتا ہوا جادو علوی دعوت کا تھا۔ بحرین شیعہ ان علی کا مرکز تھا، اس لئے علی بن عبد الرحیم بحرین پہنچا اور اپنے کو علوی مشہور کر کے علی بن محمد احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب کے لباس میں ظاہر کیا، (ابو الفداء جلد ۲ ص ۴۶) لطف یہ ہے کہ دعویٰ تو علویت کا تھا اور عقائد خارجیوں کے تھے۔ (مسعودی جلد ۸ ص ۳۱) کبھی عباسیت کا بھی مدعی بن جاتا تھا، اس زمانہ میں غلام زیادہ تر حبشی ہوا کرتے تھے اور ان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تھی، علی نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کیلئے اعلان کر دیا کہ جو غلام

اپنے آقا کو چھوڑ کر اس کے پاس چلا آئیگا وہ آزاد ہے اس تدبیر سے ہزاروں حبشی غلام اس کے ساتھ ہو گئے ان کی نسبت سے وہ ”صاحب الزنج“ کہلانے لگا۔ اس کی قوت دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور وہ عباسی حکومت کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور عراق بھر میں تاخت و تاراج شروع کر دی، خصوصاً بحرین، بصرہ، ابلہ اور کربلا میں حبشیوں نے آفت پیا کر دی، بصرہ پر ان کا عارضی قبضہ بھی ہو گیا تھا، صاحب الزنج جس طرف رخ کر دیتا تھا کسی کو اس کے مقابلے میں ٹکنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، چنانچہ وہ ہمیشہ حکومت کی فوجوں پر فوجیں جاتی تھی مگر ناکام رہتی تھیں، اس لئے کامل ۱۴، ۱۵ سال تک صاحب الزنج آفت پیا کئے رہا، معتمد کے عہد ۷۷۲ھ میں بڑی دشواریوں کے بعد قتل کیا گیا اور اس کی شورش کا خاتمہ ہوا، اس کی تفصیل معتمد کے عہد کے حالات میں آئے گی۔

طبرستان میں موسیٰ کی واپسی: معزز کے آخری زمانہ میں امیر بغا کا لڑکا موسیٰ رے میں تھا اور معزز کے حکم سے امیر منفلج، حسن زید بن علوی کے مقابلہ میں مشغول تھا، جب دارالخلافت میں انقلاب میں آٹا رنمودار ہوئے تو معزز کی ماں نے موسیٰ کو بلا بھیجا، لیکن اس کی واپسی سے پہلے ہی معزز کی معزولی اور مہندی کی خلافت کے تمام مراحل ختم ہو گئے تھے اور موسیٰ کی فوج کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ امیر صالح ابن وصیف نے کاتبوں سے بہت بڑی رقم وصول کی ہے، اس لئے انہیں حسد ہوا اور انہوں نے موسیٰ کو جلد سامرا پہنچنے پر مجبور کیا، چنانچہ وہ طبرستان سے سامرا روانہ ہو گیا، صالح کو اس کی خبر ہوئی تو اسے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے مہندی کو یقین دلایا، کہ موسیٰ کی واپسی میں بڑے خطرات ہیں، اس لئے مہندی نے موسیٰ کو راستہ ہی سے اس کے مستقر پر واپس جانے کا حکم دیا، لیکن موالی کے اصرار کے وجہ سے وہ نہ رکا، مہندی نے دوبارہ ہاشمیوں کو بھیجا، انہوں نے جا کر موسیٰ کو سمجھایا کہ دارالخلافت میں مزید فوج کا خرچ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے طبرستان چھوڑنے سے وہاں علویوں کے قبضہ کا اندیشہ ہے

اس لئے لوٹ جاؤ، اس کے سمجھانے پر موالی اس پر لوٹ پڑے، ان کی ضد دیکھ کر موسیٰ نے سفر جاری رکھا اور مہندی کو معذرت لکھ کر بھیجی کہ موالی کسی طرح واپسی پر رضامند نہیں ہیں، اگر میں اپنے مستقر پر واپس جانے کا ارادہ کروں تو وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے خود آپ کے آدمی ان کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۷)

جوسق سامرا میں موسیٰ کا داخلہ اور مہندی کا اخراج: محرم ۲۵۶ھ میں موسیٰ مع فوج کے سامرا میں داخل ہوا یہ دن داری کا تھا، مہندی جوسق میں رعایا کی شکایتیں سن رہا تھا، یہیں اس کو موسیٰ کی آمد کی اطلاع ملی، اس نے اس کو محل ہی میں بلالیا، موسیٰ مع خدم و حشم کے جوسق میں داخل ہوا، اور واپسی کے مسئلہ دونوں میں گفتگو ہوتی رہی، موالی کو یہ خیال ہوا کہ مہندی عمداً گفتگو اس لئے طول دے رہا ہے کہ اس درمیان میں وصیف فوج لے کر آجائے، اور ہم لوگ مجبور ہو جائیں، اس لئے انہوں نے مہندی کو جوسق سے امیر یا جور کے گھر میں منتقل کر دیا اور جوسق کا سامان لوٹ لیا گیا، موالی کی شورش دیکھ کر مہندی نے موسیٰ سے کہا کہ تم لوگوں کی یہ جسارت، خدا کا خوف کرو، اس نے اطمینان دلایا کہ آپ مطمئن رہئے ہم جو کچھ کر رہے ہیں سب آپ کی بھلائی کیلئے کر رہے ہیں، ہماری جانب سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ صالح کو ان لوگوں پر دست درازی کا موقع نہ دے گا اور ان کے ساتھ ظاہر و باطن یکساں رکھے گا، اس عہد و پیاں کے بعد سب نے تجدید بیعت کی اور مہندی نے ملک کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے کر معزز کے خون بے گناہی کا انتقام لینے کیلئے صالح کو طلب کر لیا، وہ موالی کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے طبری جلد نمبر ۲ ص ۸۸، ۸۹، ۹۰)

ایک مشکوٰۃ خط اور مہندی کے عزل کا مشورہ: اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد امیر شربی نے ایک خط مہندی کے حضور میں پیش کیا، اور کہا اے ایک عورت دے کر غائب ہو گئی اور پھر اس کا پتہ نہ چلا، اس کی شان خط اور مضمون سے معلوم

رائے خراب ہے تو میں اس کے ساتھ کس طرح رہ سکتا ہوں، لیکن میں صلح کی رائے ضرور دوں گا، کیونکہ صلح تمہاری قوم کیلئے زیادہ مفید ہے، لیکن اگر اس کے بعد بھی تمہیں اپنے مطالبہ پر اصرار ہے تو تم اپنی رائے میں آزاد ہو خوشی سے اس کو تلاش کرو اور اپنی تشفی کیلئے اس کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو البتہ اس کا میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے صالح کا کوئی علم نہیں ہے، ترکوں نے قسم لینی چاہی، مہندی نے کہا مجھے قسم کھانے سے انکار نہیں ہے، لیکن کل جمعہ میں بنو ہاشم، قضاۃ، حکام اور عہدیداران کے سامنے قسم کھاؤں گا اس کے بعد اس نے با بکیال اور محمد بن بغا سے کہا کہ صالح نے کاتبوں اور معزز کی ماں کی جو دولت بھی لی ہے وہ تمہاری موجودگی میں لی ہے اور اگر اس نے لی ہے تو تم بھی اس سے بری نہیں ہو، اس گفتگو کے بعد ترک لوٹ گئے، لیکن با بکیال اور محمد بن بغا کے دل میں بھی مہندی کے ساتھ کدورت پیدا ہو گئی اور ان سب نے مل کر اس کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ (طبری جلد ۲ ص ۹۳ تا ۹۵ء)

مہندی کے عزل کا فیصلہ، عوام کا جوش اور اصطلاحات کا فیصلہ: لیکن اس کو عمل میں لانے کیلئے مختلف مشکلات تھیں سب سے بڑھ کر روپے کی قلت حائل تھی، اس لئے چند دنوں تک وہ لوگ خاموش رہے، اتفاق سے اسی دوران میں فارس کے خراج کی کئی لاکھ کی رقم آگئی، اس لئے ترکوں کو اپنا ارادہ پورا کرنے کا موقع مل گیا، عام رعایا کو اس کی خبر ہوئی تو ان میں بڑا جوش پیدا ہو گیا، اور انہوں نے مہندی کی حمایت و امداد کیلئے اشتہارات تقسیم کئے، دور اور کرخ کے موالی مہندی کی معزولی کے مسئلہ میں ترکی امراء کے مخالف تھے۔ انہوں نے اس کے بھائی عبداللہ کو بلا کر اپنی اطاعت کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم امیر المؤمنین کے لئے اپنا خون بہا دیں گے، لیکن ہماری بھی یہ شکایت ہے کہ فوجی مصارف کی جاگیریں اور زیادات و رسوم کی تمام آمدنیاں فوجی افسروں کے تصرف میں ہیں اور ہماری تنخواہیں تک دیر میں ملتی ہیں اور اس کو لکھ کر عبداللہ کے ذریعے مہندی کے پاس

بھیج دیا گیا۔

مطالبات کی منظوری: مہندی نے اپنے دست و قلم سے یہ جواب لکھا کہ ”مجھ کو تمہاری تحریر ملی تمہاری اطاعت شعاری سے مجھ کو مسرت ہوئی، خدا تم کو اس کی جزا دے تم نے اپنی جوشکایتیں پیش کی ہیں، ان سے مجھ کو پوری ہمدردی ہے، خدا کی قسم میں یہاں تک آمادہ ہوں کہ مجھ کو اور میری اولاد کو کھانے کیلئے صرف قوت لایموت اور پہننے کے لئے بقدر ستر پوشی کپڑا مل جایا کرے، لیکن تم لوگ مطمئن رہو، میرے پاس جتنا مال آتا ہے، وہ تم لوگوں کو معلوم ہے، جاگیروں کا معاملہ میں غور کروں گا اور ان کو تمہارے مصرف میں لانے کی کوشش کروں گا۔“ یہ تحریر پڑھ کر ان کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اس کا جواب میں حسب ذیل عرضداشت بھیجی کہ ”جملہ امور مملکت امیر المومنین کے سامنے پیش کئے جایا کریں اور اس میں کوئی شخص مزاحم نہ ہو اور فوج کے رسوم مستعین کے زمانہ کے مطابق کر دیئے جائیں اور وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتے ہیں، جو شخص اس بارے میں امیر المومنین سے مزاحمت کرے گا، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا اور اگر امیر المومنین کسر سے ایک بال بھی گرا تو بابل کیال، موسیٰ بن بغا اور یار جور سارے امراء قتل کر دیئے جائیں گے“

مہندی کے بھائی عبداللہ یہ تحریر لے کر ایسے وقت پہنچا جب مہندی عدالت کر رہا تھا، اور تمام ارکان دولت موجود تھے، جن میں موسیٰ بن بغا بھی موجود تھا، ان کے سامنے عبداللہ نے تحریر پڑھ کر سنائی، مہندی نے یہ تمام مطالبات منظور کر لئے اور اس کی تحریری منظوری لکھ کر عبداللہ کے حوالہ کر دی، اس نے بابل کیال، موسیٰ بن بغا اور محمد بن بغا سے کہا کہ ”تم لوگ فوج سے معذرت کیلئے اپنے نمائندے میرے ساتھ کر دو“ اس وقت فوج ان سب سے برہم اور مہندی کی حمایت میں تھی، اس لئے انہیں چارو ناچار اپنے نمائندے ساتھ کرنے پڑے، عبداللہ نے مہندی کی منظوری کا پروانہ لے جا کر فوج کے حوالے کر دیا اور اس سے کہا کہ فوجی افسروں کا قصد تم سے معذرت کے لئے میرے

ساتھ آئے ہیں ان کی جانب سے تم کو جو شکایت ہو اس کی یہ لوگ معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے ہم قوم اور ہمارے بھائی ہو۔“

اس کے بعد فوج نے چند مطالبے اور پیش کئے جن میں زیادہ اہم یہ تھے کہ فوجی جاگیریں فوجی افسروں کے ہاتھوں سے نکال کر فوجی مصارف میں صرف کی جائیں، فوج کا شعبہ مہندی کے بھائی یا کسی اور ایسے شخص کے ماتحت کر دیا جائے، جو موالی میں سے نہ ہو، صالح بن وصیف اور موسیٰ بن بغا کی دولت کا محاسبہ کیا جائے اور فوجی رسوم مستعین کے عہد کے مطابق کر دیئے جائیں۔ مہندی کے پاس دولت بھیجنے کے ساتھ ہی ترکی افسروں کو بھی اس کی اطلاع دے دی اور انہیں فہمائش کر دی کہ اگر انہوں نے ان مطالبات کی منظوری میں کوئی رکاوٹ پیدا کی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اور اگر امیر المومنین کو کاٹنا بھی چہا تو تمام افسروں کے سر قلم کر دیئے جائیں گے اور جب تک صالح برآمد نہ کیا جائے گا اور اس کے اور موسیٰ بن بغا کے مال کی تلاشی نہ لی جائے گی، اس وقت تک ان کو اطمینان نہ ہوگا۔

مہندی نے ان مطالبات کو بھی منظوری لکھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ بھجوا دی۔ موقع کی نزاکت کی وجہ سے موسیٰ بن بغا کو بھی تائید کرنی پڑی۔ اس نے وعدہ کیا کہ صالح برآمد کیا جائے گا اور اس کی جانب سے ان لوگوں کے خلاف منشا کسی بات کا ظہور نہ ہوگا۔ ان دونوں تحریروں کے پڑھنے کے بعد فوج نے آخری جواب دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۷۳، ۷۴)

فوج میں اختلاف: ان کے وعدے کے مطابق دوسرے دن مہندی کا بھائی جواب لینے کے لیے گیا، لیکن کوئی متفقہ جواب نہ ملا۔ ہر شخص اپنی جیسی کہتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر عبد اللہ لوٹ گیا۔ اس کے دوسرے دن مہندی نے پھر عبد اللہ اور موسیٰ بن بغا کو بھیجا۔ انہوں نے جا کر دوبارہ مطالبات کی منظوری کی توثیق کی، لیکن اب فوج کا رنگ بدل گیا تھا۔ کہاں وہ ترکی افسروں خصوصاً صالح کے خلاف ہو رہے تھے، کہاں خود

انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ موسیٰ کو بغا بکیر کی جگہ مقرر کیا جائے اور صالح کو اس کے باپ کی جگہ دی جائے اور فوج کا شعبہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے بدستور رہنے دیا جائے۔ ان کی تنخواہیں دی جائیں۔ البتہ وصیف کے برآمد کرنے کا مطالبہ قائم رہا، لیکن ان مطالبات پر بھی سب متفق نہ تھے اور آپس میں اختلاف تھا، غرض کوئی بات طے نہ ہو سکی اور سب نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ (طبری جلد ۱۲، ص ۱۸۰۵، ۱۸۰۶) اگرچہ تاریخوں میں اس تبدیلی کے اسباب کی تصریح نہیں ہے، لیکن مختلف حالات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقفہ میں ترکی افسروں کو ترکی فوج کے ہموار کرنے کا موقع مل گیا۔ فوج ان کے خلاف ہو گئی تھی، لیکن بہر حال ان کی ہم قوم تھی۔ مہندی بھی ترکی افسروں کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بنا پر افسروں کے لیے فوج کو نشیب و فراز سمجھا کر ہموار کر لینا دشوار نہ تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نئے مطالبات میں ترکی افسروں کی حمایت کی تھی۔ بہر حال اس ہنگامے کے بعد صالح کی تلاش برابر جاری رہی۔ ایک شخص کو پتہ چل گیا اور وہ گرفتار کر کے جوسق میں لایا گیا۔ امیر فتح نے اس کا سر قلم کر دیا۔

مہندی کے اصلاحی مساعی اور اس کا انجام: ۲۵۶ھ میں مہندی بھی ترکوں کے استبداد کا شکار ہوا اور تخت سے اتار کر بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس کا قتل خالص اس کے اصلاحی مساعی کا نتیجہ تھا۔

دولت عباسیہ کے سیاسی زوال کے ساتھ اس کی اخلاقی اور دینی حالت بھی روز بروز گرتی جاتی تھی۔ اس حکومت کی بنیاد جمیوں کے ہاتھوں پڑتی تھی۔ اس لیے ابتدا ہی سے اس میں عجمی عقائد و خیالات کی آمیزش شروع ہو گئی تھی اور مسلمانوں میں طرح طرح کے عقائد اور فرقے پیدا ہو گئے تھے، لیکن عجمی ایرانیوں کی قوم ایک تاریخی اور متمدن قوم تھی۔ اپنا مذہب و اخلاق رکھتی تھی۔ اس لیے اخلاقی حدود و قوانین کی پابند تھی اور چونکہ شاہ پرستی ان کے خمیر میں داخل تھی۔ اس لیے اپنے عہد عروج میں بھی اس نے

اور ترکوں کی وحشت سے اس کی مذہبی اور اخلاقی روح بھی روز بروز مردہ ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے مہندی چاہتا تھا کہ وہ ان تمام مفاسد کو دور کر کے عظمت و شان میں بارونی عہد اور عدل پروری اور دینی روح میں عمر بن عبدالعزیز کی یاد تازہ کر دے، چنانچہ سب سے پہلے اس نے مذہبی اور اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ کی اور ’قبۃ المظالم‘ کے نام سے ایک عمارت بنوائی۔ اس میں وہ روزانہ رعایا کی داورسی کے لیے بیٹھتا تھا۔ عوام و خواص سب بلا امتیاز آتے تھے اور مہندی ان سب کی داورسی کرتا تھا۔ شراب نوشی اور زنان بازی کو حکما روک دیا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اشاعت کراتا تھا۔ نماز پنجگانہ کے لیے جامع مسجد جاتا تھا۔ خود ہی امامت کرتا اور نماز کے بعد خطبہ (مروج الذہب جلد ۸، ص ۲) دیتا تھا۔ عمال کے جو رونقہ کی کا پورا انسداد کیا۔ خطیب کا بیان ہے کہ عمال حکومت کے ظلم و تعدی کو سختی کے ساتھ روک دیا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سے رؤساء کو سزائیں دیں، دفاتر کی نگرانی اور جانچ خود کرتا۔ ہفتہ میں دو دن اتوار اور پنجشنبہ حساب اور دفتر کی جانچ کے لیے مخصوص تھے۔ کاتبوں سے اپنے حساب کراتا تھا اور سب کی جانچ کرتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳، ص ۳۵۰)

عوام کسی مفسد و فاسق: لیکن جو لوگ مدتوں سے آزادانہ زندگی کے خوگر چلے آتے تھے۔ ان پر یہ احتساب سخت گراں گزرا۔ مسعودی لکھتا ہے کہ جب مہندی نے لوگوں کو سیدھے راستہ پر چلانا چاہا تو عوام اور خواص سب پر یہ گراں گزرا اور وہ اس کے عہد خلافت سے تھک کر اس سے گھبرانے لگے اور انہوں نے اس کے خلاف حیلہ جوئیاں شروع کر دیں اور اسے قتل کر کے چھوڑا۔ (مروج الذہب جلد ۸، ص ۳)

اگر ترکوں کی بجائے عرب ہوتے تو وہ آسانی کے ساتھ ان مذہبی اصلاحات کو قبول کر سکتے تھے، بلکہ دھرموں سے ان کو بزر و منواتے، لیکن عباسیوں کی عجم نواز پالیسی نے اس زندہ قوم کو عملی حیثیت سے بالکل مردہ کر دیا تھا اور جو قوم آڑے وقت میں ان کے کام آنے والی تھی اس کو گوشہ گمنامی میں ڈال دیا تھا اور جو جماعت برسر اقتدار تھی وہ

کسی مذہبی و اخلاقی ضابطہ کی پابند نہ تھی۔ بیشتر ترکوں، اشروسنیوں اور فرغانیوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ نو مسلم ترک محض نام کے مسلمان تھے۔ ترکی امراء کسی ایسی اصلاح کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، جن سے ان کے اقتدار کو صدمہ پہنچتا ہو، گوانہوں نے علانیہ اس کی مخالفت نہیں کی، لیکن اندرونی طور پر سب کے سب خلاف تھے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ مہندی نے جب دیکھا کہ ان کی موجودگی میں اصلاحات کا کامیاب ہونا مشکل ہے تو اس نے ان کا جتھا توڑنے کا عزم کر لیا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض ایسے واقعات پیش آ گئے، جس سے اس کو اس کا موقع مل گیا، چنانچہ اس نے پہلے محمد بن بغا اور اس کے بھائی میسون اور امیر ^{مفلح} کو گرفتار کر کے قید کیا، پھر محمد بن بغا کو قتل کر دیا۔ اس کا بھائی موسیٰ مساور خارجی کے مقابلہ میں تھا۔ اس کی بغاوت کو روکنے کے لیے اس نے لکھ بھیجا کہ فوراً فوج کی سمان امیر باکیال کے حوالہ کر دے اور باکیال کو تحریر بھیجی کہ وہ فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر ^{مفلح} اور موسیٰ کو قتل کر دے۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۷۵) مسعودی کا بیان ہے کہ موسیٰ اور امیر باکیال دونوں کو خفیہ ایک دوسرے کے قتل کا حکم دیا۔ (مروج الذہب جلد ۸، ص ۹۸) ترک مہندی سے کھٹک چکے تھے۔ اس لیے جس وقت باکیال کو اس کا حکم ملا وہ اس کو لے کر محمد بن موسیٰ کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس عہدہ سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ یہ تدبیر ہماری پوری قوم کے خلاف کی گئی ہے۔ ایسی حالت میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟ اس نے کہا میری رائے میں تم سیدھے سامراجاً اور پہلے مہندی کو اپنی اطاعت کا یقین دلاؤ کہ میرے اور ^{مفلح} کے معاملہ میں اس کے حکم کی تعمیل کرو گے۔ اس کے بعد اس کے قتل کی تدبیر کی جائے۔ اس مشورہ کے مطابق باکیال سامراجاً پہنچا۔ امیر یارکوج، سارنگین اور سیما طویل بھی اس کے ساتھ تھے۔ مہندی ترکوں سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس لیے باکیال کے فریب میں نہ آیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری پر ترک بگڑ گئے اور انہوں نے مہندی سے جواب طلب کیا کہ ہمارا قائد کس الزام میں

گرفتار کیا گیا اور محمد بن بعا کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔

ترکوں کی برہمی دیکھ کر مہندی نے صالح بن علی بن یعقوب بن منصور سے مشورہ

کیا۔ اس نے کہا کہ خراسانی ابو مسلم کو جتنا مانتے تھے اور اس کو ان میں جو عظمت و شان

حاصل تھی، اتنا ترک با بکیال کو نہیں مانتے۔ خراسانی ابو مسلم کی پرستش کرتے تھے، لیکن

جب اس کا سر قلم کیا گیا تو سب کی زبان پر مہر لگ گئی اور امیر المومنین اپنے اسلاف سے

کہیں زیادہ شجاع ہیں۔ اس لیے اگر با بکیال کو قتل کر دیا جائے تو سب ترک خاموش ہو

جائیں گے۔ مہندی نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور با بکیال کو قتل کر دیا، لیکن اس نے اس

فیصلہ میں غلبت سے کام لیا۔ وحشی ترک ایرانیوں سے مختلف تھے۔ اس لیے وہ پھر کر

مہندی کے مقابلہ میں آگئے، گو اس نے پہلے سے چند ہزار سپاہ کا انتظام کر لیا تھا، لیکن

اس میں بھی اس نے یہ غلطی کی تھی کہ جو ترک با بکیال کے جتھے کے نہ تھے، ان کو غلط اعتماد

پر اپنے ساتھ رکھا تھا۔ جنہوں نے قومی عصبیت میں عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا۔ مہندی

نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا، لیکن اس مختصر جماعت کا

آزموہ کار ترکوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونا مشکل تھا۔ آخر میں اس کی فوج کی ہمت

چھوٹ گئی اور اس نے میدان چھوڑ دیا۔ مہندی ہر چند آواز دیتا رہا کہ مسلمانو! اپنے

امیر المومنین کی مدافعت کرو، لیکن کسی نے نہ سنا اور مہندی کو مجبور ہو کر پولیس افسر کے گھر

میں پناہ لینی پڑی، لیکن ترک اسے وہاں سے بھی نکال لائے اور جو سبق میں احمد بن

خاقان کے پاس قید کر کے خلافت سے دستبرداری پر زور ڈالنا شروع کیا، لیکن اس نے

جان دے دی مگر دستبرداری پر آمادہ نہ ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۷۶۷)

مسعودی کا بیان ہے کہ مہندی کو گرفتار کرنے کے بعد ترکوں نے اس سے سوال

کیا کہ تم لوگوں کو ایسے اخلاق اور ایسے راستہ پر چلانا چاہتے ہو، جس سے وہ ناواقف

ہیں۔ مہندی نے کہا میں ان کو رسول اللہ ﷺ، اہل بیت نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین

ﷺ کے طریقے پر چلانا چاہتا ہوں۔ اس کا یہ جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ کا سابقہ ایسے

لوگوں سے تھا جو دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کی طرف مائل تھے اور تمہارے ساتھی ترک، خرز، فرغانی، مغربی وغیرہ عجم کی ایسی قومیں ہیں جو اخروی فرائض سے ناواقف ہیں اور ان کا مقصود اور ان کی غرض و غایت دنیاوی منفعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تم ان کو کیونکہ اس رستہ پر چلا سکتے ہو۔ اس سلسلہ میں دونوں میں بحث و گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ معاملات سدھر جائیں کہ ایک بد باطن سلیمان بن وہب نے کہا کہ تم غلطی کر رہے ہو، گو وہ (مہندی) اس وقت تم سے زبانی اقرار کیے لیتا ہے، لیکن اس کی نیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس اقرار کے بعد تم سب کا شیرازہ بکھیر دے گا۔ اس آواز نے بجلی کا کام کیا اور ترک دیوانہ وار خنجر لے کر مہندی پر جھپٹ پڑے۔ بالکمال کے چچا زاد بھائی نے جو شراب کے نشہ میں چور تھا وار کر کے گردن کی رگ کاٹ دی۔ خون کا فوارہ پھوٹ اُکا۔ وحشی ترک نے زخم میں منہ لگا کر خون پیا اور پی کر بولا، آج جس طرح میں نے شراب سیر ہو کر پی تھی، ویسے ہی خون سے خوب آسودہ (مسعودی جلد ۸، ص ۱۱ تا ۹) ہوا۔ یہ واقعہ جب ۲۵۶ھ کا ہے۔ اس کے سوا قتل کی نوعیت کے متعلق اور روایتیں بھی ہیں۔ غرض مہندی نے جس مبارک اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اسی کی راہ میں شہادت حاصل کی۔ اس کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس کا خیر میں اسے کوئی مددگار نہ ملا۔ اگر وہ اپنی اصلاح میں کامیاب ہو جاتا تو یہ اس کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہوتا۔ قتل کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ساڑھے گیارہ مہینے۔

حلیہ: مہندی پستہ قامت، فربہ اندام اور گندم گوں تھا۔ ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ (صفات) علماء کی قدر دانی: مہندی کی علمی استعداد معمولی تھی، لیکن علماء اور اہل کمال کا بڑا قدردان تھا۔ خصوصاً جس کام کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لیے علماء کی امداد کی بڑی ضرورت تھی۔ اس لیے اس نے دربار میں علماء کا گروہ جمع کیا۔ فقہاء کے رتبے بڑھائے اور ان کے ساتھ ہر قسم کی مراعات کیں۔ (تاریخ

خطیب جلد ۳، ص ۲۳۹)

قیام عدل: مہندی کی سیرت کا نمایاں رخ اس کا عدل و انصاف، زہد و تقویٰ اور اوامر و نواہی کا قیام ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ قیام عدل کے لیے اس نے ایک خاص عمارت بنوائی تھی۔ جس کا نام ”قبتہ المظالم“ تھا اور اس میں وہ روزانہ بیٹھ کر عوام و خواص کی دادی کرتا تھا۔ کرسی عدالت پر بیٹھنے کے بعد اپنے اور بیگانے سب اس کی نظر میں ایک ہو جاتے تھے۔ اگر اس کا لڑکا بھی ماخوذ ہوتا تو اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے اس کے لڑکے پر دعویٰ کیا۔ مہندی نے اس کو عدالت میں طلب کیا اور مدعی کے پہلو میں کھڑا کر کے دعویٰ کے متعلق پوچھا۔ لڑکے نے اقرار کر لیا۔ مہندی نے اسی وقت اس کا حق واپس دلایا۔ یہ انصاف دیکھ کر ایک شخص عبداللہ بن ابراہیم اسکانی نے کہا، امیر المؤمنین کی ذات گرامی ان اشعار کی مصداق ہے:

حکمت مودہ فقضی بینکم لا یقبل الرشوة فی حکمہ

ابلح مثل القمر الزاهر ولا یبالی غبن الحناسر

مہندی نے کہا میں قرآن پاک کی اس آیت ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامِ﴾ کو پڑھ کر اس مقام پر بیٹھا ہوں اور یہ کہہ کر بے اختیار رو دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳، ص ۲۴۹)

صالح بن علی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن مہندی کی عدالت کا منظر دیکھا۔ دادخواہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کے پاس پہنچتے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے اس کے پاس جو استغاثے آتے تھے۔ ان کی دادی کے احکام جاری کرتا تھا۔ یہ منظر مجھے بہت پسند آیا۔ (مروج الذهب جلد ۸، ص ۲۱)

عمال کے مظالم کی جس شدت سے اس نے روک تھام کی تھی۔ اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ فخر کا بیان ہے کہ اس نے اپنے تمام متعلقین کو ظلم و تعدی

سے روک دیا تھا۔ (الفخری ص ۲۲۳)

زہد و ورع : خلفائے عباسیہ کی عیش پرستیاں تاریخ کی رنگین اور دل آویز داستانیں ہیں۔ جس کی نا تمام تصویر الف لیلیٰ میں نظر آتی ہے۔ مہندی نے تحت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بساط عیش کو الٹ کر بوریا ئے فقر بچھا دیا اور وہ ایوان عیش جو اپنی دل آویزیوں کے اعتبار سے نگار خانہ چین پر چشمک زن تھا، عزت نشین راہب کی خانقاہ کے قالب میں آ گیا۔ اس کی زندگی سادگی اور زہد کا نمونہ تھی۔ اپنے خاندان والوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز کے راستہ پر چلنے دو کہ میں بنو امیہ کی طرح بنو عباس میں بھی عمر بن عبدالعزیز کی مثال پیدا کروں۔ اس اسوۂ حسنہ کو اس نے عملاً کر دکھایا۔ کھانے پینے، لباس، ساز و سامان اور فرش و فروش سب میں اس نے عمر بن عبدالعزیز کی تقلید کی۔ سارے نقرئی و طائنی ظروف گلو کر اس کے سکے ڈھلوا دیئے۔ ایوان عیش کے تمام موقعے منادئیے، مینڈھوں اور مرغوں کا غول جو خلفائے عباسیہ کی تفریح طبع کے لیے جمع کیے گئے تھے، ذبح کروا دیئے۔ جانور خانہ میں جس قدر درندے پرورش پاتے تھے۔ سب مروا ڈالے۔ دیبا اور اس قبیل کے جملہ فرش فروش جن کا استعمال شرعاً ممنوع تھا، اٹھوا دیئے۔ خلفائے عباسیہ کے دسترخوان کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا۔ مہندی نے گھٹا کر سو درہم کر دیا اور اس سے بھی وہ بہت کم فائدہ اٹھاتا تھا، کیونکہ ہمیشہ روزے رکھتا تھا اور افطار کا سامان جو ہوتا تھا وہ اس بیان سے ظاہر ہوگا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۸ ص ۱۹)

ابوالعباس بن ہاشم ہاشمی کا بیان ہے کہ میں رمضان کی ایک شام کو امیر المومنین مہندی کے پاس تھا۔ افطار کے قریب اٹھنے کا ارادہ کیا۔ اس نے بٹھالیا۔ اتنے میں مغرب کا وقت آ گیا۔ ہم سب نے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کھانا آیا تو اس میں دو روٹیاں، ایک برتن میں نمک ایک میں سرکہ اور ایک میں روغن زیتون تھا۔ مہندی نے مجھے کھانے پر بلایا۔ میں بیٹھ گیا اور اس خیال سے کہ یہ محض افطار ہے۔ اصل کھانا بعد

میں آئے گا۔ بہت کم کھایا۔ مہندی نے کہا کیوں کھاتے کیوں نہیں؟ کیا روزہ نہیں تھا؟ میں نے کہا روزہ تو تھا۔ پھر پوچھا کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں ہے؟ میں نے کہا رمضان کا مہینہ ہے، روزہ کیوں نہ رکھوں گا۔ کہا بھر پور کھانا کھا لو، کیونکہ جو سامان تمہارے سامنے موجود ہے، یہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ابو ہاشم کہتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے کہا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ رزق کا دائرہ وسیع کیا ہے، پھر اس کے علاوہ کچھ کیوں نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا جو کچھ تم نے کھا وہ سچ ہے اور اس پر اللہ کا شکر ہے، مگر میں نے سوچا کہ بنی امیہ میں تو عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوں اور بنی ہاشم میں ان کی مثال ناپید رہے۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے یہ زندگی اختیار کی۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۶۱) لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ خاندانِ عباسیہ کی نفاست پسندی اور خوش لباسی پر ایک لباس ایک دن بھی پہننا بار تھا، لیکن مہندی ایک کپڑا مدتوں پہنے رہتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳، ص ۳۵۰) عبادت کے اوقات میں نہایت سادہ لباس استعمال کرتا تھا اور اس کے لیے صوف کا جبہ، چادر اور کلاہ مخصوص تھی۔ انہی کو پہن کر وہ نماز پڑھتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳، ص ۳۵۰) اس کے قتل کے بعد اس کا ایک بکس لوگوں کے ہاتھ آیا۔ وہ سمجھے اس میں کچھ نقدی اور قیمتی جواہرات ہوں گے، لیکن جب کھولا گیا اور صرف صوف کا ایک جبہ اور ایک معمولی بنڈی نکلی۔ اس کے خادم سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ مہندی رات گئے اسے پہن کر صبح تک رکوع و سجود میں مشغول رہتا تھا۔ رات کے ابتدائی حصہ میں چھوڑا سا سوکراٹھ بیٹھتا تھا اور بقیہ رات عبادت کرتا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۸، ص ۲۰) صلحاء و اختیار کے سبق آموز و اعظ کا ورد رکھتا تھا۔ حضرت علیؑ کا ایک نہایت پر موعظت خطبہ محمد بن علی ربیع سے پوچھ کر قلمبند کر لیا تھا اور روزانہ رات کو ایک تہا مکان میں رو رو کر دہراتا تھا۔ مسعودی نے یہ پورا خطبہ نقل کیا ہے۔

----- اختتام حصہ سوئم -----